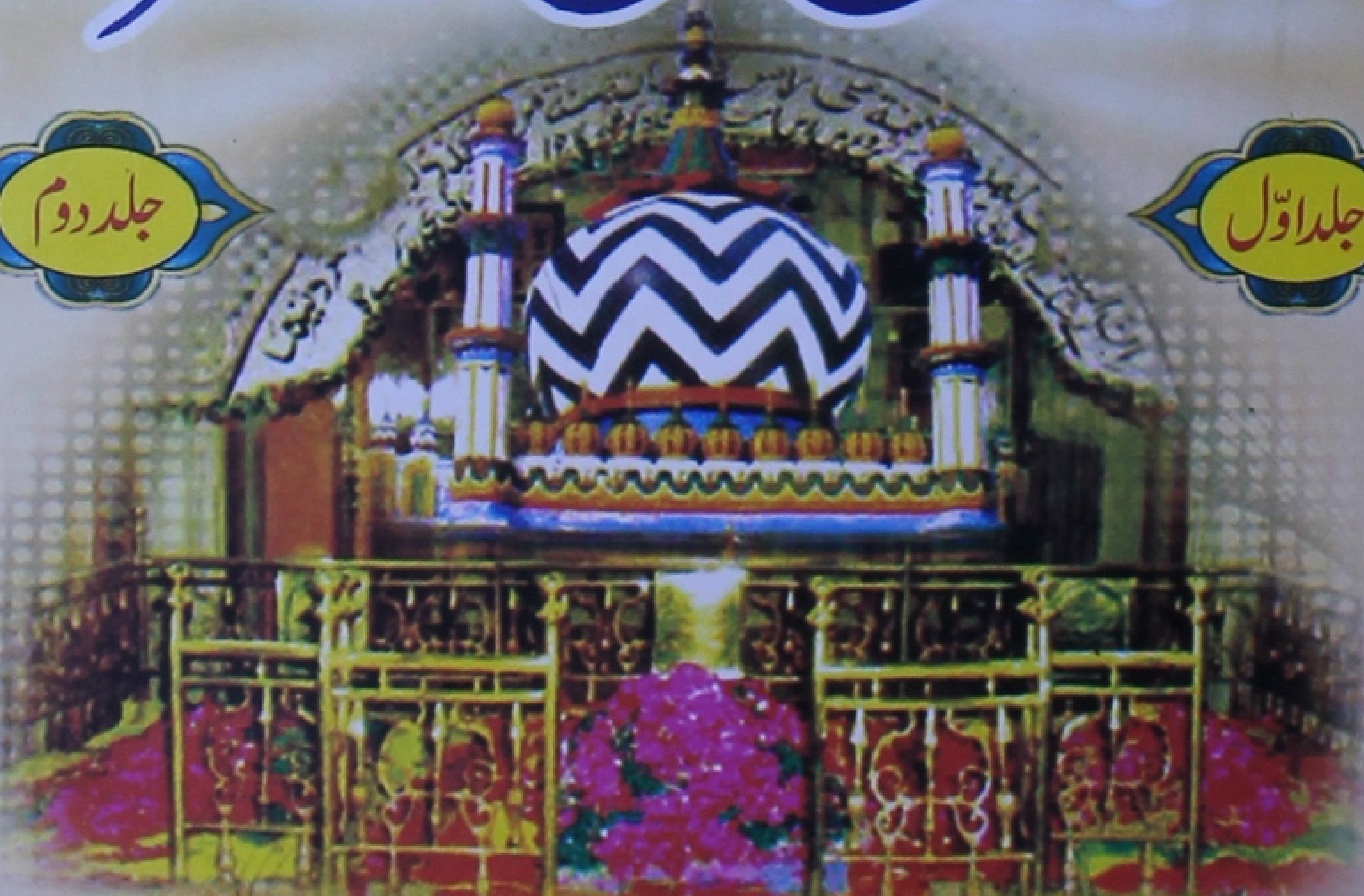
مجموعہ

خلق کو وہ فیض بخشا علم سے بس کیا کہوں
علم کا دریا بہایا اے امام احمد رضا

رسائلِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

جلد دوم



تصنیفِ لطیف

امام اہل سنت مجدد اعظم دین وملت اعلحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں
فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرتب

مفتی جسٹس سیدِ شجاعت علی قادری

اویسی بک سٹال
0333-8173630

مجموعہ

رسائلِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

جلد دوم



تصنیفِ لطیف

امام اہل سنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام **احمد رضا خاں** رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

مرتب

مفتی جسٹس سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

اویسی بک سٹال جامع مسجد رضائے مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

پیپلز کالونی گوجرانوالہ 0333-8173630

نام کتاب ——— مجموعہ رسائل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ (جلد اول) (جلد دوم)

ازقلم ——— امام اہل سنت مجدد اعظم دین وملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

مرتب ——— مفتی جسٹس سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ

پروف ریڈنگ ——— محمد نعیم اللہ خاں قادری (بی ایس سی۔ بی ایڈ ایم اے اردو)

تعداد ——— 800

صفحات ——— 568

ہدیہ ——— 440



مزارِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اندرونی منظر

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفےٰ ﷺ

سیّدی اعلیحضرت پہ لاکھوں سلام




جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام


وصال حامد رضا



تبرکاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مزارِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر

فہرست مضامین

☆☆☆☆☆

عرض ناشر (طبع اوّل)

علمی اور دینی کُتب کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں میرا مطمح نظر بلکہ نصب العین یہی ہے کہ انہیں امکانی طور پر بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس معاملے میں میری کوششوں کے مثبت نتائج سے شائقین کتب اچھی طرح واقف ہیں' علاوہ بریں اعلیٰ اور معیاری کتب کی قیمت کم رکھنے کا تعلق کاروباری مسابقت و مصلحت سے قطع نظر میری اس نیت سے ہے' جس کا اجر صرف نیتوں کا حال جاننے والا ہی عطا فرما سکتا ہے۔

بزرگانِ دین، علمائے کرام اور ملتِ مسلمہ کے رجالِ محترم کی گرانقدر تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ، ملک میں کاغذ کی وقتی اور ہنگامی کمی کے باوجود جاری ہے اور منجملۂ کتب اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایمان افروز، رسائل کی اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، جس کا پہلا دو حصے پیشِ خدمت ہے اور مزید دو حصے کتابت و طباعت کے مراحل میں ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی اور جامع الصفات شخصیت تعریف و تعارف سے مستغنی ہے' البتہ ''رسائل اعلی حضرت'' کے بارے میں چند باتیں کہنی ضروری ہیں۔ یہ رسائل سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے متعلق بعض مسائل کی توضیح و تلویح سے تعلق رکھتے ہیں اور لاکھوں مسلمان ان سے نور بصیرت حاصل کر چکے ہیں، تاہم بیشتر رسائل نہایت قدیم ہیں۔

رسائل اعلیٰ حضرت کی ترتیب و تدوین اور اکثر مقامات پر عربی و

فارسی عبارتوں کے تراجم نیز ضروری تصریحات ، حضرت مفتی جسٹس سیّد شجاعت علی صاحب قادری کی کاوش اور سعیٔ جمیل کا نتیجہ ہیں، میں اس سلسلے میں مفتی صاحب کا سپاس گزار ہوں۔

آخر میں قارئین سے ملتمس ہوں کہ اگر میری جانب سے ہر قسم کی احتیاط کے باوجود کتاب میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو اس کی نشاں دہی فرما کر شکرگذاری کا موقع دیں۔

یہ نایاب تحفہ آپ تک پہنچانے میں ہمارے ملتان کے دوست حضرت مولانا سعید احمد کریمی کی شفقت شامل ہے۔ لہٰذا قارئین انہیں بھی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

شیخ محمد سرور اویسی

0333-8173630(گوجرانوالہ)

عرضِ مرتّب

اعلیٰ حضرت کے رسائل کو یکجا کرنے کا جو سلسلہ جاری کیا گیا ہے، اس میں یہ بات خاص طور پر مدنظر رکھی جاتی ہے کہ مجموعے کے تمام رسائل ایک ہی موضوع کی مختلف حیثیات سے متعلق ہوں، کیونکہ مجموعے کا مقصد چند رسائل کو یکجا کر کے جلد باندھ دینا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ پڑھنے والا ایک ہی موضوع سے متعلق تمام مواد یکجا پڑھ لے، اور اس کو سلسلہ کی کڑیاں ملانے میں دقّت محسوس نہ ہو، اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت کے کُل رشحاتِ قلم یہی ہیں۔

مجموعے کی ضخامت میں اعتدال کی وجہ سے زیرِنظر رسائل پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس مجموعے کا موضوع ''بزرگانِ دین کی ذواتِ قدسیہ'' ہیں۔ عرس، فاتحہ' استمداد، تبرکات وغیرہ' تمام اُمور کا تعلق ، حضرات اولیاء کرام قدس سرہم سے ظاہر ہے۔

نوٹ: جہاں میں نے از خود تراجم کیے ہیں، وہاں ''م'' لکھ دیا ہے، جو مرتب کی طرف اشارہ ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری

نوٹ: اس ایڈیشن میں مَیں نے حتّی الامکان کوشش کی ہے کہ تمام رسائل کے حوالہ جات لگا دیئے جائیں اور کافی حد تک اعراب کا بھی اہتمام کیا ہے۔ اللہ عزوجل میری اس سعی کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبولیت عطا فرمائے۔

محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی، بی ایڈ، ایم (اُردو، پنجابی، تاریخ)

بسم اللہ الرحمنِ الرَّحیم

روحِ ایماں، مغزِ قرآں، جانِ دیں
ہست حبّ رحمۃ للعالمین

(اقبالؒ)

تحریکِ تجدیدِ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

امتِ مسلمہ کا مقدر ہے کہ جب کبھی ضلالت و غوایت کی تاریک گھٹائیں اس پر مسلط ہو جاتی ہیں تو اللہ کی جانب سے ان تاریکیوں میں اُجالے پھیلانے والے نفوسِ قدسیہ وارد ہوتے ہیں۔ یہ حضرات ''مجدد'' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ (از ۱۲۷۲ھ تا ۱۳۴۰ھ) اسی سلسلے کے فردِ منفرد تھے۔

پیدائش کے وقت کے حالات

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات امتِ مسلمہ کے لئے ایسے وقت میں فرشتۂ نجات بن کر ظاہر ہوئی جبکہ امتِ مسلمہ کا سفینہ بیچ منجدھار میں ہچکولے کھا رہا تھا۔ آپ کی خدمت کی وقعت و اہمیت اس وقت آشکار ہوگی جب اس ماحول پر نگاہ ڈالیں جس میں آپ نے کام کیا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ انگریز نے سرزمینِ ہند میں قدم رکھتے ہی ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیں جن کے ذریعے وہ اس سرزمین پر اپنی سلطنت کو بقائے دوام دے سکے۔ اس نے مختلف سازشی جال بچھائے۔ اسے ہندوؤں سے چنداں خطرہ نہ تھا۔ اسے ڈر تھا تو مسلمانوں سے۔ وہ سمجھتا تھا کہ ان سب کو اگر تہ تیغ کیا

جائے تو یہ دُور رازکار ہے اس لئے اس نے سوچا کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کی گردن پر افتراق کی تلوار چلاؤ، جو اس امتِ مسلمہ کو (جو محبت میں ایک جسم کی طرح ہے) خود اپنی موت مرنے پر مجبور کر دے، یعنی خواہ ان کے جسم باقی رہ جائیں مگر ان میں سے روح نکل جائے اس لئے اس نے ایک طویل المیعاد خطرناک منصوبہ بنایا اور وہ منصوبہ یہ تھا کہ امتِ مسلمہ کے قلوب سے "عشقِ رسول" کے جذبے کو نکال دیا جائے۔ تو پھر یہ کھوکھلے صنوبری جسم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان میں جو ولولہ، جوش اور امنگ ہے عشقِ رسول ہی کی وجہ سے ہے، اس قوم کا بھرم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ؎

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

(اقبالؒ)

اگر اس قوم کو قومی موت مارنا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے عشق رسول کے جذبے کو چھین لیا جائے۔ ؎

تاشعار مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمز بقاازدست رفت

لیکن عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بسیط چیز نہیں، یہ ایک مسلسل نظام ہے، اس کا ایک جامع فلسفہ ہے اور اس کی بنیادیں گہری ہیں۔ یہ ایک نو بہار درخت ہے۔ اس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر اس کی بہاروں کو لوٹنا ہے تو اس کی جڑوں پر تیشہ زنی ضروری ہے۔ صحابہ، اہلبیت، تابعین، آئمہ، مجتہدین، علماء ربانین اور اولیائے کاملین سے عشق و محبت یہ سب جڑیں ہیں اس شجر مقدسہ کی، پھر اس کی کچھ علامات ہیں، کچھ مظاہر

ہیں۔ بزرگانِ دین اور ان سے متعلقہ چیزوں کی تعظیم کرنا، ان کے اقوال و افعال کی اتباع کرنا، سب اسی ایک محبت کے جلوے ہیں۔ انگریز نے سوچا، جب تک اس پورے نظام کو ملیامیٹ نہ کیا جائے اس وقت تک کامیابی کی اُمید نہیں۔ انگریز سمجھتے تھے کہ ہم نے اگر مسلمانوں سے کہا کہ "رسول" تم ہی جیسا ایک آدمی تھا" تو کون سنے گا، اس لئے اس نے ان ہی میں سے چند لوگ تلاش کئے جو "ذیابٌ فی ثیاب" کا مصداق تھے۔ یہ دُرست ہے امتِ مسلمہ کی اکثریت نہ تو کبھی غلط راہ چلی ہے اور نہ انشاء اللہ چلے گی لیکن چند لوگوں کا ضمیر فروش بن جانا ہر قوم کی بدقسمتی میں شامل ہے۔

سرزمینِ ہند پر بھی ایسے ہی لوگ تیار کئے گئے۔ اگر ان لوگوں کی سازشی تحریکات کا حال بیان کیا جائے تو اس کے لئے دفتر کے دفتر درکار ہیں، لیکن یہاں اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ہمارے قارئین کو اپنے قدیم مطالعے کے سامنے کچھ بے چینی ہوگی لیکن تحقیق و جستجو کا دروازہ بند نہیں۔ یہ کوئی ہزار دو ہزار سال پرانی تاریخ نہیں، کہ اصلیت کا پتہ لگانا مشکل ہو۔ یہ ایک ڈیڑھ سو سال کی بات ہے' انگریزوں اور ان کے کاسہ لیسوں نے جس طرح اپنے ایجنٹوں کو متعارف کرایا ہے، اس کا لازمی نتیجہ امت مسلمہ کی بے خبری میں ہی نکلنا تھا۔

انگریزوں نے جھوٹے مجاہد، نیچری، جھوٹے پیغمبر، خارجی، دہری اور نہ معلوم کون کون سے ادارے قائم کر دیئے۔

ابن عبدالوہاب نجدی:

کون ہے جو ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد سے ناواقف ہو۔ انگریز

نے اس کے عقائد کو مسلمانوں کے تباہ کرنے کے لئے بہت مفید سمجھا۔ اس کے عقائد کی فہرست بہت طویل ہے۔ درج ذیل حوالہ جات ملاحظہ ہوں تو پتہ چلے گا کہ انگریزوں کے کتنے کام کی چیز تھی۔

اِنَّا نَرٰی عَامَّةَ مُؤمِنِیْ هٰذَا الزَّمَانِ مُشْرِکًا (کتاب التوحید)

ترجمہ: بے شک ہم اس زمانے میں عام مومنین کو مشرک سمجھتے ہیں۔" پھر مشرک ہونے کی وجہ لکھی جاتی ہے:

فَوَاحِدٌ یَعْبُدُ النَّبِیَّ وَ مُتَّبِعِیْهِ حَیْثُ یَعْتَقِدُهُمْ شُفَعَآئَهٗ وَ اَوْلِیَاءَ وَ هٰذَا اَقْبَحُ اَنْوَاعِ الشِرْکِ (کتاب التوحید ص ۶۴)

ترجمہ: تو کوئی نبی اور ان کے متبعین کی عبادت کرتا ہے کہ ان کو وہ اپنا سفارشی ...... اور ولی سمجھتا ہے اور یہ چیز شرک کی بدترین قسم ہے۔

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو شفیع ماننا شرک ہے، حالانکہ حدیث شریفِ صحیح سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کہ میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی، اور پھر دوسرے حضرات کی شفاعت کا بھی ذکر ہے:

آیت الکرسی میں بھی شفاعت کا اللہ کے نیک بندوں کے لئے، ثبوت ہے، رہانبی اور نیک لوگوں کو خدا کا ولی ماننا تو یہ قرآن سے صراحتاً ثابت ہے۔

انگریزوں کو مسلمانوں کا اتحاد پارہ پارہ کرنے کے لئے ایسی ہی کلہاڑی درکار تھی۔ انگریزوں نے اس کو چلانے کے لئے ہندوستان میں کئی

انجینئر تلاش کیے، ایک صاحب نے یہ مشین اس طرح چلائی:

''جو مسلمان کسی نبی یا ولی کی پکی قبر کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے جائے وہ مشرک ہے، جو مسلمان کسی نبی، ولی کی قبر پر شامیانہ کھڑا کرے وہ مشرک ہے۔'' (تقویت الایمان، از اسمٰعیل دہلوی)

پھر اس مشین کو نہایت ہوشیاری، ہونہاری اور انگریزی سے وفاداری کے ساتھ ان حضرات نے چلایا جنھوں نے مذکورہ لوگوں کے عقائد کو اپنایا، اور ان کی تائید و تصدیق کی، چنانچہ ایک صاحب رقم طراز ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ (ابن عبدالوہاب) اور ان کے مقتدی (وہابی) اچھے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ اص ۸)

اب ان سب لوگوں نے مل کر مسلمانوں پر یورش کر دی۔ ان کا سب سے پہلا نشانہ بزرگانِ دین کی عقیدت تھی' پھر سلسلہ بہ سلسلہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کو نہ چھوڑا۔ ان لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کم کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی، رسول کو محض اپنے جیسا ایک انسان، ڈاکیہ اور خطا کار قرار دیا۔ علم غیب جو رسول کو اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے اس کا انکار کیا اور کہا کہ جو اللہ کے بتانے سے بھی رسول کے لئے علم غیب مانے وہ مشرک ہے۔ حالتِ نماز میں اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور آ جائے گا، تو یہ گائے بیل کے تصور میں مستغرق ہونے سے بدتر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد منانا اور روایاتِ صحیحہ سے آپ کی ولادتِ باسعادت کا بیان کرنا کنھیا کا دن منانے کی طرح ہے۔ بزرگان

دین کے ساتھ جو تمسخر کیا گیا ہے اس کو کوئی باغیرت مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ انبیاء اور اولیاء کو اللہ کے سامنے، چوڑھے چمار سے زائد ذلیل بتایا گیا ہے حالانکہ اللہ نے قرآن میں صاف ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (پ۲۶ الحجرات:۱۳)

ترجمہ: بیشک تم میں سب سے زائد محترم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم سب سے زائد پرہیزگار ہو۔

خدانخواستہ اگر اس تحریک کا مقابلہ نہ ہوتا تو مسلمان قوم بے روح و جان ہوتی مگر مجدد زمانہ حاضرہ مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تمام تر کوششیں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابیدہ جذبے کو مسلمانوں میں بیدار کرنے کیلئے صرف کر دیں۔

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت

مختصراً یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی محبت اور والہانہ عقیدت کا کیا مقام ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

(۱) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ (پ۲۱ الاحزاب: آیت۶)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنین سے ان کی جانوں کی نسبت بھی زائد پیارے ہیں۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی فصل)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زائد محبوب نہ ہو

جاؤں۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ مجھے ہر چیز سے زائد محبوب ہیں سوائے میری جان کے، تو آپؐ نے فرمایا:

لَنْ يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ

تم میں سے کوئی بھی ہرگز مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زائد محبوب نہ ہو جاؤں۔

آپؐ کا یہ فرمانا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قلب میں محبت کی یہ منزل بھی اتر آئی اور آپ فرمانے لگے۔

وَالَّذِىْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ نَفْسِىْ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَىَّ فَقَالَ اَلْآنَ يَا عُمَرُ (بخاری)

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی، البتہ آپ میرے نزدیک میری اس جان سے بھی زائد عزیز ہیں، جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے، تو آپؐ نے فرمایا، اے عمر (رضی اللہ عنہ) تمہارا ایمان مکمل ہوا۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی اور دیگر صحابہ کی آپؐ سے محبت کا حال فرماتے ہیں:

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِنْ اَمْوَالِنَا وَ اَوْلَادِنَا وَ آبَائِنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ عَلَى الظَّمَاءِ

(جواہر البحار ج ۲ ص ۳۰ (مواہب)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک ہمارے مال و دولت، اولاد، آباء و اجداد، ماؤں اور سخت پیاس کے وقت ٹھنڈے پانی سے بھی زائد

محبوب و پسندیدہ تھے۔

(۵) عورتوں کی آپ سے محبت:

ایک عورت کے باپ، بھائی اور شوہر جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے، لوگوں نے ان کو اطلاع دی تو وہ حضور کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔ جب لوگوں نے آپؐ کی خیریت بتا دی تو کہنے لگیں کہ مجھے آپؐ کی بارگاہ میں زیارت کو لے چلو، دیدار سے آنکھوں کو ٹھنڈک دے کر عرض کرنے لگیں۔

کُلُّ مُصِیْبَۃٌ بَعْدَکَ جَلَلٌ (ابن اسحٰق)

ترجمہ: آپؐ کے بعد ہر مصیبت ہیچ ہے۔

(۶) زید بن دثنہ کی محبت: آپ کو مشرکینِ مکہ نے گرفتار کر لیا تھا اور ذبح کرنے کے لئے حدودِ حرم سے باہر نکال لائے تھے۔ (ابوسفیان جو ابھی تک اسلام نہ لائے تھے) نے بہ غرض آزمائش آپ سے دریافت کیا، تم اس بات کو پسند کرو گے کہ ہم بجائے تمہارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گردن ماردیں اور تم اپنے اہل و عیال کے ساتھ مزے اڑاؤ؟ تو زید بولے:

وَاللّٰہِ مَآ اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا الآنَ فِیْ مَکَانِہِ الَّذِیْ ھُوَ فِیْہِ تُصِیْبُہٗ شَوْکَۃٌ وَ اِنِّی لَجَالِسٌ فِیْ اَھْلِیْ (شفاء عیاض)

بخدا مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جہاں تشریف فرما ہیں، وہاں ان کے پیر میں کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر والوں میں بیٹھا رہوں۔

محبت کی علامت:

دعویٰ محبت تو بہت آسان ہے مگر اس کو ثابت کرنا بڑا مشکل کام ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت اطاعتِ محبوب ہے۔ ترمذیؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی:

(۱) مَنْ اَحْيَا سُنَّتِيْ فَقَدْ اَحَبَّنِيْ وَمَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

قرآن صاف ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝ (پ۵ النساء آیت ۶۵)

ترجمہ: پس نہیں، قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہو سکتے حتّٰی کہ وہ آپ کو حکم نہ مان لیں۔ اپنے جھگڑوں میں کچھ تنگی نہ پائیں آپ کے فیصلے سے اپنے نفسوں میں اور بخوبی تسلیم کر لیں۔

سہل بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَمْ يَرَوِلَايَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ وَ يَرىٰ نَفْسَه مِلْكَهٗ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَمْ يَذُقْ حَلَاوَ سُنَّتِهٖ

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت اپنے تمام احوال میں

نہ دیکھی اور اپنے آپ کو آپ کی ملک میں نہ جانا تو وہ آپ کی سنت کی مٹھاس نہ چکھے گا۔

صرف یہی نہیں بلکہ محبوب کی ہر چیز سے محبت ضروری ہے۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مِنْ عَلَامَاتِ مُحَبَّتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَحَبَّةُ دِيْنِهٖ وَاٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَ بَلَدِهٖ وَ مُحَبَّةُ كُلِّ شَيْءٍ يُنْسَبُ اَلَيْهِ.

ترجمہ: آپ کی محبت کی علامات میں سے آپ کے دین، اولاد، اصحاب، شہر اور ہر اس چیز کی محبت ہے جو آپ سے منسوب ہو۔

اعلیٰ حضرتؒ کی تحریک

اعلیٰ حضرتؒ کی تحریک کا مقصد اسی جذبے کو بیدار کرنا تھا، آپ نے ان لوگوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا، جو مسلمانوں اور عشقِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں خلیج بنا چاہتے تھے۔ آپ کے قال اور آپ کے حال سے عشقِ مصطفیٰ کے دھارے بہتے تھے۔ زبان وقلم سے عشقِ مصطفیٰ کے زمزمے، نکلتے تھے۔ ثبوت میں آپ کی کوئی بھی کتاب ملاحظہ کر لیجیے، اس وقت چند حوالہ جات پیش کیے جاتے ہیں۔

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ غلاف کعبہ کا ایک ٹکڑا کسی مسجد میں آویزاں ہے، لوگ اسے بوسہ دیتے ہیں اور اس پر بہت بھیڑ کرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟ اس کے جواب میں آپ نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا تاریخی نام ''ابرالمقال'' ہے۔ اس کے چند اقتباسات ہی پڑھ لیجیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ کے قلم سے عشق مصطفیٰ کے کیسے سوتے پھوٹتے ہیں،

فرماتے ہیں:

(۱) بوسہ تعظیم شرعاً و عرفاً انحاء (اقسام) تعظیم سے ہے، اسی قبیل سے ہے، بوسہ آستانہ کعبہ و بوسہ مصحف و بوسہ کنان و بوسہ دست علماء و اولیاء و کل ذالک مصرح فی الکتب کا الدرالمختار وغیرہ۔

اب اس عبارت پر غور فرمایئے وہی رجحان عشق و ادب کارفرما نظر آتا ہے۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

(۲) خود احادیثِ کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا دست و پائے اقدس حضور پُرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم و مہر نبوت کو بوسہ دینا وارد (ص۳)

صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی کس قدر اہتمام سے لیتے ہیں اور یہ کچھ اسی عبارت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آپ نے اپنی تمام تصنیفات میں اس امر کا شدت سے التزام کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم شریف نہایت پیارے القاب سے لیتے ہیں اور یہی حال دیگر بزرگانِ دین کے ساتھ ہے، اس معاملے میں آپ دیوبندی، وہابی اور ندوی علماء کی طرح نہ تو وقت کی بچت کا خیال کرتے ہیں، نہ کاغذ، قلم اور دوات میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی طریقہ ہمارے اسلاف کا رہا ہے، کیا کوئی کسی حدیث سے ثابت کرسکتا ہے کہ صلعم، یا صلّم یا ؐ درود کا کوئی صیغہ ہے۔ کیا قدیم کتب میں یہ مہمل نشانات ہیں۔ یہ سب بدعتیں عشق رسول کو گھٹانے کے لئے ایجاد کی گئی ہیں اور اعلیٰ حضرت نے ان بدعات کا قلع قمع کیا ہے۔

پھر فرماتے ہیں:

(۳) جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، واجب التعظیم ہے،

محدث محبت ہے، لہٰذا بلدۂ طیبہ مدینہ سکینہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کے در و دیوار تبرکاً مس کرنا اور بوسہ دینا، اہلِ حُب و ولا کا دستور اور کلمات آئمہ و علماء میں منظور۔"

پھر فرماتے ہیں: شعر:

اَمُــرُّ عَــلَــی الــدِّیَــارِ دِیَــارِ لَیْــلٰــی
اُقَبِّــلُ ذَاالْــجِــدَارَ وَ ذَاالْــجِــدَارَا
وَمَــا حُــبُّ الــدِّیَــارِ شَــغُــفْنَ قَلْبِــیْ
وَلٰــکِــنْ حُــبُّ مَــنْ سَــکَــنَ الــدِّیَــارَا

میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتے ہوئے، کبھی تو اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو، یہ شہر کی نہیں، شہر والوں کی محبت ہے۔

اعلیٰ حضرت کے پورے کلام کا محور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کے نعلِ پاک کے نقشے کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اس سے بھی ارفع و اعلیٰ و اوضح و اجلیٰ یہ ہے کہ طبقہ در طبقہ، شرفا اور غرباء، عجما، عربا، علمائے دین و آئمہ معتمدین نعلِ مطہر و روضۂ معطر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے ہیں، کتابوں میں تحریر فرماتے ہیں اور انہیں بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے، سر پر رکھنے کا حکم فرماتے ہیں۔"

پھر آپ متعدد علمائے دین کے اقوال و اشعار نقل فرماتے ہیں، ان میں ایک یہ ہے:

لِمَنْ قَدْمَسَّ شَکْلَ نِعَالِ طٰہٖ
جَزِیْلُ الْخَیْرِ فِیْ یَوْمِ الْمَآبِ
وَ فِی الدُّنْیَا یَکُوْنُ بِخَیْرِ عَیْشٍ
وَ عِزٍّ فِی الْھِنَاءِ بَلَا ارْتِیَابِ

"اس شخص کے لئے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشۂ نعلِ پاک کو مس کیا، روزِ قیامت ثوابِ عظیم ملے گا اور بلاشبہ دنیا میں بہترین عظمت وخوش حالی کی زندگی گزارے گا۔

مولانا کے ہر کلام کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگ عشق رسول کی دولت سے آشنا ہو جائیں۔ آپ کا منظوم کلام جس کا مجموعہ "حدائق بخشش" ہے عشق رسول میں ڈوبا ہوا ہے۔ یوں تو بہت لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کہی ہے لیکن بارگاہِ نبوت کا جس درجہ خیال آپ نے رکھا ہے شاید ہی کسی اور کے کلام میں ہو۔

آپ کے کسی شعر پر آج تک کسی نے اعتراض کی جرأت نہ کی۔ یہ درست ہے کہ عشق حدوں کو توڑ دیتا ہے مگر عشقِ مصطفیٰ حدود کی پابندی سکھاتا ہے۔ جذبات مچلتے ہیں مگر حدود اللہ کو دیکھ کر واپس لوٹتے ہیں۔

اسی قسم کی طوفانی کیفیت اعلیٰ حضرت کے اس شعر میں ہے۔

؎ پیشِ نظر وہ نوبہار، سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی تو امتحاں ہے

یہی کیفیتِ عشق شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیر پاست
پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے
سجدہا برخاک او پاشیدمے!

یہ علیحدہ بات ہے کہ جو مضمون علامہ اقبال نے دو اشعار میں بیان اعلیٰ حضرت نے وہ ایک ہی شعر میں بکمال حُسن وخُوبی سمودیا ہے۔

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

آپ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ دیارِ محبوب کے سامنے خاکساری کے اظہار کی کوئی صورت باقی نہ رہی، نہیں نہیں! ایسا نہیں، اعلیٰ حضرت اس سے آگے بڑھ کر کہتے ہیں:

پارۂ دل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضا
ان سگانِ کو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

فرید الدین عطار کو عشقِ رسول کی دولت ملی تو فرمانے لگے۔

بہ عمر خویش مدح کس نہ گفتم
درے از بہر دنیا من نہ سفتم

عشق نبوی کا سودا ہی کچھ ایسا ہے کہ جس کے سر میں سما جائے تخت و طاؤس کو اس کی نگاہ میں بے حقیقت کردے۔ امام مالکِ کو جب یہ نعمت ملی تو اقتدار کو ٹھوکر مار کر کہنے لگے:

گفت مالک مصطفیٰ راچا کرم
نیست جز سودائے او اندر سرم
تو ہمی خواہی مرا آقا شوی
بندۂ آزاد ، را مولا شوی
عشق می گوید کو فرمانم پذیر
پادشاہاں را بخدمت ہم مگیر!

یہی دولت اعلیٰ حضرت کو ملی، جب انگریز لوگوں کو خرید رہے تھے اور لوگ انگریز بہادر کی تعریف میں قصیدے کہہ رہے تھے، تذکرہ الرشید حصہ اول ص ۷۹ میں ہے کہ:

"جیسا کہ آپ حضرات (مولوی رشید احمد اور مولوی قاسم نانوتوی) اپنی انگریز، مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تازیست (زندگی بھر) خیر خواہ ہی ثابت رہے۔" لیکن اعلیٰ حضرت کا تعلق اس خاندانِ فضل حق خیر آبادی سے تھا جس نے جزیرۂ انڈمان میں گھلا دینا پسند کیا مگر انگریزوں کی غلامی قبول نہ کی۔ آپ نے بھی ایسا ہی بے باکانہ نعرہ لگایا۔

کروں مدح اہلِ دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

یہ شعر اعلیٰ حضرت کے عقائد و نظریات کی پوری غمازی کرتا ہے۔ ان کے یہاں دینی اقدار پر کسی قسم کی سودے بازی جائز نہیں۔

مولانا محمد علی جوہر، شوکت علی، مولانا عبدالباری، مولانا نعیم الدین مراد آبادی، جن کی مساعیٔ جمیلہ سے پاکستان وجود میں آیا ان سب نے فکر و عمل کے لئے عشقِ رسول کے جذبے کو اعلیٰ حضرت ہی سے حاصل کیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شاعری میں بھی نبوت کی عظمتوں کا پورا خیال رکھا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت کہہ کر آپ کی خدمت میں بھیجی۔ اس میں کھجور کے ان دو درختوں کو تشبیہہ دی گئی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کے سامنے تھے۔ مطلع یہ تھا۔

کب ہیں درخت روضۂ والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمۂ لیلیٰ کے سامنے

اعلیٰ حضرت یہ مطلع سن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس شعر میں حضور کو لیلیٰ سے اور گنبد خضرا کو خیمۂ لیلیٰ سے تشبیہہ دینا درست نہیں، پھر آپ نے اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت روضۂ والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلّٰی کے سامنے

ایک جگہ آپ اپنے پاس ادب کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ لِلّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکامِ شریعت ملحوظ

ان کی دعا یہ تھی:

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدار عشقِ مصطفٰی کا ساتھ ہو

خلاصۂ کلام، یہ کہ آپ نے مسلمانوں کو عشقِ رسول کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ آپ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا، رسول، صحابہ، تابعین، تبع

تابعین، علمائے ربانین، اولیائے کاملین سب ہی واجب الاحترام ہیں، کسی کی بارگاہ میں ادنیٰ گستاخی بھی روا نہیں، دین کا مکمل نظام ان تمام ہستیوں کی فرمودات پر قائم ہے۔ دین کے معاملے میں کسی قسم کی مداہنت درست نہیں۔

آپ نے اپنی اس تحریک کو کوئی نیا نام نہیں دیا۔ آپ اپنے آپ کو سنّی حنفی کہتے تھے، چونکہ آپ بریلی شریف میں رہتے تھے اس لئے ہر شہر کی نسبت کے قاعدے سے آپ کو بھی بریلوی کہا جانے لگا، ورنہ نہ یہ کوئی فرقہ اور نہ کوئی مسلک ، نہ ہی آپ نے اپنے وصایا میں کہیں لکھا کہ میرے معتقدین کو بریلوی کہا جائے۔

آج جب مغربی سامراج دم توڑ رہا ہے اور مشرقی سامراج سر اُٹھا رہا ہے، پھر عشق رسول کی تمازت کو ختم کرنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ پھر گاندھی کے مریدین پارۂ نان کے عوض ناموسِ مصطفیٰ کا سودا کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ضرورت ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پیغام کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو بیدار کیا جائے ، یہی ہماری نجات کا واحد راستہ ہے۔ فقط۔

ابن مسعود مفتی سیّد شجاعت علی قادری (ایم۔اے)

عرضِ مرتّب

عرصہ دراز سے یہ تمنا تھی کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بیش قیمت رسائل، مجموعوں کی شکل میں شائع کئے جائیں تا کہ بوقتِ ضرورت تحقیق و تفتیشِ مسائل میں دشواری نہ ہو، پھر کتابت بھی معیاری ہو۔ رسائل کے مجموعے نہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ حضرت کے یہ محققانہ رسائل لائبریریوں میں نہ پہنچ سکے اور عوام میں بھی کما حقہٗ ان کی تشہیر و ترویج نہ ہو سکی۔ علاوہ ازیں ایک مشکل یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت دورانِ تحریر کئی صفحات عربی اور فارسی میں تحریر فرماتے ہیں اور اس لحاظ سے ان کا ترجمہ پیش نہیں فرماتے کہ ان کے مخاطب علماء ہیں لیکن عوام کو سمجھنے میں نہ صرف دقّت ہوتی ہے بلکہ مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ پہلا مجموعہ آپ کے سامنے مندرجہ ذیل خصوصیات کے ساتھ آ رہا ہے:

(۱) بہترین کتابت

(۲) بہترین طباعت

(۳) اعلیٰ کاغذ

(۴) عربی و فارسی عبارات کے تراجم جمع کرتے ہوئے یہ خیال رکھا گیا ہے کہ تمام رسائل ایک ہی موضوع سے متعلق ہوں، یعنی عظمت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ اہلِ علم اس کو پسند فرمائیں گے اور ہمت افزائی کریں گے، تا کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے۔

فقط: ابن مسعود سید مفتی شجاعت علی قادری (ایم۔اے)

مجموعہ

رسائل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

جلد دوم

تصنیفِ لطیف

احمد رضا خاں

مرتب

[illegible] جسٹس سید شجاعت علی قادری (ایم اے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلاۃ الصَّفاء فی نورِ المُصطفیٰ ﷺ

اس رسالے میں

حضور ﷺ کے نور

ہونے کی تشریح ہے

تصنیفِ لطیف

احمد رضا خاں

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں ، بشر اور نور ، دونوں کہا گیا ہے۔ آپ کی بشریت کا عنوان تو ظاہر ہے حتیٰ کہ آپ کو بہ حیثیت بشر کافر بھی تسلیم کرتے تھے بلکہ یہ کہنا زائد درست ہوگا کہ کافر آپ کو بشر ہی جانتے تھے، مگر آپ کی نورانیت صرف انہی لوگوں پر عیاں ہوئی جو نورانی دل اور منور آنکھیں رکھتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ط (پ۶ المائدہ آیت ۱۵)

ترجمہ: بلا شبہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آ گئی۔

جمہور مفسرین نے نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو لیا ہے، مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی یہی مراد لی ہے۔

ایک حدیث بھی ہے کہ "اے جابر اللہ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔" مگر سوال یہ ہے کہ اللہ کے نور ہونے سے کیا مراد ہے؟ اس کا شافی جواب آپ کو اعلیٰ حضرت کے اس رسالے صلاۃ الصفاء سے ملے گا۔

مرتب

مسئلہ:

از لشکر گوالیار، محکمہ ڈاک دربار مرسلہ مولوی نور الدین احمد صاحب،

۲۸ ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ یہ مضمون کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کے نور سے باقی مخلوقات، کس حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کس قسم کی ہے؟ بَیِّنُوْا توجروا۔

الجواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ یَا نُوْرُ یَا نُوْرَ النُّوْرِ یَا نُوْرَ قَبْلَ کُلِّ نُوْرٍ وَ نُوْرَ بَعْدِ کُلِّ نُوْرٍ یَا مَنْ لَہُ النُّوْرُ وَ بِہِ النُّوْرُ وَ مِنْہُ النُّوْرُ وَ اِلَیْہِ النُّوْرُ وَھُوَ النُّوْرُ صَلِّ وَ سَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی نُوْرِکَ الْمُنِیْرِ اَلَّذِیْ خَلَقْتَہٗ مِنْ نُوْرِکَ وَخَلَقْتَ مِنْ نُوْرِہِ الْخَلْقَ جَمِیْعاً وَعَلٰی اَشِعَۃِ اَنْوَارِہٖ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَقْمَارِہٖ اَجْمَعِیْنَ. اٰمِیْنَ

امام اجل سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد اور امام اَجَل[1] سیّدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث، احد الاعلام عبدالرزاق ابوبکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیّدنا و ابن سیّدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔

---

[1] بزرگ امام

قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِہٖ فَجَعَلَ ذَالِکَ النُّوْرُ یَدُوْرُ بِالْقُدْرَۃِ حَیْثُ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَلَمْ یَکُنْ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ لَوْحٌ وَّلَا قَلَمٌ وَّ لَاجَنَّۃٌ وَّ لَا نَارٌ وَّ لَا مَلَکٌ وَّ لَا سَمَآءٌ وَّ لَا شَمْسٌ وَّ لَا قَمَرٌ وَّ لَا جِنِّیٌّ وَّ لَا اِنْسِیٌّ فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَخْلُقَ الْخَلْقَ قَسَّمَ ذٰلِکَ النُّوْرَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْجُزْءِ الْاَوَّلِ الْقَلَمَ وَمِنَ الثَّانِی اللَّوْحَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْعَرْشَ ثُمَّ قَسَّمَ الْجُزْءَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ حَمَلَتَہ الْعَرْشِ وَمِنَ الثَّانِیْ الْکُرْسِیَّ وَمِنَ الثَّالِثِ بَاقِی الْمَلٰٓئِکَۃِ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ فَخَلَقَ مِنَ الْاَوَّلِ السَّمٰوٰتِ وَمِنَ الثَّانِی الْاَرَضِیْنَ وَمِنَ الثَّالِثِ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ ثُمَّ قَسَّمَ الرَّابِعَ اَرْبَعَۃَ اَجْزَاءٍ الْحَدِیْثُ بِطُوْلِہٖ:

ترجمہ: یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی! یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے، اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا: اے جابر! بے شک، بالیقیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نور قدرتِ الٰہی سے جہاں خدا تعالیٰ نے چاہا دورہ کرتا رہا، اس وقت لوح وقلم، جنت و دوزخ، فرشتگان، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی، کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے فرمائے پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا، پھر چوتھے کے چار حصے کیے۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ بنحوہٖ[1] روایت کی اِجلّہ آئمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب لدنیہ، اور امام حجر مکی افضل القریٰ اور علامہ

[1] اسی طرح

فاسی مطالع المسرات (ص ۲۲۱) اور علامہ زرقانی شرح مواہب (ج ا ص ۵۵) اور علامہ دیار بکری خمیس (ج ا ص ۲۲) اور شیخ محقق دہلوی، مدارج (ج ۲ ص ۲) وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل و اعتماد فرماتے ہیں۔ بالجملہ وہ تلقی امت[1] کا منصب جلیل پائی ہوئی ہے تو بلا شبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد کسی سند کی حاجت نہیں رہتی۔ بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو بھی حرج نہیں کرتی۔

كَمَا بَيَّنَاهُ فِيْ مُنِيْرِ الْعَيْنِ فِيْ حُكْمِ تَقْبِيْلِ الْاِبْهَامَيْنِ

لاجرم[2] علامہ محقق، عارف باللہ، سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (ج ۲ ص ۳۷۵) میں فرماتے ہیں:

قَدْ خَلَقَ كُلُّ شَيْئٍ مِنْ نُوْرِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَمَا وَرَدَ بِهِ الْحَدِيْثُ الصَّحِيْحُ.

ترجمہ: یعنی، بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے بنائی گئی جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی۔

ذَكَرَهٗ فِي الْمَبْحَثِ الثَّانِيْ بَعْدَ النَّوْعِ السِّتِّيْنَ مِنْ اٰفَاتِ اللِّسَانِ فِيْ مَسْئَلَةِ ذَمِّ الطَّعَامِ

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے:

قد قال الاشعری انہ تعالٰی نور لیس کالانوارِ والرّوح النبویۃ القدسیۃ لُمعۃٌ من الانوار و الملئکۃ شررٌ تلک الانوارِ و قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ وَ مِنْ نُوْرِيْ خَلَقَ كُلَّ شَيْئٍ وَغَيْرَهٗ مِمَّا فِيْ مَعْنَاهُ (ص ۲۶۵، مطبوعہ نوریہ رضویہ، لائلپور)

---

[1] امت کا کسی چیز کو قبول کر لینا ۱۲ [2] یقیناً ۱۲

"یعنی امام اجل' امام اہلِ سنت سیّدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ (جن کی نسبت کر کے اہلِ سنت کو اشاعرہ کہا جاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے اور نہ نوروں کی مانند اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ پاک اسی نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور بنایا اور میرے ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ اور اس کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔"

وَاللّٰہُ سُبْحٰنَہ' وَ تَعَالٰی اَعْلَمُ

مسئلہ

از ٹانڈہ ضلع مراد آباد۔ مرسلہ مولوی الطاف الرحمٰن صاحب پیلپسانوی

۱۴ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ بعض مولود شریف میں جو نُورِ محمدی کو نُورِ خدا سے پیدا ہونا لکھا ہے اس میں زید کہتا ہے، بشرطِ صحت یہ متشابہ کے حکم میں ہے، اور عمرو کہتا ہے یہ انفکاک[۱] ذات سے ہوا ہے اور خالد کہتا ہے متشابہات میں مذہب اسلم رکھتا ہوں اور سالم کو برا نہیں جانتا اور اس میں چُون و چرا بے جا ہے۔ بیّنوا، توجروا۔

الجواب

عبدالرزاق نے اپنی مُصنّف[۲] میں حضرت سیّدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پُر نُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

يَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّکَ مِنْ نُوْرِهٖ

ترجمہ: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

ذَکَرَهٗ الْاِمَامُ الْقَسْطَلَانِیُّ فِی الْمَوَاهِبِ (ج ۱ ص ۵۵ مواہب مع زرقانی) وَغیرہٖ مِنَ الْعُلَمَاءِ الکرام۔

عمرو کا قول سخت باطل وشنیع وگمراہی فظیع ہے بلکہ سخت امر کی طرف

---

[۱] یعنی یہ نور اللہ تعالیٰ کی ذات سے جدا ہوا ہے۔ [۲] یہ ایک کتاب کا نام ہے۔

منجر ہے۔ اللہ عزّوجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہو کر مخلوق بنے اور قولِ زید میں لفظ بشرطِ صحت بُوئے انکار کر دیتا ہے، یہ جہالت ہے، بہ اجماعِ علماء دربارۂ فضائل صحتِ مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں۔

علّامہ عارف باللہ سیّدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ القدسی نے اس حدیث کی تصحیح کی تصریح کی فرمائی۔ علاوہ بریں یہ معنیٰ قدیماً و حدیثاً تصانیف و کلماتِ آئمہ و علماء و اولیاء و عرفاء میں مشہور و متلقی بالقبول رہے۔ یہ خود صحتِ حدیث کی دلیل کافی ہے۔

فَاِنَّ الْحَدِیْثَ یَتَقَوّٰی بِتَلَقِّی الْاَئِمَّةِ بِالْقُبُوْلِ کَمَا اَشَارَ اِلَیْهِ الْاِمَامُ التِّرْمَذِیُّ فِیْ جَامِعِهٖ وَ صَرَّحَ بِهٖ عُلَمَاؤُنَا فِی الْاُصُوْلِ.

(ملا علی قاری: مرقاۃ ج ۳ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ہاں اُسے بہ اعتبارِ کُنہ[1] کیفیت متشابہات سے کہنا وجہِ صحت رکھتا ہے۔ واقعی نہ ربّ العزّت جلّ و علانہ اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ مولیٰ تعالیٰ نے اپنے نور سے نور مطہر سیّد انور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر بنایا۔ نہ بے بتائے اس کی پوری حقیقت خود معلوم ہو سکتی ہے اور یہی معنی متشابہات ہیں۔

بکر نے جو کہا وہ دفعِ خیال ضلال عَمرو کے لئے کافی ہے۔ شمع سے شمع روشن ہو جاتی ہے، بے اس کے کہ اس شمع سے کوئی حصہ جدا ہو کر یہ شمع بنے۔ اس سے بہتر آفتاب اور دھوپ کی مثال ہے کہ نورِ شمس نے جس پر تجلّی کی وہ روشن ہو گیا اور ذاتِ شمس کے کچھ جُدا نہ ہوگا، مگر ٹھیک مثال کی وہاں مجال

[1] حقیقت ۱۲

نہیں، جو کہا جائے گا ہزاروں ہزار وجوہ پر ناقص و ناتمام ہوگا۔ بلاشبہ طریقِ اسلم قولِ خالد ہے اور وہی مذہبِ آئمہ سلف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہے۔

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہ' تَعَالٰی اَعْلَمُ

مسئلہ۳

پیشِ نظر رہے یہ بات کہ میں کوئی عالم و فاضل نہیں ہوں کہ بحث و مباحثہ کا خیال درمیان میں آئے۔ فقط دریافت کرنے کی غرضِ فدویانہ لکھتا ہوں تاکہ میرے عقیدے میں جو کچھ غلطی ہو وہ صحیح ہو جائے۔ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات انسان کا یہ حال ہے کہ غلاظت آلودہ پیدا ہوتے ہیں، مگر خدائے تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب باتوں سے محفوظ رکھا ہے، اور تمام مخلوقات پر ان کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ اگر یہ بات سچی ہے تو حدیث شریف کے معنی مجھ کو یوں معلوم ہوتے ہیں، ملاحظہ فرمائے گا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، اے جابر! تحقیق اللہ نے بزرگ پیدا کیا ذات نبی تیرے کو۔

مثال چراغ کی جو جناب نے فرمائی ہے، اس میں مجھ کو شک ہے۔ چاہتا ہوں کہ شک دور ہو جاوے۔ مثال۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوگیا اور دوسرے چراغ سے اور بہت سے چراغ روشن ہوگئے، پہلے اور دوسرے میں کچھ کمی نہیں آئی۔ یہ آپ کا فرمانا صحیح اور بجا ہے لیکن یہ سب

چراغ نام اور ذاتِ روشنی میں ہم جنس ہیں یا نہیں، اور یہ سب مرتبہ برابر ہونے کا رکھتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نجاست سے آلودہ پیدا ہونے میں سب مخلوق شریک نہیں۔ تمام انبیاء علیہم السّلام پاک و منزّہ پیدا ہوئے، بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما بھی صاف ستھرے پیدا ہوئے۔ نور کے معنی فضل کے نہیں، مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ ہر طرح برابری بتانے کو، قرآن عظیم میں نورِ الٰہی کی مثال دی: کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ (النور: ۳۵) کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نورِ ربِّ جلیل۔ یہ مثال وہابیہ کے اس اعتراض کے دفع کو تھی کہ نورِ الٰہی سے نورِ نبوی پیدا ہوا، تو نورِ الٰہی کا ٹکڑا جدا ہونا لازم آیا۔ اسے بتایا گیا کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں، اس کا ٹکڑا کٹ کر اس میں نہیں آ جاتا۔ جب یہ فانی مجازی نور اپنے نور سے دوسرا نور روشن کر دیتا ہے، تو اس نور کا کیا کہنا، نور سے نور پیدا ہونے کو نام و روشنی میں مساوات بھی ضرور نہیں۔ چاند کا نور آفتاب کی ضیا سے ہے، پھر کہاں وہ اور کہاں یہ۔ علم ہیئات میں بتایا گیا ہے کہ اگر چودھویں رات کے کامل چاند کے برابر نوے ہزار چاند ہوں، تو روشنی آفتاب تک پہنچیں گے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ ۴

از کلکتہ ۹ گوونڈ چند دھرس لین، مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بناری، ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ رسولِ[1] مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہیں یا نہیں؟ اگر اللہ کے نور سے پیدا ہیں تو نورِ ذاتی سے، یا نورِ صفاتی سے، یا دونوں سے، اور نور کیا چیز ہے؟

الجواب

جواب مسئلہ سے پہلے ایک اور گزارش کرلوں۔

لِقَولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ الحديث[2] (مسلم ج ۱ ص ۷۱)

حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کریم کے ساتھ جس طرح زبان سے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَبَدًا۔

درود و سلام کی جگہ فقط صاد یا عم یا صلعم یا صللم کہنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنی ہیں اور فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ (پ ۱ البقرہ آیت ۵۹) میں داخل کہ:

ظالموں نے وہ بات جس کا انھیں حکم تھا، ایک اور لفظ سے بدل ڈالی۔

---

[1] حسنی پریس کی اشاعتِ سابقہ میں غلطی ہے یہاں اُڑا کر درود شریف بتمامہ لکھ دیا جو اصل عبارت سائل کے خلاف ہے۔ اصل سوال میں یہاں صرف ؐ بنا ہے اور اسی پر حضور اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ نے اصل مسئلے کے جواب سے پہلے تنبیہہ فرمائی ہے (۲) مصحح۔

[2] ترجمہ تم میں سے جو شخص بھی کوئی بُرائی دیکھے تو اُسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر ایسا نہ کرسکے تو اپنی زبان سے، (الحدیث)

فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝ (پ۱ البقرہ: ۵۹)

تو ہم نے اُتارا آسمان سے ان پر عذاب، بدلہ ان کی بے حکمی کا!

یوں ہی تحریر میں بھی اَلْقَلَمُ اِحْدَى اللِّسَانَيْنِ۝[1] بلکہ فتاوی تاتارخانیہ سے منقول کہ اس میں اس پر نہایت سخت حکم فرمایا، اور اسے معاذ اللہ تخفیفِ شانِ نبوت بتایا۔ طحطاوی علی الدر المختار (ج۱ص۶، مطبوعہ بیروت) میں ہے۔

[2] يُحَافَظُ عَلٰى كِتَابَةِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا يَسْأَمُ مِنْ تَكْرَارِهٖ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْاَصْلِ وَ يُصَلِّيْ بِلِسَانِهٖ اَيْضًا وَ يُكْرَهُ الرَّمْزُ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّرَضِّيْ بِالْكِتَابَةِ بَلْ يَكْتُبُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ بِكَمَالِهٖ وَفِيْ بَعْضِ الْمَوَاضِعِ عَنِ التَّاتَارْ خَانِيَةِ مَنْ كَتَبَ عَلَيْهِ السَّاْمُ بِالْهَمْزَةِ وَالْمِيْمِ يَكْفُرُ لِاَنَّهٗ تَخْفِيْفٌ وَتَخْفِيْفُ الْاَنْبِيَآءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كُفْرٌ بِلَا شَكٍّ وَلَعَلَّهٗ اِنْ صَحَّ النَّقْلُ مُقَيَّدٌ بِقَصْدِهٖ وَ اِلَّا فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَيْسَ بِكُفْرٍ نِعَمَ الْاِحْتِيَاطُ فِي الْاِحْتِرَازِ عَنِ الْاِبْهَامِ وَالشُّبْهَةِ مُخْتَصَرًا۔

---

[1] قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔۱۲

[2] ترجمہ: درود و سلام لکھنے پر محافظت کی جائے اور اس کی تکرار سے تنگ دل نہ ہو گا اگرچہ اصل میں نہ ہو اور اپنی زبان سے بھی درود پڑھے۔ درود یا رضی اللہ عنہ کی طرف لکھنے میں اشارہ کرنا مکروہ ہے بلکہ پورا لکھنا چاہیئے۔ تاتارخانیہ کے بعض مقامات پر ہے کہ جس نے علیہ السلام ہمزہ اور میم سے لکھا کافر ہوگیا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء کی تخفیف کفر ہے، اگر یہ نقل صحیح ہے تو اس میں قصد کی قید ضرور ہوگی، ورنہ بہ ظاہر یہ کفر نہیں، ہاں احتیاط ابہام اور شبہ ۱۲

اس کے بعد اصل مسئلے کا جواب بعون الملک الوہاب لیجئے۔ نور عرفِ عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دیگر اشیائے دیدنی کو، قَالَ السَّیِّدُ فِیْ تَعْرِیْفَاتِہٖ النُّوْرُ کَیْفِیَّۃٌ تَدْرِکُھَا الْبَاصِرَۃُ اَوَّلاً وَ بِوَاسِطَتِھَا الْمُبْصَّرَاتِ اور حق یہ کہ نور اس سے اجلٰی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، یہ جو بیان ہوا تعریف الجلی بالخفی ہے کَمَانَبَّہَ عَلَیْہِ فِی الْمَوَاقِفِ وَ شَرحِھَا۔

نور بہ ایں معنی ایک عرض وحادث ہے' اور ربّ عزّ وجل اس سے منزّہ۔ محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر۔

کَمَا ذَکَرَہُ الْاِمَامُ حُجَّۃُ الْاِسْلَامِ الْغَزَالِی ثُمَّ الْعَلَّامَۃُ الزَّرْقَانِیُّ فِیْ شَرْحِ الْمَوَاھِبِ الشَّرِیْفَۃِ. بہ ایں معنی اللہ عزّ وجل نورِ حقیقی ہے بلکہ حقیقتاً وہی نور ہے اور کریمہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ (النور: ۳۵) بلا تکلف و بلا تاویل اپنے معنی حقیقی پر ہے۔

فَاِنَّ[1] اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ ھُوَ الظَّاھِرُ بِنَفْسِہٖ الْمُظْھِرُ لِغَیْرِہٖ مَنْ فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَسَائِرَ الْمَخْلُوْقَاتِ.

حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عزّ وجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔

یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ رَوَاہُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ وَ نَحْوُہٗ عِنْدَ الْبَیْھَقِی

[1] کیونکہ اللہ خود بھی ظاہر ہے اور آسمانوں، زمین اور باقی مخلوق کو ظاہر کرنے والا ہے۔ ۱۲

اے جابر بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔

حدیث میں نورہٖ فرمایا جس کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اسمِ ذات ہے۔ مِنْ نُوْرِ جَمَالِہٖ یانُوْرِ عِلْمِہٖ یانورِ رَحْمَتِہٖ وغیرہ نہ فرمایا کہ نورِ صفات سے تخلیق ہو۔

علّامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

(مِنْ نُّوْرِہٖ) اِیْ مِنْ نُّوْرٍ ھُوَ ذَاتِہٖ. یعنی اللہ عزّ وجل نے نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذاتِ الٰہی ہے۔ یعنی اپنی ذات سے بلا واسطہ پیدا فرمایا۔ کَمَا سَیَاتِی تقریرہٗ

امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

کَمَا تَعَلَّقَتْ اِرَادَۃُ الْحَقِّ تَعَالٰی بِاِیْجَاد خلقہٖ اَبْرَزَ الْحَقِیْقَۃَ الْمُحَمَّدِیَّۃَ مِنَ الْاَنْوَارِ الصَّمَدِیَّۃِ فِی الْحَضْرۃِ الْاَحدِیَّۃِ ثُمَّ سَلَخَ مِنْھَا الْعَوَالِمَ کُلَّھَا عَلُوَّھَا وسِفلَھَا (مواہب مع زرقانی ج۱ص۴۳)

ترجمہ: یعنی جب اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی نوروں سے مرتبہٗ ذات صرف میں حقیقتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔ پھر اس سے تمام عالمِ علوی وسفلی نکالے۔

اور شرحِ علّامہ (ج۱ص۴۳) میں ہے:

وَالْحَضرَۃ الْاَحَدِیَّۃُ ھِیَ اَوَّلُ تَعَیَّنَاتِ الذَّاتِ وَ اَوَّلُ رُتبِھَا الَّذِیْ لَا اِعْتَبَارَ فِیْہِ لِغَیْرِ الذَّاتِ کَمَا ھُوَ الْمُشَارُ اِلَیْہِ بِقَوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اللّٰہُ وَمَا شَیْءَ مَعَہٗ. ذَکَرَہُ الکَاشِیُّ.

ترجمہ: یعنی مرتبۂ احدیّت ذات کا پہلا تعیّن اور پہلا مرتبہ ہے جس میں غیر ذات کا اصلا لحاظ نہیں، جس کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسے سیّدی کاشی قدس سرہٗ نے ذکر فرمایا۔

شیخِ محقق مولانا عبدالحق مُحدِّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں۔

[1] انبیاء مخلوق انداز اسمائے ذاتیۂ حق، و اولیاء از اسمائے صفاتیہ، و بقیہ کائنات از صفاتِ فعلیہ، و سیّدِ رسل مخلوق است از ذات حق و ظہور حق وروے بالذات است۔ (ج۲ص ۶۰۹، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر)

ہاں عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذات الٰہی ذاتِ رسالت کے لئے مادہ ہے، جیسے انسان مٹی سے پیدا ہوا۔ یا عیاذًا باللہ ذاتِ الٰہی کا کوئی حصہ یا کُل ذاتِ نبی ہوگیا۔ اللہ عزوجل حصّے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہو جانے یا کسی شئے میں حلول فرمانے سے پاک اور منزّہ ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم خواہ کسی شے کو جزء ذاتِ الٰہی، خواہ کسی مخلوق کو عین و نفسِ ذاتِ الٰہی ماننا کفر ہے۔ اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ و رسولؐ جانیں۔ جلّ علا وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم۔ عالم میں تو ذاتِ رسول کو کوئی پہچانتا نہیں، حدیث میں ہے۔

يَا اَبَا بَكْرٍ لَمْ يَعْرِفْنِيْ حَقِيْقَةً غَيْرُ رَبِّيْ

[1] ترجمہ: انبیاء اللہ کے اسمائے ذاتیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اولیاء اسمائے صفاتیہ سے، بقیہ کائنات صفاتِ فعلیہ سے اور سیّد رسل ذات حق سے، اور عین حق کا ظہور

اے ابوبکر جیسا میں حقیقت میں ہوں، میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔ ذاتِ الٰہی سے اس کے پیدا ہونے کی حقیقت کسے مفہوم ہو، مگر اس میں فہم ظاہر بیں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرتِ حق عزّ جلالہٗ نے تمام جہان کو حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ وسلم کے واسطے پیدا فرمایا۔ حضورؐ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔ لَوْلَاکَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام سے ارشاد ہوا۔

لَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُکَ وَلَا اَرْضاً وَلَا سَمَآءً (مطالع المسرات ص ۲۶۴)

اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں بناتا، نہ زمین کو، نہ آسمان کو

تو سارا جہان ذاتِ الٰہی سے بواسطہ حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیدا ہوا۔ یعنی حضور کے واسطے، حضور کے صدقے، حضور کے طفیل میں۔

[1] لَا اَنّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِسْتَفَاضَ الْوَجُوْدَ مِنْ حَضْرَتِ الْعِزَّۃِ ثُمَّ ھُوَ اَفَاضَ الْوَجُوْدَ عَلٰی سائر الْبَرِیَّۃِ کَمَا تَزْعَمُ کَفَرَۃُ الْفَلَاسِفَۃ مِنْ تَوْسِیْطِ الْعُقُولِ تَعَالٰی اللّٰہُ عَمَّا یَقُوْلُ الظَّالِمُوْنَ عُلُوّاً کَبِیْراً ھَلْ مِنْ خالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ.

بخلاف ہمارے حضور عین النور صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں۔ آپ ربؑ کے سوا کسی کے واسطے نہیں، تو وہ ذات الٰہی سے بلا واسطہ پیدا ہیں۔

---

[1] ترجمہ: یہ مقصد نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے وجود حاصل کیا پھر باقی مخلوق کو آپ نے وجود دیا جیسے کافر فلاسفہ کہتے ہیں کہ عقول کے واسطے سے دوسری چیزیں پیدا ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اس قول سے بلند و بالا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی خالق ہوسکتا ہے۔

زرقانی شریف (ج ا ص ۵۵) میں ہے۔

[1] اَیْ مِنْ نُوْرٍ ھُوَ ذَاتُہ‘ لَا بِمَعْنٰی اَنَّھَا مَا دَّۃٌ خَلَقَ نُوْرَہ‘ مِنْھَا بَلْ بِمَعْنٰی تَعَلُّقِ الْاِرَادَۃِ بِہٖ بِلَا وَاسطَۃِ شَیْءٍ فِیْ وَجُوْدِہٖ

یا زیادہ سے زیادہ بہ غرضِ توضیح ایک کمال ناقص مثال یوں خیال کیجئے کہ آفتاب نے ایک عظیم وجمیل وجلیل آئینے پر تجلّی کی، آئینہ چمک اُٹھا، اور اس کے نور سے اور آئینے اور پانیوں کے چشمے اور ہوائیں اور سائے روشن ہوئے۔ آئینوں اور چشموں میں صرف ظہور نہیں بلکہ اپنی اپنی استعداد کے لائق شعاع بھی پیدا ہوئی کہ اور چیز کو روشن کر سکے، کچھ دیواروں پر دھوپ پڑی۔ یہ کیفیت نور سے متکیف ہیں۔ اگرچہ اور کوروشن نہ کریں جن تک دھوپ بھی نہ پہنچی، وہ ہوائے متوسط ظاہر کیں، جیسے دن میں مسقف[2] دالان کی اندرونی دیواریں وغیرہا واسطہ در واسطہ کہ کیفیت نور سے بہرہ نہ پایا۔ پہلا آئینہ خود ذات آفتاب سے بلاواسطہ روشن ہے، اور باقی آئینے، چشمے اس کے واسطے سے، اور دیواریں وغیرہا واسطہ در واسطہ، پھر جس طرح وہ نور کہ آئینہ اوّل پر پڑا، بعینہٖ آفتاب کا نور ہے۔ بغیر اس کے کہ آفتاب خود یا اس کا کوئی حصہ آئینہ ہوگیا ہو۔ یوں ہی باقی آئینے اور چشمے کہ اس آئینے سے روشن ہوئے اور دیوار وغیرہ اشیاء جن پر ان کی دھوپ پڑی یا صرف ظاہر ہوئیں، ان سب پر بھی یقیناً آفتاب ہی کا نور اور اسی کا ظہور ہے، آئینے

---

[1] ترجمہ: یعنی اس نور سے جو اللہ کی ذات ہے، یہ مقصد نہیں کہ وہ کوئی مادّہ ہے جس سے آپ کا نور پیدا ہوا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ آپ کے نور سے بلا کسی واسطہ فی الوجود کے متعلق ہوا۔۱۲

[2] چھت والا دالان ۱۲

اور چشمے فقط واسطۂ وصول ہیں۔ان کی حدِّ ذات میں دیکھو، تو یہ خود نور تو نور، ظہور سے بھی حصہ نہیں رکھتے۔

یک چراغ است دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

یہ نظیر محض ایک طرح کی تقریب[1] فہم کے لئے ہے جس طرح ارشاد ہوا مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ (النور:۳۵) ورنہ کجا چراغ اور کجاوہ نورِ حقیقی وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی. توضیح صرف ان دو باتوں کی منظور ہے،ایک یہ کہ دیکھو آفتاب سے تمام اشیاء منور ہوئیں، بے اس کے کہ آفتاب خود آئینہ ہوگیا،یا اس میں سے کچھ جدا ہو کر آئینہ بنا۔ دوسرے یہ کہ ایک آئینہ نفسِ ذاتِ آفتاب سے بلاواسطہ روشن ہے، باقی بوسائط، ورنہ حاشا کہاں مثال اور کہاں وہ بارگاہِ جلال۔ باقی اشیاء سے کہ مثال میں بالواسطہ منور مانیں ،آفتاب حجاب میں ہے اور اللہ عزوجل احتیاج سے پاک۔غرض کسی بات میں نہ تطبیق مراد، نہ ہرگز ممکن حتّٰی کہ نفسِ وساطت بھی یکساں نہیں کَمَا لَا یَخْفٰے وَقَدْ اَشَرْنَا اِلَیْہِ

سیّدی ابوسالم عبداللہ عیاشی، ہم استاذِ علّامہ محمد زرقانی،تلمیذ علّامہ ابوالحسن شبراملسی اپنی کتاب ''الرحلہ'' پھر سیّدی علّامہ عشاوی رحمہم اللہ تعالیٰ جمیعاً ''شرح صلاۃ'' حضرت سیّدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں فرماتے ہیں:

اِنَّمَا یُدْرِکُہٗ عَلٰی حَقِیْقَتِہٖ مَنْ عَرَفَ مَعْنٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَتَحْقِیْقُ ذٰلِکَ عَلٰی مَا یَنْبَغِیْ لَیْسَ مِمَّا یُدْرَکُ بِبِضَاعَۃِ الْعُقُوْلِ وَلَا مِمَّا تَتَسَلَّطُ عَلَیْہِ الْاَوْھَامُ وَ اِنَّمَا

[1] بات کو ذہن سے قریب لانے کے لئے

يُدْرِكُ بِكَشْفِ اِلٰهِيٍّ وَ اِشْرَاقِ حَقِّهٖ مِنْ اَشْعَةِ ذٰلِكَ النُّوْرِ فِيْ قَلْبِ الْعَبْدِ فَيُدْرِكُ نُوْرَ اللّٰهِ بِنُوْرِهٖ وَ اَقْرَبُ تَقْرِيْرٍ يُّعْطِى الْقُرْبَ مِنْ فَهْمِ مَعْنَى الْحَدِيْثِ اِنَّهٗ لَمَّا كَانَ النُّوْرُ الْمُحَمَّدِيُّ اَوَّلَ الْاَنْوَارِ الْحَادِثَةِ الَّتِيْ تَجَلّٰى بِهَا النُّوْرُ الْقَدِيْمُ الْاَزَلِيُّ وَهُوَ اَوَّلُ التَّعِيُّنَاتِ لِلْوُجُوْدِ الْمُطْلَقِ الْحَقَّانِيِّ وَهُوَ مَدَدُ كُلِّ نُوْرٍ كَائِنٍ اَوْ يَكُوْنَ وَكَمَا اَشْرَقَ النُّوْرُ الْاَوَّلُ فِيْ حَقِيْقَتِهٖ فَتَنَوَّرَتْ بِحَيْثُ صَارَتْ هُوَ نُوْرًا اَشْرَقَ نُوْرُهُ الْمُحَمَّدِيُّ عَلٰى حَقَائِقِ الْمَوْجُوْدَاتِ شَيْئًا فَشَيْئًا فَهِيَ تَسْتَمِدُّ مِنْهُ عَلٰى قَدْرِ تَنَوُّرِهَا بِحَسْبِ كَثْرَةِ الْوَسَائِطِ وَ قِلَّتِهَا وَعَدَمِهَا وَكُلَّمَا اَشْرَقَ نُوْرُهٗ عَلٰى نَوْعٍ مِنْ اَنْوَاعِ الْحَقَائِقِ ظَهَرَ النُّوْرُ فِيْ مَظْهَرِ الْاِنْقِسَامِ فَقَدْ كَانَ النُّوْرُ الْحَادِثُ اَوَّلًا شَيْئًا وَاحِدًا ثُمَّ اَشْرَقَ فِيْ حَقِيْقَةٍ اُخْرٰى فَاسْتَنَارَتْ بِنُوْرِهٖ تَنَوُّرًا كَامِلًا بِحَسْبِ مَآ تَقْتَضِيْهِ حَقِيْقَتُهَا فَحَصَلَ فِي الْوُجُوْدِ الْحَادِثِ نُوْرَانِ مُفِيْضٌ وَمُفَاضٌ وَفِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ لَيْسَ هُنَاكَ اِلَّا نُوْرًا وَاحِدًا اَشْرَقَ فِيْ قَابِلِ الْاِسْتَنَارَةِ، يَتَنَوَّرُ بِتَعِدُّدَاتِ الْمَظَاهِرِ وَالظَّاهِرُ وَاحِدٌ ثُمَّ كَذَالِكَ كُلَّمَا اَشْرَقَ فِيْ مَحَلٍّ ظَهَرَ بِصُوْرَةِ الْاِنْقِسَامِ وَ قَدْ يَشْرُقُ نُوْرُ الْمُفَاضِ عَلَيْهِ اَيْضًا بِحَسْبِ قُوَّتِهٖ عَلٰى قَوَابِلَ اٰخَرَ فَتَنُوْرُ بِنُوْرِهٖ فَيَحْصُلُ اِنْقِسَامُ اٰخَرَ بِحَسْبِ الظَّاهِرِ وَكُلُّهَا رَاجِعَةٌ اِلَى النُّوْرِ الْاَوَّلِ الْحَادِثِ اِمَّا بِوَاسِطَةٍ اَوْبِدُوْنِهَا قَالَ وَ هٰذَا غَايَةُ مَا تَصِلُ اِلَيْهِ الْعِبَارَةُ فِيْ هٰذَا التَّقْرِيْرِ وَمَثَلِيْ فِيْ قَصْرِ بَاعِهٖ وَعَدَمِ تَضَلُّعِهٖ مِنَ الْعُلُوْمِ الْاِلٰهِيَّةِ اِنْ زَادَ فِي التَّقْرِيْرِ خَشِيَ عَلَيَّ وَ اَقْرَبُ مِثَالٍ يُّضْرَبُ لِذٰلِكَ نُوْرُ الْمِصْبَاحِ

تُصبحُ مِنهُ مَصَابِيحُ كَثِيرَةٌ وَهُوَ فِي نَفْسِهِ بَاقٍ عَلَى مَا هُوَ عَلَيْهِ لَمْ يَنقُصْ مِنهُ شَيْءٌ وَ اَقْرَبُ مِنَ هٰذَا الْمِثَالِ اِلَى التَّحْقِيقِ وَابعُدُ عَنِ الْاَفْهَامِ نُورُ الشَّمْسِ الْمُشْرِقُ فِي الْاَهِلَّةِ وَالْكَوَاكِبِ عَلَى الْقَوْلِ بِاَنَّ الْكُلَّ مُسْتَنِيرٌ بِنُورِهٖ وَلَيْسَ لَهَا نُورٌ مِنْ ذَاتِهَا فَقَدْ يُقَالُ بِحَسْبِ النَّظْرِ الْاَوَّلِ اِنَّ نُورَ الشَّمْسِ مُنْقَسِمٌ فِي هٰذِهِ الْاَجْرَامِ الْعُلْوِيَّةِ وَفِي الْحَقِيقَةِ لَيْسَ هٰذَا اِلَّا نُورُهَا وَهُوَ قَائِمٌ بِهَا لَمْ يَنقُصْ مِنهُ شَيْءٌ وَلَمْ يُزَايِلْهَا مِنهُ شَيْءٌ وَلٰكِنَّهٗ اَشْرَقَ فِي اَجْرَامٍ قَابِلَةِ الْاِسْتِنَارَةِ فَاسْتَنَارَتْ وَ اَقْرَبُ مِنْ هٰذَا لِلْفَهْمِ مَا يَحْصُلُ فِي الْاَجْرَامِ السِّفْلِيَّةِ مِن اِشْرَاقِ اَشعَةِ الشَّمْسِ عَلَى الْمَاءِ اَوْ قَوَارِيرِ الزَّجَاجِ فَيَسْتَنِيرُ مَا يُقَابِلُهَا مِنَ الْجُدْرَانِ بِحَيْثُ يَلْمَحُ فِيهَا نُورٌ كَنُورِ الشَّمْسِ مُشْرِقٌ بِاَشْرَاقِهٖ وَلَمْ يَنفَصِلْ شَيْءٌ مِنْ نُورِ الشَّمْسِ عَنْ مَحَلِّهٖ اِلَى ذٰلِكَ الْمَحَلِّ وَمَنْ كَشَفَ اللّٰهُ حِجَابَ الْغَفْلَةِ عَن قَلْبِهٖ وَ اشْرَقَتِ الْاَنْوَارُ الْمُحَمَّدِيَّةُ عَلَى قَلْبِهٖ بِصِدْقِ اتِّبَاعِهٖ لَهٗ اَدْرَكَ الْاَمْرَ دَرْكًا اٰخَرَ لَا يَحْتَمِلُ شَكًّا وَلَا وَهْمًا نَسْأَلُ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْ ينور بِنُورِ الْعِلْمِ الا لٰهِي بَصَائِرَنَا وَ يُحْجَبُ عَنْ ظُلُمَاتِ الْجَهْلِ سَرَائِرَنَا وَ يَغْفِرَلَنَا مَا اجترأنا عَلَيْهِ مِنَ الْخَوْضِ فِيمَا لَسنَالَهٗ بِاَهْلٍ وَ نَسْئَلُهٗ اَنْ لَا يُؤَاخِذَنَا بِمَا تَقْتَضِيهِ الْعِبَارَةُ مِنْ تَقْصِيرٍ فِي حَقِّ ذٰلِكَ الْجَنَابِ اھ مُخْتَصَراً۔

ترجمہ: آپ کی نورانیت کا مقصد حقیقی طور پر وہی سمجھ سکتا ہے جو اللہ نور السموات والارض کو سمجھتا ہے، اس کی تحقیق عقل و وہم کے بس کا روگ نہیں۔ اس کا ادراک تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ نورِ الٰہی کی تجلیات سے بندے کا

قلب منور ہو اور نورِ الٰہی کو نورِ الٰہی سے معلوم کر لے۔ حدیث کے معنی آسان ترین پیرائے میں یوں ہو سکتے ہیں کہ نورِ محمدی تمام انوار سے پہلے پیدا ہوا اور نورِ قدیم ازلی کی پہلی تجلّی قرار پایا، وجودِ مطلق حق کا تعین اوّل ہوا اور ہر اس نور کی مدد بنا جو ہے یا ہوگا اور جب نورِ اوّل نے اپنی حقیقت کو منور کیا تو نورِ محمدی حقائقِ موجودات پر منور ہوا، آہستہ آہستہ، اب موجودات وسائط کی کثرت و قلت اور عدم کے اعتبار سے اس سے مستفید ہیں، اور جب بھی ان کا نور حقائق کی کسی نوع پر ظاہر ہوتا ہے تو وہ نور بھی مظہر انقسام پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ نورِ حادث پہلے ایک ہی چیز تھا پھر اس کا ظہور دوسری حقیقت میں ہوا جو اپنی بساط کے مطابق اس سے پوری طرح منور ہوگئی۔ اب وجود حادث میں دو نور پیدا ہوئے، ایک فیض دینے والا اور ایک وہ جس کو فیض دیا گیا ورنہ درحقیقت ایک ہی نور ہے، جو نور کو قبول کرنے والی چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے اور مظاہر کے تعدد کی وجہ سے متور ہوتا ہے، حالانکہ ظاہر ہونے والا ایک ہی ہے، پھر اسی طرح جب وہ کسی محل میں چمکتا ہے تو بصورتِ انقسام ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح جس کو نور ملتا ہے وہ بھی اپنی استطاعت کے مطابق دوسری اشیاء کو متور کرتا ہے، پھر مظاہر کے اعتبار سے ایک دوسری تقسیم ہوتی ہے، اور یہ سب نورِ حادث کی طرف راجع ہیں یا بواسطہ یا بلا واسطہ، اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہی ہے، اور مجھ جیسا شخص جو علوم الٰہیہ میں پوری مہارت نہیں رکھتا اگر اس سے زائد مُو شگافی کرے تو اپنا خطرہ ہے، اس کی سب سے قریب ترین مثال چراغ ہے جس سے متعدد چراغ روشن ہوتے ہیں اور پہلا چراغ علیٰ حالہٖ باقی رہتا ہے، اس میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی ہے، اس مثال سے بھی زائد تحقیقی مثال جو اگرچہ دقیق ہے، یہ ہے کہ آفتاب

کا نور جو چاند اور ستاروں میں چمک رہا ہے (جبکہ یہ مانا جاتا ہے کہ سب اس کے نور سے منور ہیں اور ان کا ذاتی نور نہیں ہے) اس کو بہ ظاہر دیکھ کر یہی کہا جاتا ہے کہ آفتاب کا نور ان چیزوں میں منقسم ہے، اور درحقیقت یہ اسی کا نور ہے لیکن آفتاب کے نور میں نہ تو کمی ہوئی اور نہ اس سے کوئی چیز جدا ہوئی، صرف اتنا ہوا کہ وہ شفاف چیزوں پر چمکا تو وہ چیزیں بھی روشن ہوگئیں، زمین کے اجسام میں مثال یہ ہے کہ آفتاب کی کرنیں پانی یا شیشے پر پڑتی ہیں تو ان چیزوں کا عکس دیوار پر پڑتا ہے، وہ بھی منور ہو جاتی ہے جیسے آفتاب کے نور سے منور ہوئی ہے حالانکہ آفتاب کے نور سے کوئی چیز جدا نہیں ہوتی ہے، اور خدا جس کے قلب سے غفلت کا پردہ اُٹھا دے اور حضور کی پیروی کی وجہ سے انوار محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام) اس کے قلب پر پڑ جائیں تو وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا اور شک و شبہ ختم ہو جائے گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اس علم سے ہماری روحوں کو جہل کی تاریکیوں سے محفوظ رکھے اور ہم نے اپنی بساط سے زائد جن چیزوں پر غور کیا ہے اس کو معاف فرما دے اور عبارت میں اس بارگاہ کی حیثیت سے جو کمی ہوئی ہے اسے بھی معاف کر دے۔

اس تقریر منیر سے مقاصدِ مذکورہ کے سوا چند فائدے اور حاصل ہوئے اوّلاً یہ بھی روشن ہوگیا کہ تمام عالم نورِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیونکر بنا، بے اس کے کہ نورِ حضور تقسیم ہوا، یا اس کا کوئی حصہ این و آں بنا ہو۔ اور یہ کہ وہ جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ پھر اس نور کے چار حصے کیے۔ تین سے قلم ولوح وعرش بنائے۔ چوتھے کے پھر چار حصے کیے۔ الیٰ آخرہٖ۔ یہ اس کی

شعاعوں کا انقسام ہے، جیسے ہزارہا آئینوں میں آفتاب کا نور چمکے، تو وہ ہزار حصوں پر منقسم نظر آئے گا، حالانکہ آفتاب نہ منقسم ہوا نہ اس کا کوئی حصہ آئینوں میں آیا۔

وَ اِنْدَفَعَ مَا اَسْتَشْکَلَه' اَلعَلَّامَةُ الشبرا ملسی اَنَّ الْحَقِیْقَةَ الْوَاحِدَةَ لَا تَنقَسِمُ وَلَیْسَتِ الْحَقِیْقَةُ الْمُحَمَّدِیَّةُ اِلَّا وَاحِدَةً مِنْ تِلْکَ الْاَقْسَامِ وَالْبَاقِیْ اِنْ کَانَ مِنْهَا اَیضاً فَقَدِ انْقَسَمَتْ وَ اِنْ کَانَ غَیْرُ هَا فَمَا مَعْنَى الْاِنْقِسَامِ وَحَاوَلَ الْجَوَابَ و تَبِعَه' فِیهِ تَلْمِیْذُه' العَلَّامَةُ الزُّرْقَانِیُّ بِاَنَّ الْمَعْنٰى اَنَّه' زَادَفِیهِ لَا اَنَّه' قُسِمَ ذٰلِکَ النُّورُ الَّذِیْ هُوَ نُوْرُ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الظَّاهِرُ اَنَّه' حَیْثُ صَوَّرَه' بِصُوْرَةٍ مُمَاثِلَةٍ کَصُوْرَةِ الَّتِیْ سَیُصِیرُعَلَیْهِ لَا یَنْقَسِمُ اِلَیْهِ وَاِلٰى غَیْرِهٖ اِه (شرح مواهب ج ۱ ص ۵۵)

وَحَاصِلُ جَوابِهٖ کَمَا قَرَّرَه' تَلْمِیْذَه' العَیَاشِی اِنَّ مَعْنٰى الْاِنْقِسَامِ زِیَادَةُ نُوْرٍ عَلٰى ذٰلِکَ النُّوْرِ الْمُحَمَّدِیّ فَیُؤْخَذُ ذٰلِکَ الزَّائِدُ ثُمَّ یَزادُ عَلَیْهِ نُورٌ اٰخَرَ ثُمَّ کَذٰلِکَ اِلٰى اٰخِرِ الْاَقْسَامِ قَالَ الْعَیَاشِیُّ وَ هٰذَا جَوَابٌ مُقْنِعٌ بِحَسْبِ الظَّاهِرِ وَالتَّحقِیْقِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ وِرَاءَ ذٰلِکَ اھ ثُمَّ ذَکَرَ مَا نَقَلْنَا عَنْهُ اٰنِفًا ورأیتنی کتبت عَلٰى هَامِشِ الزَّرقَانِیِّ مَا نَصَّه'.

اَقُوْلُ تَبِعَ فِیهِ شَیْخَه' الشبراملسی اَلْحَقُّ لَا مَعْنٰى لَه'فَاِنَّه' اِذَنْ لَا یَکُوْنَ التَّخْلِیْقُ مِنْ نُورِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ خِلَافُ الْمَنْصُوصِ وِالْمُرادِ اه

اَقُوْلُ وَیُمْکِنَ الْجَوَابُ بِاَنَّ الْمُرَادَاِنَّہٗ تَعَالٰی کَسَاہُ شُعَاعاً اَکْثَرَمِمَّا کَانَ ثُمَّ فَصَلَ مِنْ شُعَاعِہٖ شَیْئًا قَسَّمَہٗ کَمَا تَاخُذُ الْمَلٰئِکَۃُ شَیْئًا مِنَ الْاَشْعَۃِ الْمُحِیْطَۃِ بِالْکَوَاکِبِ فَتَرمِیْ بِہٖ مُسْتَرِقِی السَّمْعِ وَیُقَالُ بِذٰلِکَ اَنَّ النُّجُوْمَ لَھَا رُجُوْمٌ وَلٰکِنْ مَنَحَ الْمَوْلٰی تَعَالٰی مِنْ ذٰلِکَ التَّقْرِیْرِ الْمُنِیْرِ مَا اَغْنٰی عَنْ کُلِّ تَکَلُّفٍ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَقَدْ کَانَ مَنَحَ لِلْعَبْدِ الضَّعِیْفِ ثُمَّ رَاَیْتَہٗ فِی شَرحِ الْعَشْمَاوِیِّ جَزَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنِّیْ وَعَنِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرًا کَثِیْراً. امین

ترجمہ: اس سے علامہ شبر ملسی کا یہ اعتراض بھی ختم ہوا کہ ایک ہی حقیقت منقسم نہیں ہوتی ہے۔ اور حقیقتِ محمد یہ ان قسموں میں سے ایک ہی ہے اور باقی ماندہ چیزیں اگر اسی سے ہیں تو یہ حقیقت منقسم ہوگئی، اور اگر وہ چیزیں اس کی غیر ہیں تو انقسام کے کیا معنی ہوئے۔ پھر انھوں نے خود اس کا جواب دیا اور ان کے شاگرد زرقانی نے بھی ان کی اتباع کی ۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ نے اس میں اضافہ کر دیا، یہ نہیں کہ نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو تقسیم کر دیا، کیونکہ جب ان کو ایک صورت عطا کر دی تو ظاہر یہی ہے کہ اس کو پھر تقسیم نہیں کیا جائے گا، ان کے شاگرد عیاشی نے ان کے جواب کا خلاصہ یہ بیان کیا ہے کہ انقسام کے معنی نورِ محمدی پر اضافے کے ہیں، پھر اس زائد کو لے لیا گیا اور اس میں اور زیادتی کر دی گئی، اسی طرح سلسلہ جاری رہا۔

عیاشی نے کہا کہ بہ ظاہر یہ جواب کافی ہے اور تحقیق واللہ اعلم اس کے علاوہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انھوں نے اس مسئلے میں اپنے شیخ

کی اتباع کی لیکن یہ ایک بے معنیٰ بات ہے کیونکہ اس صورت میں تخلیق آپ کے نور سے نہ ہوگی اور یہ خلاف منصوص ہے۔

یہ میں کہتا ہوں یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے آپ کے نور کو پہلی شعاع سے زائد شعاع عطا کی پھر اس شعاع کا کچھ حصہ جدا کیا پھر اس کی تقسیم کر دی جیسے فرشتے ستاروں کی کچھ شعاعیں لے کر چھپ کر سننے والے شیاطین کو مارتے ہیں، اس لئے کہا جاتا ہے کہ نجوم کے لئے رجوم ہیں، اس تقریر منیر کے ذریعے مولیٰ تعالیٰ نے ہر تکلف سے بے نیاز کر دیا وللہ الحمد۔ یہ تقریر عبد ضعیف پر منکشف ہوئی۔ پھر شرحِ عشاوی میں بھی یہی نکلی جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنِّیْ وَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْراً کَثِیْراً۔ (آمین)

ثانیاً اَقُوْلُ، یہ شبہ بھی دفعہ ہوگیا کہ خلق میں کفار و مشرکین بھی ہیں، وہ محض ظلمت تو نور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے کیونکر بنے، اور نرے نجس ہیں تو اس نور پاک سے کیونکر مخلوق مانے گئے۔ وجہ اندفاع ہماری تقریر سے روشن، ظلمت ہو یا نور، جس نے خلعتِ وجود پایا ہے اس کے لئے تجلّی آفتابِ وجود سے ضرور حصہ ہے۔ اگر نور نہ ہو صرف ظہور ہو کَمَا تَقَدَّمَ اور شعاع شمس ہر پاک و ناپاک جگہ پڑتی ہے جو جگہ فی نفسہٖ پاک ہے اس سے دھوپ ناپاک نہیں ہو سکتی۔

ثالثاً اَقُوْلُ یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذات حق ہے باقی سب اسی کے پرتو وجود، سے موجود یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں، صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیضِ وجود مرتبۂ کون و مکاں میں نورِ احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہان اس کے آبگینے، وفی ہذا۔

اقول ؎

۱ خَالِقُ کُلِّ الْوَرٰی رَبُّکَ لَا غَیْرَہٗ، نُوْرُکَ کُلُّ الْوَرٰی غَیْرُکَ لَمْ لَیْسَ لَنْ اَیْ لَمْ یُوْجَدْ وَلَیْسَ مَوْجُوْدًا وَلَنْ یُوْجَدَ اَبَدًا۔

رابعاً اَقُوْلُ نُوْرِ اَحَدی تو نُوْرِ اَحَدِی، نور احمدی پر بھی آفتاب کی یہ مثال منیر چراغ سے احسن واکمل ہے۔ ایک چراغ سے بھی اگرچہ ہزار چراغ روشن ہو سکتے ہیں بے اس کے کہ ان چراغوں میں اس کا کوئی حصہ آئے۔ دوسرے چراغ صرف حصولِ نور میں اسی چراغ کے محتاج ہوئے۔ بقا میں اس سے مستغنی ہیں۔ اگر انھیں روشن کر کے پہلے چراغ کو ٹھنڈا کر دیجئے ان کی روشنی میں فرق نہ آئے گا، نہ روشن ہونے کے بعد ان کو اس سے کوئی مدد پہنچ رہی ہے۔ معہذا کسب نور کے بعد ان میں اور اس چراغِ اول میں کوئی فرق نہیں رہتا، سب یکساں معلوم ہوتے ہیں، بخلاف نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کہ عالم جس طرح اپنی ابتدائے وجود میں اس کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا یوں ہی ہر شئے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعتاً فنائے محض ہو جائے۔ ؎

وہ جو نہ تھے، تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہوں
جان ہیں وہ جہاں کی، جان ہے تو جہان ہے

نیز جس طرح ابتدائے وجود میں تمام جہان اس سے مستفیض ہوا بعد وجود بھی ہر آن اسی کی مدد سے بہرہ یاب ہیں۔ پھر تمام جہان میں کوئی اس

۱ کل مخلوق پیدا کرنے والا آپ کا رب ہی ہے، آپ ہی کا نور کل مخلوق ہے اور آپ کا غیر کچھ بھی نہیں تھا، نہ ہے، نہ ہوگا۔

کے مساوی ہوسکتا۔ یہ تینوں باتیں مثال آفتاب سے روشن ہیں۔ آئینے اسی سے روشن ہوئے اور جب تک روشن ہیں اسی کی مدد پہنچ رہی ہے۔ اور آفتاب سے علاقہ چھوٹتے ہی فوراً اندھیرے ہیں، پھر کتنے ہی چمکیں، سورج کی برابری نہیں پاتے۔ یہی حال ایک ذرّہ عالم عرش وفرش اور جو کچھ ان میں ہے اور دنیا و آخرت اور ان کے اہل اور انس و جنّ و ملک و شمس وقمر و نجوم و جُملہ انوارِ ظاہر و باطن حتّٰی کہ شموسِ رسالت علیہم الصلوٰۃ والتحیہ کا ہمارے آفتابِ جہاں تاب عالم مآب علیہ الصلوٰۃ والسّلام منَ الملک الوہاب کے ساتھ ہے کہ ہر ایک ایجاد و امداد و ابتدا و بقا میں ہر حال، ہر آن اُن کا دست نگر، اُن کا محتاج ہے۔ وللہ الحمد۔ امام اجل محمد بوصیری قدس سرہٗ ام القریٰ میں عرض کرتے ہیں۔

كَيفَ تَرقٰی رُقِيكَ الْاَنْبِيَاءُ
يَاسَمَاءً مَا طَاوَلَتهَا سَمَاءٌ
لَمْ يُسَاوُوكَ فِي عُلَاكَ وَقَدحَاشَ
سَنَامِنكَ دُوْنَهُمْ وَسَنَاءٌ
اِنَّمَا مَثَّلُوا صِفَاتِكَ لِلنَّاسِ
كَمَا مَثَّلَ النُّجُومَ الْمَآءُ

یعنی انبیاء حضور کی سی ترقی کیونکر کریں۔ اے وہ آسمانِ رفعت جس سے کسی آسمان نے بلندی میں مقابلہ نہ کیا۔ انبیاء حضور کے کمالاتِ عالیہ میں حضور کے ہمسر نہ ہوئے۔ حضور کی جھلک اور بلندی نے ان کو حضور تک پہنچنے سے روک دیا، وہ حضور کی صفتوں کی ایک شبیہہ لوگوں کو دکھاتے ہیں، جیسے

ستاروں کا عکس پانی دکھاتا ہے۔

یہ وہ تشبیہ وتقریر ہے جو ہم نے ذکر کی۔ وہاں ذات کریم اور افاضہ انوار کا ذکر تھا لہٰذا آفتاب سے تمثیل دی۔ یہاں صفات کریمہ کا بیان ہے لہٰذا ستاروں سے تشبیہ مناسب ہوئی۔ مطالع المسرات شریف میں ہے۔

اِسْمُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مُحْیِی لِحَیَاتِ جَمِیْعِ الْکَوْنِ بِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھُوَ رُوْحُہٗ وَحَیَاتُہٗ وَسَبَبُ وَجُوْدِہٖ وَبَقَائِہٖ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کا نام پاک محی ہے، زندہ فرمانے والے، اس لئے کہ سارے جہان کی زندگی حضور سے ہے۔ تو حضور تمام عالم کی جان وزندگی اور اس کے وجود اور بقا کے سبب ہیں۔

اسی میں (ص۹۹) ہے:

ھُوَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رُوْحُ الْاَکْوَانِ وَحَیَاتُھَا وَ سِرّ وَجُوْدِھَا وَلَوْلَاہُ لِذَھَبَتْ وَتَلَاشَتْ کَمَا قَالَ سَیِّدِیْ عَبْدُ السَّلَامِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَنَفَعَنَا بِہٖ لَا شَیْءَ اِلَّا وَھُوَ بِہٖ مَنُوْطٌ اِذْلَوْلَا الْوَاسِطَۃُ لَذَھَبَ کَمَا قِیْلَ الْمَوْسُوْطُ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام علم کی جان وحیات وسبب وجود ہیں۔ حضور نہ ہوں تو عالم نیست و نابود ہو جائے کہ حضرت سیّدی عبدالسلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ عالم میں کوئی ایسا نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ نہ ہو، اس لئے کہ واسطہ نہ رہے تو جو اس کے واسطے سے تھا آپ ہی فنا ہو جائے۔

ہمزیہ شریف (ص۵۱، مطبوعہ مصر) میں ارشاد فرمایا۔

كُلُّ فَضْلٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ فَمِنْ فَضْلِ
النَّبِيِّ اِسْتَعَارَهُ الْفُضَلَاءُ

جہان والوں میں جو خوبی جس کسی میں ہے وہ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے مانگے کولی ہے۔

امام حجر مکی افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:

لِاَنَّهُ الْمُمِدُّلَهُمْ اِذْ هُوَ الْوَارِثُ لِلْحَضْرَةِ الْاِلٰهِيَّةِ وَالْمُسْتَمِدُّ مِنْهَا بِلَا وَاسْطَةٍ دُوْنَ غَيْرِهٖ فَاِنَّهٗ لَا يَسْتَمِدُّ مِنْهَا اِلَّا بِوَاسِطَتِهٖ فَلَا يَصِلُ لِكَامِلٍ مِّنْهَا شَيْءٌ اِلَّا وَهُوَ مِنْ بَعْضِ مَدَدِهٖ وَ عَلٰى يَدَيْهِ

تمام جہان کی امداد کرنے والے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ حضور ہی بارگاہِ الٰہی کے وارث ہیں۔ بلا واسطہ خدا تعالیٰ سے حضور ہی مدد لیتے ہیں اور تمام عالم مددِ الٰہی حضور کی وساطت سے لیتا ہے، تو جس کامل کو جو خوبی ملی حضور ہی کی مدد اور حضور ہی کے ہاتھوں سے ملی۔

شرح سیدی عثماوی میں ہے:

نِعْمَتَانِ مَا خَلَا مَوْجُوْدٌ عَنْهُمَا نِعْمَةُ الْاِيْجَادِ وَ نِعْمَةُ الْاِمْدَادِ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَاسِطَةُ فِيْهِمَا اِذْ لَوْلَا سَبَقَتْ وُجُوْدُهٗ مَا وَجَدَ مَوْجُوْدٌ وَلَوْلَا وُجُوْدُ نُوْرِهٖ فِيْ ضَمَائِرِ الْكَوْنِ لَتَهَدَّمَتْ دَعَائِمُ الْوُجُوْدِ فَهُوَ الَّذِيْ وَجِدَ اَوَّلاً وَلَهٗ تَبَعَ الْوُجُوْدُ وَصَارَ مُرْتَبِطًا بِهٖ لَا اِسْتِغْنَاءَ لَهٗ عَنْهُ.

کوئی موجود دو نعمتوں سے خالی نہیں، نعمتِ ایجاد و نعمتِ امداد، اور ان

دونوں میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی واسطہ ہیں کہ حضور پہلے موجود نہ ہو لیتے تو کوئی چیز وجود نہ پاتی اور عالم کے اندر حضور کا نور موجود نہ ہو تو وجود کے ستون ڈھے جائیں، تو حضور ہی پہلے موجود ہوئے اور تمام جہان حضور کا طفیلی اور حضور سے وابستہ ہوا جسے کسی طرح حضور سے بے نیازی نہیں۔

ان مضامین جمیلہ پر بہ کثرت آئمہ و علماء کے نصوصِ جلیلہ فقیر کے رسالے "سلطنة المصطفیٰ فِیْ مَلَکُوْت کُلّ الوریٰ" میں ہیں۔ واللہ الحمد،

خامساً ہماری تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضور خود نور ہیں، تو حدیثِ مذکور میں نُورَ نَبِیِّکَ کی اضافت بھی من نورہٖ کی طرح بیانیہ ہے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اظہارِ نعمتِ الٰہیہ کے لئے عرض کی وَاجعَلنِی نُوْراً اور خود رب العزت عزّ جلالہٗ نے قرآن عظیم میں ان کو نور فرمایا قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَ کِتَابٌ مُّبِین۔ (پ۶ المائدہ آیت ۱۵)

پھر حضور کے نور ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اَقُوْلُ، اگر نُوْرَنَبِیِّکَ میں اضافت بیانیہ نہ لو، بلکہ نور سے وہی معنی مشہور یعنی روشنی کہ عرض و کیفیت ہے، مراد لو، تو سیّد عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوّلِ مخلوق نہ ہوئے بلکہ ایک عرض وصفت، پھر وجودِ موصوف سے پہلے صفت کا وجود کیونکر ممکن، لا جُرم حضور خود ہی وہ نور ہیں کہ سب سے پہلے مخلوق ہوا۔

فَلَاحَاجَةَ اِلٰی مَا قَالَ العَلَّامة الزّرقَانی رَحمَهُ اللّٰه تَعَالٰی مِنْ اَنّهٗ لَا یُشکِلُ بِاَنَّ النُّورَ عَرْضٌ لَا یَقُوْمُ بِذَاتِهٖ لِاَنَّ هٰذَا مِنْ خَرقِ العَوَائِدِ اه ورایتنی کتبت عَلَیْهِ لَمْ لَا یُقَالُ فِیْهِ کَمَا سَتَقُولُوْنَ فِیْ

قَرِيْنِهٖ مِنْ نُوْرِهٖ اِنَّ الْاِضَافَةَ بَيَانِيَّةٌ .اھ

وَ اَقُوْلُ خَرقُ الْعَوَائِدِ لَا كَلَامَ فِيْهِ وَالْقُدْرَةُ مُتَّسِعَةٌ وَلٰكِنَّ وَجُوْدَ الصِّفَةِ بِدُوْنِ الْمَوْصُوْفِ مِمَّا لَا يَعْقِلُ لِاَنَّهَا اِنْ قَامَتْ بِغَيْرِهٖ لَمْ تَكُنْ صِفَةً لَّه‘ بَلْ لِغَيْرِهٖ اَوْ بِنَفْسِهَا لَمْ تَكُنْ صِفَةً صلاً اذ لا صِفَةَ اِلَّا الْمَعْنِى الْقَائِم بِغَيْرِهٖ فَاِذَا اَقَامَ بِنَفْسِهِ لَمْ يَكُنْ صِفَةً و عَرضاً بَلْ جَوْهَرا وَ كَوْنَه‘ عَرضاً مَعَ قِيَامِهٖ بِنَفْسِهٖ جَمَعَ لِلضِّدَّيْنِ وَالْقُدْرَةُ تَعَالِيَةٌ عَنِ التَّعَلُّقِ بِالْمَحَالَاتِ الْعَقلِيَّةُ وَوَزْنُ الْاَعْمَالِ بِمَعْنِىْ وَزْنُ الصُّحُفِ وَالْبطاقَاتِ كَمَا فِىْ حَدِيْثِ اَحْمَدَ وَالتِّرمِذِىْ وَابْنِ مَاجَة وَابْنِ حَبَانِ وَالْحَاكِمِ و صَحَّحَه‘ وَابْنُ مَرْدُوْيَه وَاللَالكائي وَالْبَيْهقىُّ فِى الْبَعْثِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخلِصُ رُجلاً مِنْ اُمَّتِىْ عَلٰى رَؤوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ القِيَامَةِ فَيَنْشُر عَلَيْهِ تِسْعَةٌ وَ تِسْعِيْنَ سَجِلًّا كُلُّ سَجِلٍّ مِثْلُ مَدَّالْبَصَرِ ثُمَّ يَقُولُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِى الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةٌ وَ اِنَّه‘ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتَخْرُجُ بَطَاقَةٌ فِيهَا اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه‘ وَرَسُوْلُه‘ فَيَقُوْلُ احْضُرُو زِنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبَطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السَّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السَّجِلَّاتُ وَ ثَقُلَتِ الْبطَاقَةُ فَلَا تَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَىْءٌ

(جامع ترمذی ص ۳۷۸، باب الایمان، مطبوعہ نور محمد کراچی)

تو اَب علامہ زرقانی کے اس قول کی کوئی ضرورت نہ رہی اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نور عرض ہے کہ قائم بذاتہ نہیں کیونکہ یہ خرق عادت ہے۔ میں نے اس پر لکھا ہے کہ یہ اعتراض کیوں نہ کیا جائے جبکہ آپ اس کے اس کے قرین میں مِنۡ نُورِہٖ نہیں کہتے ہیں کہ اضافت بیانیہ ہے۔

اور میں کہتا ہوں کہ خرقِ عادات میں تو کچھ کلام نہیں، اور خدا کی قدرت بڑی ہے، لیکن صفت کا وجود موصوف کے بغیر عقل میں نہیں آتا، کیونکہ اگر وہ موصوف کے سوا کسی کے ساتھ قائم ہے تو اس کی صفت نہ ہوئی بلکہ غیر کی ہوئی اور اگر اپنی ذات سے قائم ہے تو صفت نہ ہوئی کیونکہ صفت تو معنی قائم بغیرہ کو ہی کہتے ہیں، اب جبکہ وہ قائم بنفسہٖ ہے وہ صفت اور عرض نہ ہوئی بلکہ جوہر ہوئی اور اس کے قائم بنفسہٖ ہوتے ہوئے اس کو عرض کہنا جمع بین الضدین ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت محالاتِ عقلیہ سے متعلق نہیں ہوتی اور اعمال کا وزن اس معنی کو ہوگا کہ ان کے صحیفے اور کاغذات تولے جائیں گے، جیسا کہ احمد، ترمذی ابن ماجہ، ابنِ حبان، حاکم (صحیح میں) ابن مردویہ، لالکائی اور بیہقی نے بعث میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اللہ میری امت میں سے ایک شخص کو کھلے عام لائے گا پھر اس کے سامنے ننانوے ۹۹ رجسٹر کھول کر رکھے جائیں گے۔ ہر ایک حدِّ نگاہ تک ہوگا۔ پھر دریافت کیا جائے گا کیا تُو ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے؟ کیا میرے لکھنے والوں نے تجھ پر ظلم کیا؟ وہ کہے گا نہیں اے میرے رب، اللہ فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ وہ کہے گا نہیں، اللہ فرمائے گا ہاں ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، اور تجھ پر آج ظلم نہیں کیا جائے گا، پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا جس میں لکھا ہوگا اشہد ان لا

الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ وَ رسولہ۔ پھر فرمائے گا، جا اس کا وزن کرا۔ وہ کہے گا اے اللہ اس کی ان رجسٹروں کے سامنے کیا حیثیت ہے؟ اللہ فرمائے گا، تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں پھر رجسٹر رکھے جائینگے تو وہ کاغذ وزنی نکلے گا اور اللہ کے نام کے مقابلہ میں کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔

بالجملہ حاصلِ حدیث شریف ٹھہرا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو اپنی ذاتِ کریم سے پیدا کیا، یعنی عین ذات کی تجلی بلا واسطہ ہمارے حضور ہیں، باقی سب ہمارے حضور کے نور وظہور ہیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم و علیٰ آلہٖ وصَحْبہٖ و بارک و کرّم

و اللہ سبحانہٗ وَ تعَالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵

از کلکتہ، مچھوا بازار، اسٹریٹ نمبر ۲۱ متصل چولیا مسجد، مرسلہ حکیم اظہر علی صاحب، ذیعقدہ ۱۳۲۹ھ ،بحضور اقدس جناب مولٰنا مدّظلہ العالیٰ۔ یہ اشتہار ترسیلِ خدمت ہے۔ اگر صحیح ہو تو اِس پر صاد کر دیا جائے۔ ورنہ جواب مفصّل ترقیم فرمائیں۔

والادب۔ اظہر علی عفی عنہ

نقل اشتہار

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْماً ' نور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم کا اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور یعنی جزءِ ذات یا عین ذات یا ذات کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ پیدا کیا ہوا نورِ مخلوق ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِیْ. اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ. اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ. اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ كَمَا فِیْ تَارِیْخِ الْخَمِیْسِ وَ فِیْ سِرِّ الْاَسْرَارِ

اور ذاتی نور کہنے سے نورِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جزء ذات یا عینِ ذات، یا ٹکڑا ذاتِ خدائے تعالیٰ کا کہنا لازم آتا ہے، یہ کلام کفر ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ذاتی کے معنی اگر اصطلاحی لئے جائیں تو جزءِ خدایا عینِ خدایا ٹکڑا ذاتِ خدا کا ہونا لازم آتا ہے یہی کلام کفر ہے اور عقائد بعض جُہّال کے یہی ہیں۔ اس سبب سے نور رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونورِ ذاتی یا ذاتی نور یا اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا نہ کہنا چاہیئے۔ اگر نُورِ رسول خدا تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کونورِ خدایا نورِ مخلوق خدایا نورِ ذاتِ خدایا نور جمالِ خدا کہیں تو کہنا جائز ہے جیسا کہ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''سرّ الاسرار'' میں فرمایا ہے:

لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی رُوْحَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلاً مِنْ نُورِ جَمَالِهٖ' اور حدیثِ قدسی میں آیا ہے:

خَلَقْتُ رُوْحَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ نُورِ وَجْهِیْ كَمَا قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ.

کیونکہ ایک چیز کو دوسرے کی طرف اضافت کرنے سے جز اُس کا یا عین اس کالازم نہیں آتا ہے کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان

مغائرت شرط ہے، چنانچہ بیت اللہ و ناقۃ اللہ و نور اللہ و روح اللہ وغیرذٰلک۔ پس ثابت ہوا کہ نور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورِ مخلوقِ خدا یا ذات خدا یا نورِ جمالِ خدا ہے۔ نورِ ذاتی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا ٹکڑا یا جزو عین نہیں ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابُ

المشتہر: عبدالمہیمن قاضی علاقہ تھانہ بہو بازار وغیرہ کلکتہ

☆☆☆

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی یعنی عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے فتوے میں تصریحاتِ علمائے کرام سے محقق کیا اور اس کے معنی بھی وہیں مشرح کر دیئے۔ حاش للہ! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ کیا گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ نور رسالت یا کوئی چیز معاذ اللہ ذاتِ الٰہی کا جُز یا اس کا عین ونفس ہے، ایسا اعتقاد ضرور کفر و ارتداد۔

اَیْ اِدِّعَاءُ الْجُزْئِیَةِ مُطْلَقًا وَالْعَیْنِیَّةُ بِمَعْنَی الْاِتِّحَادِ اَیْ هُوَ فِیْ مَرْتَبَةِ الْفَرْقِ اَمَّا اِنَّ الْوُجُوْدَ وَاحِدٌ وَالْمَوْجُوْدُ وَاحِدٌ فِیْ مَرْتَبَةِ الْجَمِیْعِ وَالْکُلُّ ظِلَالُه، وَعُکُوْسُه، فِیْ مَرْتَبَةِ الْفَرْقِ فَلَا مَوْجُوْدُ اِلاَّ هُوَ فِیْ مَرْتَبَةِ الْحَقِیْقَةِ الذَّاتِیَّةِ اِذْ لَا حَظَّ لِغَیْرِهٖ فِیْ حَدِّ ذَاتِهٖ مِنَ الْوُجُوْدِ اَصلاً جملة وَاحِدَةً مِنْ دُوْنِهٖ شَیْئًا فَحَقٌّ وَاضِحٌ لَا شَکَّ فِیْهِ

یعنی، مطلقاً جزئیۃ کا دعویٰ کرنا اور عینیت بمعنی اتحاد، یعنی وہ بعینہٖ وہ ہی ہیں، مرتبہ فرق ہیں، اب رہی یہ بات کہ وجود ایک ہے اور موجود مرتبۂ جمیع میں ایک ہے اور سب کے ظلال وعکوس ہیں مرتبہ وفرق میں تو کوئی موجود بھی ایسا نہیں جو مرتبۂ حقیقت ذاتیہ میں نہ ہو کیونکہ فی حد ذاتہ کسی کو وجود کا کوئی حصہ نہیں ملا ہے تو بات واضح ہے، حق ہے، اس میں کچھ شبہ نہیں۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا نورِ ذاتی کہنے سے نہ عینِ ذات یا جز ذات ہونا لازم، نہ مسلمان پر بدگمانی جائز، نہ علماء و عوام میں اس سے یہ معنی مفہوم، نہ نورِ ذات کہنے کو نور ذاتی کہنے پر ترجیح،

جس سے وہ جائز اور یہ ناجائز ہو۔

اَولاً ذاتی کی یہ اصطلاح کہ عینِ ذات یا جز ماہیت ہو، خاص ایسا غوجی کی اصطلاح ہے۔ علمائے عامہ کے عرف عامہ میں نہ یہ معنی مراد ہوتے ہیں نہ ہرگز مفہوم، عام محاورہ میں کہتے ہیں۔

یہ میں اپنے ذاتی علم سے کہتا ہوں، یعنی کسی کی سنی سنائی نہیں، یہ مسجد میں نے اپنے ذاتی روپے سے بنائی ہے یعنی چندہ وغیرہ مال غیر سے نہیں۔

آئمہ اہلسنّت جن کا عقیدہ ہے کہ صفاتِ الٰہیہ عینِ ذات نہیں، اللہ عزوجل کے علم وقدرت وسمع وبصر وارادہ وکلام وحیات کو اس کو صفت ذاتی کہتے ہیں

حدیقۂ ندیہ (ج ۱ص ۲۵۴، مکتبہ نوریہ رضویہ) میں ہے:

اَعلَم اَنَّ الصِّفَاتِ الَّتِی هِیَ لَا عَیْنَ الذَّاتِ وَلَا غَیْرُهَا اِنَّمَا هِیَ الصِّفَاتُ الذَّاتِیَّةُ الخ

یعنی ''بیشک وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی نہ عین نہ غیر ہیں۔ وہ صرف وہ ذاتی صفات ہیں۔''

علامہ سیّد شریف قدس سرّہ الشریف ''رسالہ تعریفات'' میں فرماتے ہیں۔

الصَّفَاتُ الذَّاتِیَّةُ هِیَ مَا یُوْصَفُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِهَا وَلَا یُوْصَفُ بِضِدِّهَا نحوا لقُدْرَةِ وَالعِزَّة وَالْعَظْمَةِ وَغَیْرِهَا

وجوبِ ذاتی و امتناعِ ذاتی و امکانِ ذاتی کا نام حکمت وکلام وفلسفہ وغیرہا میں سنا ہوگا۔

اِنَّ الذَّاتَ تَقْتَضِی لِذَاتِهَا الْوُجُودَ او الْعَدَمَ

کوئی بھی اپنے موصوف کا نہ عین ذات ہے نہ جز بلکہ مفہوماتِ اعتبار یہ ہیں جن کے لئے خارج میں وجود نہیں کَمَا حُقِّقَ فِی مَحَلِّهٖ یوں ہی اصلین اعنی علم کلام اوعلمِ اصول فقہ میں افعال کے حسنِ ذاتی و قبحِ ذاتی کا

مسئلہ اور اس میں ہمارے آئمہ ماتریدیہ کا مذہب سنا ہوگا حالانکہ بداہۃً حُسن و قبح نہ عینِ فعل ہیں نہ جزءِ فعل، محقق علی الاطلاق، تحریر الاصول میں فرماتے ہیں۔

مَا فِيْهِ الاعْـرَاضُ وَالْعَادَاتُ وَاسْتحق بِهِ الْمَدْحَ وَالذَّمَّ فِيْ نَظْرِ الْعقُوْلِ لِتَعَلُّقِ مَصَالِحِ الْكُلِّ بِهٖ هُوَ الْمُرَادِ بِالذَّاتِي لِلقطعِ بِاَنَّ مُجَرَّدَ حَرَكَة الْيَدِ قَتْلاً ظُلْمًا لَاتَزِيْدُ حَقِيْقَتُهَا عَلٰى حَقِيْقَتِهَا عَدْلاً فَلَوْ كَانَ الذَّاتِيُّ مقتضِى الذَّاتِ اتَّحَدَ لَا زِمُهُمَا حسْناً وَ قُبْحًا فَاِنَّمَا يُرَادُ بِالذَّاتِي مَا يَجْزِمُ بِهِ الْعَقْلُ لِفعْلٍ مِنَ الصِّفَةِ مُجَرَّدِ تَعَقُّلِهٖ كَائِناً عَنْ صِفَةِ نَفْسِ مَنْ قَامَ بِهٖ فَاِعْتِبَارُهَا يُوْصَفُ بِاَنّه عَدْلٌ حَسَنٌ اَوْضِدّه اھ

ثانیاً، ذاتی میں یائے نسبت ہے۔ ذاتی منسوب بہ ذات اور متغائرین میں ہر اضافت مصحح نسبت جو چیز دوسرے کی طرف منسوب ہوگی وہ ضرور اس کی طرف منسوب ہوگی کہ اضافت بھی ایک نسبت ہی ہے، تو جب نورِ ذات کہنا صحیح ہے تو نورِ ذاتی کہنا بھی قطعاً صحیح ہوگا، ورنہ نسبت ممتنع ہوگی تو اضافت ممتنع ہوگی تو نور ذات کہنا بھی باطل ہوجائے گا۔ ہذا خُلف.

ثالثاً نور ذات کہنا جس کا جواز مانع کو بھی تسلیم ہے، اس میں اضافتِ بیانہ یوہو یعنی وہ نور کہ عین ذات الٰہی ہے تو معاذ اللہ نورِ رسالت کا عین ذاتِ اُلوہیت ہونا لازم آتا ہے پھر یہ کیوں نہ منع ہوگا۔ اگر یہ کہے کہ یہ معنی مراد نہیں بلکہ اضافتِ لامیہ ہے اور اس کی وجہ تشریف ہے جیسے بیت اللہ و ناقۃ اللہ، تو اسی معنی پر نورِ ذاتی میں کیا حرج ہے، یعنی وہ نور کہ ذاتِ الٰہی سے نسبتِ خاصہ ممتازہ رکھتا ہے۔

شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی (ج ا ص ۵۵) میں ہے:

[1] اِضَافَۃُ تَشْرِیْفٍ وَاِشْعَارٌ بِاَنَّہٗ خَلْقٌ عَجِیْبٌ وَ اَنَّ شَاْنًا لَّہٗ مُنَاسَبَۃٌ مَا اِلَی الْحَضْرَۃِ الرَّبُوْبِیَّۃِ عَلٰی حَدِّ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (پ۱۴ الحجر:۲۹)

رَابعاً، نور ذاتی میں اگر ایک معنی معاذ اللہ کفر ہیں، کہ ذاتی کو اصطلاحِ فن ایسا غوجی پر حمل کریں جو ہرگز قائلوں کی مراد نہیں بلکہ غالباً ان کو معلوم بھی نہ ہوگی، تو نور ذات یا نور اللہ کہنے میں، جن کا جواز خود مانع کو مسلّم ہے، عیاذاً باللہ متعدد وجہ پر معانی کفر ہیں۔

ہم نے فتوائے دیگر میں بیان کیا کہ نور کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہر، بنفسہٖ مظہر بغیرہ، بایں معنی اگر اضافت بیانیہ لو تو نورِ رسالت عین ذاتِ الٰہی ٹھہرے اور یہ کفر ہے۔ اور اگر لامیہ لو، تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ نور آپ بہ ذاتِ خود ظاہر اور ذات الٰہی کا ظاہر کرنے والا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ دوسرے معنی یہ کیفیت وعرض جسے چمک و جھلک اور اُجالا و روشنی کہتے ہیں، اس معنی میں اضافتِ بیانیہ لو تو کفرِ عینیّت کے علاوہ ایک اور کفر عرضیت عارض ہوگا، کہ ذاتِ الٰہی معاذ اللہ ایک عرض و کیفیت قرار پائی، اور اگر لامیہ لو تو کسی کی روشنی کہنے سے غالباً یہ مفہوم کہ یہ کیفیت اس کو عارض ہے، جیسے نورِ شمس و نورِ قمر و نور چراغ، یوں معاذ اللہ! اللہ عزّ وجل محلِ حوادث ٹھہرے گا، یہ بھی صریح ضلالت و گمراہی ومُنجَر[2] بہ کفر لزومی ہے۔ ایسے خیالات سے اگر نورِ ذاتی کہنا ایک

[1] اضافتِ تشریفیہ ہے اور یہ بتاتا ہے کہ آپ عجیب مخلوق ہیں اور بارگاہِ ربوبیت میں آپ کو خاص نسبت ہے۔ جیسے وَنُفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ ۱۲

[2] پہنچانے والا ۱۲

درجہ ناجائز ہوگا تو نور ذات و نور اللہ کہنا چار درجے، حالانکہ ان کا جواز مانع کو مُسلّم ہونے کے علاوہ، خود قرآن عظیم میں وارد ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (سورہ الصف آیت ۸) يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ○

(پ۱۰ سورہ توبہ آیت ۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے اگرچہ کافر بُرا سمجھیں، وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ ضرور پورا کرے گا اپنے نور کو اگرچہ کافر برا جانیں۔

حدیث میں ہے:

[1] اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

خامساً، مضاف و مضاف الیہ میں اگر مغایرت شرط ہے تو منسوب و منسوب الیہ میں کیا شرط نہیں۔

سَادِساً، بلکہ اس طور پر جو مانع نے اختیار کیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مخلوقِ الٰہی نہ رہیں گے۔ دو چیزیں حضور سے پہلے مخلوق قرار پائیں گی اور یہ خلافِ حدیث وخلافِ نصوصِ آئمہ قدیم و حدیث۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

يَاجَابِرُ! اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ مِنْ نُوْرِهٖ

اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

---

[1] مومن کی سمجھ (فراست) سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے ۱۲

یہاں دو اضافتیں ہیں، نورِ نبی و نورِ خدا، اور مشتہر کے نزدیک اضافت میں مغائرت شرط ہے، تو نورِ نبی غیرِ نبی ہوا۔ اور نور خدا غیر خدا، اور غیر خدا جو کچھ ہے مخلوق ہے، تو نور خدا مخلوق ہوا۔ اور اس نور سے نور نبی بنا تو ضرور نورِ خدا نور نبی سے پہلے مخلوق تھا اور نور نبی باقی سب اشیاء سے پہلے بنا اور اشیاء میں خود نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بھی ہیں، تو نورِ نبی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے بنا اور اس سے پہلے نورِ خدا بنا تو نبی صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے دو نور مخلوق ہوئے' یہ محض باطل ہے۔

سابعاً، حل یہ ہے کہ ایسا غوجی میں ذاتی مقابل عرضی ہے بہ ایں معنی اللہ عزّ وجل نورِ ذاتی و نور عرضی دونوں سے پاک ومنزّہ ہے مگر وہ یہاں نہ مراد نہ مفہوم، اور عام محاورہ میں ذاتی مقابل صفاتی اور اسمائی ہے اور یہاں یہی مقصود۔ بہ ایں معنی اللہ عزّ وجل کے لئے نور ذاتی و نورِ صفاتی و نورِ اسمائی سب ہیں کہ اس کی ذات وصفات و اسماء کی تجلّیاں ہیں۔ نبی صلّی اللہ تعالی علیہ وسلم تجلّی ذات ہیں اور انبیاء و اولیاء و سائرٔ خلق اللہ تجلّی اسماء و صفات ہیں، جیسا کہ ہم نے فتوائے دیگر میں شیخ محقق سے نقل کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمُ

از: مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی عفی عنہ

اسماءِ کُتُب مَاخذ

	نام کتاب	نام مصنف
۱۔	دلائل النبوۃ	بیہقی
۲۔	مواہب اللدنیۃ	قسطلانی
۳۔	افضل القریٰ	ابن حجر مکی
۴۔	مطالع المسرات	علّامہ فاسی
۵۔	زرقانی شرحِ مواہب	علّامہ زرقانی
۶۔	تاریخ الخمیس	علّامہ دیار بکری
۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ محقق دہلوی
۸۔	حدیقہ ندیہ	عبدالغنی نابلسی
۹۔	فتاویٰ تاتارخانیہ	قاضی خاں
۱۰۔	طحطاوی علی الدّر	طحطاوی
۱۱۔	شرحِ سیدی احمد بدوی کبیر	
۱۲۔	ام القریٰ	محمد بوحیری
۱۳۔	رسالہ تعریفات	میر سیّد سند شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شُمُوْلُ الْاِسْلام لِاُصُولِ الرَّسُول الْکِرام

حضور ﷺ کے والدین اور آباؤ اجداد کے مومن ہونے کا بیان

تصنیفِ لطیف

امام اہل سنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام احمد رضا خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ وسلم کے والدین کریمین نے آپ کے زمانۂ نبوت کونہیں پایا، ان کا انتقال زمانۂ جاہلیت ہی میں ہوگیا تھا، بعض حضرات ان کو محض اس لئے کافر ومشرک کہتے ہیں کہ ان کا انتقال زمانۂ جاہلیت میں ہوا، لیکن یہ دلیل دُرُست نہیں، زمانہ کتنا ہی کیوں نہ بگڑ جائے، اور ماحول پر کتنی ہی تاریکیاں کیوں نہ چھا جائیں مگر حق کی چنگاریاں کہیں نہ کہیں ضرور دبی ہوتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مجھے اللہ نے پاک پیٹھوں اور پاک پیٹوں میں منتقل کیا۔'' اگر معاذ اللہ آپ کے والدین میں کوئی کافر ومشرک ہوتا تو وہ ناپاک ہوتا کیونکہ کفر وشرک کی نجاست سے بڑھ کرکون سی نجاست ہوگی؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مستند حوالوں سے اسی مسئلے کو واضح کیا ہے کہ آپ کے والدین مومن تھے اور نہ صرف مومن بلکہ صحابی تھے، وہ صحابی کیسے ہوئے؟ یقیناً آپ کے لئے یہ بات حیرت انگیز ہوگی لیکن جب آپ اعلیٰ حضرت کا رسالہ ''شمول الاسلام'' ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کی یہ حیرت یقینِ حق میں تبدیل ہو جائے گی۔

مرتب

بسْمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرّحِیم

اِسْتِفْتَا

از معسکر بنگلور، مسجد جامع مدرسہ جامع العلوم مرسلہ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد عبدالغفار صاحب قادری نسباً وطریقۃً، اعلیٰ مدرس مدرسۂ مذکور

۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سرور کائنات، مفخر موجودات، رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماں باپ آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تک مومن تھے یا نہیں؟ بینوا توجروا [1]

[1] (اس سوال کے جواب میں "ہدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی" مصنفہ مولوی صاحب موصوف تھا، یہ اسی کی تصدیق میں لکھا گیا ہے)

فتویٰ

بسْمِ اللّٰہ الرّحمٰنِ الرّحِیم

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ الدَّائِمُ الْبَاطِنُ الظَّاھِرُ، صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَی الْمُصْطَفَی الْکَرِیْمِ نُوْرِکَ الطَّیِّبُ الطَّاھِرُ الزَّاھِرُ الَّذِیْ نَزَّھْتَه مِنْ کُلِّ وَّاَوْدَعْتَه فِیْ کُلِّ مُسْتَوْدَعٍ طَاھِرٍ وَ نَقَلْتَه مِنْ طَیِّبٍ اِلٰی طَیِّبٍ فَلَه، الطَّیِّبُ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَعَلٰی اٰلِه وَ صَحْبِه الْاَطَائِبِ الْاَطَاھِرِ. اٰمین

اولاً اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَعَبْدٌ مُؤمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ (پ ۲ البقرہ آیت ۲۲۱)

بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک ہے۔

اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ فِي الْقَرْنِ الَّذِیْ كُنْتُ مِنْهُ

(صحیح بخاری، باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۵۰۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

ہر قرن وطقبہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔

رواہ البخاری فی صحیحہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

حضرت امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی حدیث صحیح میں ہے:

لَمْ يَزَلْ عَلٰى وَجْهِ الدَّهْرِ (الْاَرْضِ) سَبْعَةُ مُسْلِمِيْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِكَ هَلَكَتِ الْاَرْضِ وَمَنْ عَلَيْهَا

(شرح الزرقانی علی المواہب، وفاۃ امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۲۰۴ (مطبعہ عامر مصر)

روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں۔ ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔

اخرجہ عبدالرزاق و ابن المنذر بسند صحیح علی شرط الشیخین

حضرت عالم القرآن جرالامۃ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث صحیح میں ہے۔

مَا خَلَتِ الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ مِنْ سَبْعَةٍ يَّدْفَعُ اللّٰهُ بِهِمْ عَنْ اَهْلِ الْاَرْضِ. (شرح الزرقانی علی المواہب، وفاۃ امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۲۰۴)

نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں رُوئے زمین پر لا اقل سات مسلمان بندگانِ مقبول ضرور رہے ہیں، اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے، ہر قرن میں خیارِ قرن سے، اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو، کسی غلام مسلمان سے بھی خیر و بہتر نہیں ہو سکتا۔ تو واجب ہوا کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آباء و امہات ہر قرن اور طبقہ میں انھیں بندگانِ صالح و مقبول سے ہوں ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقرآنِ عظیم میں ارشاد حق جل و علا کے مخالف ہوگا۔

اقول[1] وَالْمَغْنِیَ اَنَّ الْکَافِرَ لَا یَسْتَاھِلُ شَرْعاً اَنْ یُّطْلَقَ عَلَیْہِ اَنَّہٗ مِنْ خِیَارِ الْقَرْنِ لَا سِیَّمَا وَھُنَاکَ مُسْلِمُوْنَ صَالِحُوْنَ وَ اِنْ لَّمْ یُرِادِ الْخَیْرِیَّۃَ اِلَّا بِحَسَبِ النَّسَبِ فَافْھَمْ

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہٗ نے افادہ فرمائی، فَاللّٰہُ یَجْزِیہِ الْجَزَاءَ الْجَمِیْلَ: (پ۱۰ التوبۃ آیت ۲۷)

ثانیاً: قَالَ اللّٰہ عزوجل اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ ۔ کافر تو ناپاک ہی ہیں، اور حدیث میں ہے، حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] میں کہتا ہوں کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعاً اس بات کا مستحق نہیں کہ اس خیر القرن کہا جا سکے بالخصوص جبکہ مسلمان صالح موجود ہوں اگرچہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔۱۲

لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ یَنْقُلُنِیْ مِنْ اَصْلَابٍ طَیِّبَۃٍ اِلٰی اَرْحَامٍ طَاہِرَۃٍ صَافِیًا مُھَذَّبًا لَا تَتَشَعَّبُ شُعْبَتَانِ اِلَّا کُنْتُ فِیْ خَیْرِ ھُمَا

(دلائل النبوۃ للبیہقی، ذکر فضیلۃ صلی اللہ علیہ وسلم بطیب مولدہ ج ۱ ص ۱۱ بیروت)

ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ۔ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔

اور ایک حدیث میں ہے، فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاھِرِیْنَ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاھِرَاتِ

(شرح الزرقانی، باب وفاۃ امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۲۰۴ (مطبع عامرہ مصر)

میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔

رواہما ابو نعیم فی دلائل النبوۃ، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

لَمْ یَزَلِ اللّٰہُ یَنْقُلُنِیْ مِنَ الْاَصْلَابِ الْکَرِیْمَۃِ وَالْاَرْحَامِ الطَّاھِرَۃِ حَتّٰی اَخْرَجَنِیْ مِنْ بَیْنَ اَبَوَیَّ. (کتاب الشفاء، الباب الثالث، ج ۱ ص ۱۳۲ملخصاً)

ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا، تو ضرور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین و امہات کرائم طاہرات سب اہل ایمان و توحید ہوں کہ بنصِ[1] قرآن عظیم کسی کافر کافرہ کے لئے کرم و طہارت سے حصہ نہیں۔

---

[1] تصریح

یہ دلیل امام اجل فخر المتکلمین علامۃ الوریٰ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے افادہ فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علاّمہ تلمسانی شارح شفا و امام ابن حجر مکّی و علاّمہ محمد زرقانی شارح مواہب وغیرہم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی۔

ثالثاً قال اللہ تبارک تعالیٰ۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ o الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ (پ ۱۹ الشعرآء آیت ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹)

بھروسہ زبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوا اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنے والوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں، معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا، تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے، امام سیوطی و امام ابن حجر و علاّمہ زرقانی وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر وتائید و تاکید وتشید فرمائی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے مؤید روایت ابو نعیم کے یہاں آئی۔ وَقَدْ صَرَّحُوْا اَنَّ الْقُرْاٰن مُحْتَجٌّ بِهٖ عَلٰى جَمِيْعِ وَ جُوْهِهٖ وَلَا يَنْفِيْ تَاوِيْل تَاوِيْلًا وَّ يَشْهَدُ لَهٗ عَمَلُ الْعُلَمَاءِ فِي الْاِحْتِجَاجِ بِالْآيَاتِ عَلٰى اَحَدِ التَّاوِيْلَاتِ قَدِيْمًا وَّ حَدِيْثًا.

(علماء نے تصریح کی ہے کہ قرآنِ پاک کی ہر وجہ سے استدلال کیا جائے گا اور کوئی ایک تاویل دوسری تاویل کی نفی نہیں کرتی، اس کیلئے علماء کا عمل گواہ ہے کہ وہ پرانے اور نئے زمانے میں آیاتِ مبارکہ کی کوئی تاویلات

میں سے ایک سے استدلال کرتے رہے ہیں۔)

رَابعاً، قَالَ الْمَوْلٰی سُبْحٰنَہٗ وَ تَعَالٰی:

وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (پ۳۰ الضحٰی آیت ۵)

البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اللہ اکبر، بارگاہِ عزت میں، مصطفٰی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت و وجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلا نے فرمایا ہی تھا۔

سَنُرْضِیْکَ فِیْ اُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْٓکَ بِہٖ

قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کر دیں گے اور تیرا دل بُرا نہ کریں گے۔

رواہ مسلم فی صحیحہ (صحیح مسلم، باب دعاء النبی ﷺ لامتہ ج ا ص ۱۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی) مگر اس عطا و رضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابو طالب کی نسبت فرمایا:

وَجَدْتُّہٗ فِیْ غَمْرَاتٍ مِّنَ النَّارِ فَاَخْرَجْتُہٗ اِلٰی ضَحْضَاحٍ

(صحیح مسلم باب شفاعۃ النبی ﷺ ج ا ص ۱۱۵ قدیمی کتب خانہ)

میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا:

رواہ البخاری ومسلم عن العباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

وَلَوْلَا اَنَا لَکَانَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ

(صحیح مسلم، باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب ج ا ص ۱۱۵)

اگر میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

رواہ ایضاً عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اَھْوَنُ اَھْلِ النَّارِ عَذَاباً

(صحیح مسلم، باب شفاعۃ النبی ﷺ لابی طالب ج۱ص ۱۱۵)

دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔

رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو قُرب والدین کریمین کو ہے ابو طالب کو اس سے کیا نسبت! پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا، تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابو طالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے ہوتے، یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں، وللہ الحمد، اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ (امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ) نے اشارہ فرمایا۔

اقول و باللہ التوفیق، تقریر دلیل ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں ابو طالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے؟ آیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یاری وغم خواری و پاسداری و خدمت گزاری کے باعث یا اس لئے سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محبت طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُاَبِيْهِ

(مسند امام احمد، عن ابی ہریرہ، ج ۲ ص ۳۲۲، بیروت)

آدمی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے۔

رواه الترمذی بسَنَدٍ حَسَنٍ عَنْ اَبِی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، و عن علی والطبرانی الکبیر عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم

شقِ اول باطل ہے، قال اللہ عزوجل

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

(پ ۱۹ الفرقان آیت ۲۳)

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابو طالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سراپا آگ میں غرق پایا، عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر خود حضور کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا، میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقۂ زیریں میں ہوتا۔

لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر و باہر ہے اور بالبداہۃ واضح کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اقدس پر ابو طالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا معاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی ٹھنڈک جو حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز و اکرام جو حضرات والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذاً باللہ وہ اہل جنت

نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے، بوجہ آخر فرض کیجئے کہ یہ ابو طالب کے حق پر ورش و خدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہو سکتی ہے؟ کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کر سکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گذار کا حق، حقِ والدین کے برابر ہو سکتا ہے جسے رب العزت نے اپنے حقِ عظیم کے ساتھ شمار فرمایا:

اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ (پ۲۱ لقمان آیت ۱۴)

حق مان میرا اور اپنے والدین کا

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہر چند حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو کہا، نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جُرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھی معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا، بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی، نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقیناً انھیں کا پلّہ بڑھا ہوا ہے تو ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یوں ہی متصور کہ ابوین کریمین اہلِ نا رہی سے نہ ہوں، وَ هُوَ الْمَقْصُوْدُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْوَدُوْدُ.

خامساً۔ اَقول:

قال المولیٰ عزّ وعلا:

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ. اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. (پ ۲۸ الحشر آیت ۲۵)

برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

حدیث میں ہے، حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم نے اولاد امجاد حضرت عبدالمطلب سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے دیکھا، جب پاس آئیں، فرمایا:

مَآ اَخۡرَجَکَ مِنۡ بَیۡتِکَ

اپنے گھر سے باہر کہاں گئی تھیں

عرض کی:

اَتَیۡتُ اَهۡلَ هٰذَا الۡمَیِّتِ فَتَرَحَّمۡتُ اِلَیۡهِمۡ وَ عَزَّیۡتُهُمۡ بِمَیِّتِهِمۡ

یہ جو ایک موت ہوگئی تھی میں ان کے یہاں تعزیت اور دعائے رحمت کرنے گئی تھی۔

فرمایا: لَعَلَّکَ بَلَغۡتِ مَعَهُمُ الۡکُدٰی

شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی۔

عرض کی۔ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنۡ اَکُوۡنَ بَلَغۡتُهَا وَ قَدۡ سَمِعۡتُکَ تَذۡکُرُ فِیۡ ذٰلِکَ مَا تَذۡکُرُ

خدا کی پناہ کہ میں وہاں جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی تھی جو کچھ اس باب میں ارشاد کیا۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوۡ بَلَغۡتِهَا مَا رَاَیۡتِ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَرَاهَا جَدُّ اَبِیۡکِ

اگر تو ان کے ساتھ وہاں تک جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبدالمطلب نہ دیکھیں۔

رواہ ابوداؤد و النسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۱۶،

حیدث ۱۸۸۱)واللفظ لہ' عن عبداللہ بن عمر وابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما اما ابو داود فتا دب دکنی وقال فذکر تشدیدا فی ذالک و اما عبدالرحمٰن ذے لتبلیغ العلم و اداء الحدیث علیٰ وجھہ لِکُلٍّ وِّجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا

یہ تو حدیث کا ارشاد ہے، اب ذرا عقائدِ اہلسنت پیشِ نظر رکھتے ہوئے نگاہِ انصاف درکار، عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ اگر ہے تو معصیت ہے اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کرسکتی۔ اہلسنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذ اللہ مؤاخذے کے بعد اور کافر جنت میں جانا محال شرعی کہ ابد الآباد تک کبھی ممکن ہی نہیں ،اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب اور بے ضرورت تاویل ناجائز اور عصمت، نوعِ بشر میں خاصۂ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثنا ہے۔

ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدّرجات ہو، وقوعِ گناہ ممکن و متصور، یہ چاروں باتیں عقائد اہلسنت میں ثابت و مقرر، اب اگر بحکم مقدمہ رابعہ مقابر تک بلوغ فرض کیجئے تو بحکم مقدمہ ثالثہ جزا کا ترتب واجب اور اس تقدیر پر کہ حضرت عبدالمطلب کو معاذ اللہ غیر مسلم کہئے بحکم مقدمتین اولین و نیز بحکم آیت کریمہ محال و باطل، تو واجب ہوا حضرت عبدالمطلب مسلمان و اہل جنت ہوں۔ اگرچہ مثل صدیق وفاروق و عثمان و علی و زہرا و صدیقہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم' سابقین اولین میں نہ ہوں۔ اب معنی حدیث بلا تکلف اور بے حاجت تاویل و تصرف عقائد اہل سنت سے مطابق ہیں۔ یعنی

اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اوّلین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا، بلکہ اس وقت جبکہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے، ہکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

سادساً اَقولُ، قال ربنا الاعز الاعلٰی عزوعلا:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

عزت تو اللہ و رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔

وقال تعالٰی

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(پ ۲۶ الحجرات آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے بنایا تمہیں ایک نر و مادہ سے اور کیا تمہیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، بیشک اللہ کے نزدیک تمہارا زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

اِن آیات کریمہ میں رب العزت جل علا نے عزت و کرم کو مسلمانوں میں منحصر فرما دیا، اور کافر کو کتنا ہی قوم وار ہو، لئیم و ذلیل ٹھہرا دیا، اور کسی لئیم و ذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز و کریم کے لئے باعث مدح نہیں و لہٰذا کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ انْتَسَبَ اِلٰی تِسْعَةِ اٰبَآءِ كُفَّارٍ يُرِيْدُبِهِمْ عِزّاً وَّ كَرَاماً كَانَ عَاشِرُهُمْ فِي النَّارِ.

جو شخص عزت و کرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کا فر کا ذکر کرے کہ میں فلان ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں، ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔

رواہ الامام احمد، عن ابی ریحانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بسند صحیح (ج۴ ص ۱۳۴ بیروت) اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضو اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز و مدح میں بارہا اپنے آبائے کرام و امہات کرائم کا ذکر فرمایا۔

روز حنین جب ارادۂ الٰہیہ سے تھوڑی دیر کے لئے کفار نے غلبہ پایا، معدودے بندے رکابِ رسالت مں باقی رہے، اللہ غالب کے رسولِ غالب پرشانِ جلال طاری تھی:

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبُ.

(صحیح بخاری ج۱ص ۴۰۱، باب من قاد دابۃ غیرہ فی الحرب)

میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔

رواہ احمد والبخاری و مسلم والنسائی عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور قصد فرما رہے ہیں کہ تنہا ان ہزاروں کے مجمع پر حملہ فرمائیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب و حضرت ابوسفین بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما بغلہ شریف کی لگام مضبوط کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور فرما رہے ہیں۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ. اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِب

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۵۰۷، ادارۃ القرآن کراچی)

میں سچا نبی ہوں، اللہ کا پیارا، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبہ و ابونعیم عنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

امیر المؤمنین حضرت عمر لگام روکے ہیں اور حضرت عباس دمچی تھامے اور حضور فرمارہے ہیں۔ قَدِّ مَاهَا. اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ. انا ابن عبدالمطلب اسے بڑھنے دو، میں ہوں نبی، صریح حق پر، میں ہوں عبدالمطلب کا پسر، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

رواہ ابن عساکر عن مصعب بن شیبہ عن ابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جب کافر نہایت قریب آ گئے بغلہ طیبہ سے نزولِ اجلال فرمایا۔ اس وقت بھی یہی فرماتے تھے۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ. اَنَا ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبْ، اَللّٰهُمَّ نَزِّلْ نَصْرَكَ

میں ہوں نبی برحق سچا، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، الٰہی اپنی مدد نازل فرما۔

رواہ ابن ابی شیبۃ و ابن جریر عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ پھر ایک مشت خاک دستِ پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:

شَاهَتِ الْوُجُوْهُ بگڑ گئے چہرے

(تفسیر ابن جریر، زیر آیت لقد نصرکم اللہ مطبعہ میمنہ مصر، ج ۱۰ ص ۶۴)

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے۔ ان میں جو مشرف بہ اسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں، جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ہماری طرف پھینکیں، ہمیں یہ نظر آیا کہ آسمان سے زمین تک تانبے کی دیوار قائم کر دی

گئی اور اس پر سے پہاڑ ہم پر لڑھکائے گئے، سوائے بھاگنے کے کچھ نہ بن آئی۔ و صلی اللّٰہ تعالٰی علی الحق المبین سیّد المرسلین وَ اٰلہٖ و بارک وسلم. اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا:

اَنَا ابنُ العَوَاتِکِ مِن بَنِی سُلَیمٍ. (الجامع الصغیر مع فیض القدیر، للامام السیوطی ج ۳ ص ۳۸ بیروت) میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواہ سعید بن منصور فی سننہٖ والطبرانی فی الکبیر عن سبابۃ بن عاصم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ایک حدیث میں ہے، بعض غزوات میں فرمایا:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبُ اَنَا ابنُ عَبدُالمُطَّلِبُ اَنَا ابنُ العَوَاتِکِ

میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، میں ہوں ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا۔ رواہ ابن عساکر عن قتادہ۔(ج ۱ ص ۸۲۹، بیروت)

علامہ مناوی صاحب تیسیر و امام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس و جوہری صاحب صحاح و صنعانی وغیرہم نے کہا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جدّات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ ابن بری نے کہا، وہ بارہ بی بیاں عاتکہ نام کی تھیں، تین سلمیات یعنی قبیلہ بن سلیم سے اور دو قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ، ازدیہ، ذکرہ فی تاج العروس ۔ابو عبداللہ عدوی نے کہا: وہ بی بیاں چودہ تھیں۔ تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہذلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے رواہ الامام الجلال السیوطی فی الجامع

الکبیر۔ اور ظاہر ہے کہ قلیل نافی کثیر نہیں۔

حدیث آئندہ میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح و بیان فضائل کریمہ میں اکیس پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کر کے فرمایا: میں سب سے نسب میں افضل، باپ میں افضل، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تو بحکم نصوص مذکورہ ضرور ہے کہ حضور کے آباء و امہات مسلمین و مسلمات ہوں، وللہ الحمد۔

سابعاً، قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ: (پ۱۲ھود آیت ۴۶)

اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ

(تاریخ ابن عساکر ج۱ص ۲۸۹، بیروت)

اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں، یہ تو ناراستی کے کام والا ہے

آیۃ کریمہ نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرما دیا و لہٰذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا، اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

نَحْنُ بَنُو النَّضِرِ بْنِ کِنَانَۃَ لَا نَنْتَفِیْ مِنْ بِیْنَا

(مسند امام احمد ج ۵ ص ۲۱۱، عن اشعث بن قیس، بیروت)

ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔

رواہ ابو داوٗد الطیالسی و ابن سعد والامام احمد و ابن ماجۃ والحارث و الماوردی وسمویہ و ابن قانع و الطبرانی فی الکبیر و ابونعیم و الضیاء المقدسی فی صحیح المختارۃ عن الاشعث بن قیس الکندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کفار سے نسب بحکم احکم الحاکمین منقطع ہے، پھر معاذ اللہ جدا نہ کرنے کا کیا محل ہوتا۔

ثامناً و تاسعاً۔ اَقُولُ

قال العلیٰ الاعلیٰ تبارک وتعالیٰ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّهِ (پ ۳۰ البینۃ آیت ۶، ۷)

بے شک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہ سارے جہان سے بدتر ہیں۔ بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں۔

اور حدیث میں ہے، رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

غَفَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِزَيْدِ بْنِ عَمْرٍو وَرَحِمَه فَاِنَّه مَاتَ عَلٰى دِيْنِ اِبْرَاهِيْمَ (الجامع الصغیر مع فیض القدیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ۴ ص ۴۰۶، بیروت)

اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے۔

رواہ البزار والطبرانی عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا: رَاَيْتُه فِي الْجَنَّةِ يَسْحَبُ ذُيُوْلًا. میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا۔

رواہ ابن سعد والفاکہی عن عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اور بیہقی و ابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں، و ھٰذا روایۃ البیھقی:

اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ بْنِ ھَاشِمِ بْنِ عَبْدِالْمُنَافِ بْنِ قُصَیِّ بْنِ کِلَابِ بْنِ مُرَّۃَ بْنِ کَعْبِ بْنِ لُؤَیِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِھْرَ بْنِ مَالِکِ بْنِ النَّضْرِ بْنِ کِنَانَۃَ بْنِ خَزَیْمَۃَ بنَ مُدْرِکَۃَ ابْنِ الْیَاس بْنِ مُضَرْنِ نَزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ مَا افْتَرَقَ النَّاسُ فِرْقَتَیْنِ اِلَّاجَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِیْ خَیْرِھِمَا فَاَخْرَجْتَ مِنْ بَیْنِ اَبَوَیَّ فَلَمْ یُصِبْنِیْ شَیْءٌ مِّنْ عَھْدِ الْجَاھِلِیَّۃِ وَخَرَجْتُ مِنْ نِکَاحٍ وَّلَمْ اَخْرَجَ مِنْ سِفَاحٍ مِّنْ لَّدُنْ اٰدَمَ حَتّٰی اَنْتَھَیْتَ اِلٰی اَبِیْ وَ اُمِّیْ فَاَنَا خَیْرُکُمْ نَفْسًا وَّخَیْرُکُمْ اَبًا وَ فِیْ لَفَظٍ فَاَنَا خَیْرُکُمْ نَسَبًا وَّ خَیْرُکُمْ اَبًا (دلائل النبوۃ ص ۴۷)

میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم، یوں ہی اکیس پشت تک نسب نامۂ مبارک بیان کر کے فرمایا:

کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانۂ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا، آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

اس حدیث میں اوّل تو نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے

نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی، یہ خود دلیل کافی ہے اور امر جاہلیّت کو خصوص زنا پر حمل کرنا ایک تو تخصیص بلا مخصص، دوسرے لغو کہ نفی زنا صراحتاً اس کے متصل مذکور۔ ثانیاً ارشاد ہوتا ہے، کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔ ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی قطعاً داخل تو لازم کہ والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن۔

عاشراً۔ اقول۔ قال اللہ عزوجل،

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَه‘ (پ ۸ الانعام آیت ۱۲۴)

خدا خواب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

آیۃ کریمہ شاہد کہ ربّ العزّۃ عزّ وعلا سب سے زیادہ معزز ومحترم موضع وضع رسالت کے لئے انتخاب فرماتا ہے۔ ولہٰذا کبھی کم قوموں، رذیلوں میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر وشرک سے زیادہ رذیل کیا شے ہوگی، وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ عزّ وجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے۔ کفار محل غضب و لعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محل رضا ورحمت درکار۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا، گریہ وزاری فرما رہی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی۔ یا امّ المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ ربّ العزت جلّ وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفیٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جوڑا بنایا؟

امّ المومنین نے فرمایا:

فَرَّجْتَ عَنِّیْ فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْکَ (کنز العمال ج ۱۱ حدیث ۳۱۹۳۹)

تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کرے۔

خود حدیث میں ہے، حضور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اَبٰی لِیْ اَنْ اَتَزَوَّجَ اَوْ اُزَوِّجَ اِلَّا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

(الجامع الصغیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ۲ ص ۱۹۹، بیروت)

بیشک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے!

رواہ ابن عساکر عن ہند بن ابی ہالۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند نہ فرمایا، خود حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پاک معاذ اللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسمِ پاک عیاذاً باللہ خون کفار سے بنانے کو پسند فرمایا، کیونکر متوقع ہو؟

یہ بحمد اللہ تعالیٰ، دس دلیل جلیل ہیں، پہلی چار ارشاد آئمہ کبار، اور چھ اخیر فیض قدیر سے۔ حصہ فقیر تلک عشرۃ کاملہ، والحمد للہ فی الاولیٰ والاخرۃ تنبیہات باھرہ حدیث ان ابی و اباک میں باپ سے ابو طالب مراد لینا طریق واضح ہے۔ قال تعالیٰ!

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ.(پ ۱ البقرہ آیت ۱۳۳)

علماء نے اسی پر لابیہ آزر کو حمل فرمایا، اہلِ تواریخ و اہلِ کتابیں کا

اجماع ہے، کہ ازر باپ نہ تھا۔ سیّدنا خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا۔ استغفار سے نہی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں۔ صدر الاسلام میں سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدیون (مقروض) کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لئے استغفار ہی ہے۔ اقولُ، حدیث میں ہے:

جب حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخلِ جناں فرماتے جائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں۔ شفیع مشفع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے، حکم ہوگا!

یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَکَ وَ قُلْ تُسْمَعْ وَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. (بخاری ج۲ ص ۱۱۱۸، دہلی)

اے حبیب! اپنا سر اُٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

سیّد الشافعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرض کریں گے۔

یَا رَبِّ ائْذَنْ لِیْ فِیْمَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ.

اے میرے رب مجھے ان کی بھی پروانگی دے دے جنہوں نے صرف لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ کہا ہے۔ رب العزت عزجلالہٗ ارشاد فرمائے گا۔

لَیْسَ ذاکَ اِلَیْکَ لٰکِنْ وَ عِزَّتِیْ وَ جَلالِیْ وَ کِبْرِیَائِیْ وَ عَظْمَتِیْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ

(صحیح مسلم، باب اثبات الشفاعۃ، ج۱ ص ۱۱۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ تمہارے لئے نہیں مگر مجھے اپنی عزت و جلال و کبریائی کی قسم میں

ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہے۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى الشفيع الرفيع و اٰلِهٖ وَبَارِك وسلم، رواہ الشیخان عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

حضرات ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت تک وہ صرف اہل توحید و اہل لا الہ الا اللہ تھے تو مِنھی از قبیل، لیس ذلک لک ہے۔ بعدہ رب العزۃ جل جلالہ، نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے میں ان پر اتمامِ نعمت کے لئے اصحاب کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لا کر، شرف صحابیت پا کر آرام فرمایا، لہٰذا حکمت الٰہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوادع میں واقع ہوا جبکہ قرآن عظیم پورا اتر لیا اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (پ۶ المائدہ آیت ۳) نے نزول فرما دین الٰہی کو تام و کامل کر دیا تا کہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔

حدیثِ احیا کی غایت ضُعف ہے۔ کما حققہ خاتم الحفاظ الجلال السیوطی ولاعطر بعد العروس۔ اور حدیث ضعیف دربارۂ فضائل مقبول، کما حققناہ بما لا مزید علیه فی رسالتنا الهاد الکاف فی حکم الضعاف، بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا، متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی۔ افضل القرٰے لقراء ام القریٰ میں فرماتے ہیں۔

اِنَّ اٰبَآءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَ الْاَنْبِيَاءِ وَ

اُمَّهَاتِهٖ اِلٰى اٰدَمَ وَ حَوَّاءَ لَيْسَ فِيهِمْ كَافِرٌ لِاَنَّ الْكَافِرَ لَا يُقَالُ فِيْ حَقِّهٖ اَنَّهٗ مُخْتَارٌ وَلَا كَرِيْمٌ وَّلَا طَاهِرٌ بَلْ نَجِسٌ وَ قَدْ صَرَّحَتِ الْاَحَادِيْثُ بِاَنَّهُمْ مُخْتَارُوْنَ وَ اَنَّ الْآبَاءَ كِرَامٌ وَالْاُمَّهَاتُ طَاهِرَاتٌ وَاَيْضاً قَالَ تَعَالٰى وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ، عَلٰى اَحَدِ التَّفَاسِيْرِ فِيْهِ اَنَّ الْمُرَادَ تَنَقُّلُ نُوْرِهٖ مِنْ سَاجِدٍ اِلٰى سَاجِدٍ وَ حِيْنَئِذٍ فَهٰذَا صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّ اَبَوَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰمِنَةَ وَعَبْدَ اللّٰهِ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ لِاَنَّهُمَا اَقْرَبُ الْمُخْتَارِيْنَ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ بَلْ فِيْ حَدِيْثٍ صَحَّحَهٗ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَ لَمْ يَلْتَفِتُوْا لِمَنْ طَعَنَ فِيْهِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَحْيَاهُمَا فَاٰمَنَا بِهٖ الخ مختصرا و فيه طول.

یعنی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب کریم میں جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر آباء و امہات آدم و حوا علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جا سکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و امہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی کہ وہ سب پسندیدۂ بارگاہ الٰہی ہیں، آباء سب کرام، مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیۂ کریمہ وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ و حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنہیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے چنا تھا سب سے

قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا، تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا، یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے۔ هكذا قال والله تعالیٰ اعلم۔

اقول: وَ بِمَا قَرءَ تَ اَمرَ الْاِحْيَاءِ انْدَفَعَ مَا زَعِمَ الْحَافِظُ دِجْيَةَ مِن مُخَالَفَةِ لآيَاتِ عَدَمِ انتفاعِ الْكَافِرِ بَعْدَ مَوْتِه كَيْفَ وَ اَنَا لا تَقُوْلُ اِنَّ الاحْيَاءِ لِا حْدَاثِ ايْمَانِ بَعْدَ كُفْرِهِ بَلْ لَا عَطَاءِ الْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَ تَفَاصِيْلِ دِيْنِهِ الاكْرَامَ بَعْدَ الْمُضيِّ عَلٰى مَحْضِ التَّوحِيْدِ وَ حِيْنَئِذٍ لَّا حَاجَةَ بِنَا اِلٰى ادِّعَاءِ التَّخْصِيْصِ فِيْ آلايَات كَمَا فَعَلَ الْعُلَمَآءُ الْمُجِيْبُوْنَ

اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے ؎

وَمِنْ مَّذْهِبِىْ حُبُّ الدِّيَارِ لِاَهْلِهَا [1]
وَ لِلنَّاسِ فِيْمَا يَعْشِقُوْنَ مَذَاهِب

جسے یہ پسند ہو فیہا ونعمت ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان روکے، دل صاف رکھے۔ ان ذاكم كان يوذی النبی، سے ڈرے۔ امام ابن حجر مکی شرح میں فرماتے ہیں۔

مَا اَحْسَنَ قَوْلُ الْمُتَوَقِّفِيْنَ فِيْ هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ الْحَذَرَ الْحَذَرَ مِنْ ذِكْرِهِمَا بِنَقْصٍ فَاِنَّ ذٰلِكَ قَدْيُؤْذِيْهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخَيْرٍ

[1] میرا مذہب تو شہر والوں کی وجہ سے شہر سے محبت کرنا ہے، اور لوگوں کے لئے ان کی پسندیدہ چیزوں میں مختلف طریقے ہیں۔

الطبرانی لا تؤذوا الاحیاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ

یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلے میں توقف تھا کہ دیکھ بچ! والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو۔

یعنی حضور تو زندۂ ابدی ہیں، ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں،

اور اللہ عزّ وجل نے فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے۔ ع

ہشدار کہ رہ مردمِ تیغ است قدم را

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجماعی نہیں، پھر ادھر کون سا قاطع کون سا اجماع ہے، آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے، جس طرح حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْاِمَامَ لِاَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یُّخْطِئَ فِی الْعُقُوْبَةِ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی درالحدود ج ۱ص ۱۷۱، مجتبائی)

جہاں تک بن پڑے حدود کو ٹالو کہ بیشک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

رواہ ابن ابی شیبۃ والترمذی والحاکم وصححہ والبیہقی عن ام المومنین رضی

اللہ تعالیٰ عنہا،

حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں، کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو۔(احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۲۵ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ) مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف معاذ اللہ چنیں و چناں سے ہونا کیونکر بے تواتر وقطع نسبت کر دیا جائے۔ یقین برہانی کا انتفا حکم و جدانی کا نافی نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنی ادنیٰ غلاموں کے سگان بارگاہ جناتِ نعیم میں سرر مرفوعۃ پر تکئے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدّق میں جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب و عذاب کی مصیبتیں بھریں، ہاں یہ سچ ہے کہ ہم غنی حمید عزو جلالہٗ پر حکم نہیں کر سکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی، ادھر کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاش للہ! ایک حدیث بھی صحیح، صریح نہیں ، جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیے، تو اقل درجہ وہی سکوت و حفظ ادب رہا آئندہ اختیارات بدست مختار

نکتۂ الٰہیہ:

اقول ظاہر عنوانِ باطن ہے اور اسم آئینہ مسمے الاسماء تنزل من السماء سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِذَا بَعَثْتُمْ اِلَیَّ رَجُلاً فَابْعَثُوْہُ حَسَنَ الوَجْہِ حَسَنَ الاسْمِ

(الجامع الصغیر، امام جلال الدین سیوطی، ج ا ص ۳۱۱، بیروت)

جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجو تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو
رواہ البزار فی مسندہٗ والطبرانی فی الاوسط عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن علی الاصح۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِعْتَبِرُوْ الْاَرْضِ بِاَسْمائِهَا (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۵۲)

زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔
رواہ ابن عدی عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہو حسن لشواہدہ
عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّى اللّٰه تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يَتَفَاءَ لَ وَلَا يَتَطَيَّرَ وَ كَانَ يُحِبّ الاسْمَ الْحَسَنَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیک فال لیتے، بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو دوست رکھتے۔
رواہ الامام احمد والطبرانی والبغوی فی شرح السنۃ۔
ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

اِنَّ النَّبِی صَلَّى اللّٰه تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلم كَانَ يُغَيِّرُ الاسْمِ الْقَبِيْح (جامع الترمذی، ما جاء فی تغیر الاسماء ج ۲ ص ۱۰۷، مجتبائی)

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے۔
رواہ الترمذی و فی آخری عنہا: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمُ اِذَا سَمِعَ بِالْاسِمِ الْقَبِيْحِ حَوَّلَه اِلٰى مَا هُوَا اَحْسَنُ مِنْهُ: (الجامع الصغیر ج ۵ ص ۱۴۴، بیروت) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جب کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح و ہو عند ابن سعد عن عروۃ مرسلاً

بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ النَّبِی صَلَّی اللّٰہ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کَانَ لَا یَتَطَیَّرُ مِنْ شَیءٍ فَاِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَالَ عَنْ اِسْمِہٖ فَاِذَا اَعْجَبَہٗ اِسْمُہٗ فَرِحَ بِہٖ وَرُؤِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْھِہٖ وَ اِنْ کَرِہَ اِسْمَہٗ رُؤِیَ کَرَاھَتُہٗ ذٰلِکَ فِیْ وَجْھِہٖ وَ اِذَا دَخَلَ قَرْیَۃً سَالَ عَنْ اِسْمِھَا فَاِذَا اَعْجَبَہٗ اِسْمُھَا فَرِحَ بِھَا وَرُؤِیَ بِشْرُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْھِہٖ وَ اِنْ کَرِہَ اِسْمَھَا رُؤِیَ کَرَاھِیَۃُ ذٰلِکَ فِیْ وَجْھِہٖ (سنن ابو داؤد، کتاب الکہانۃ والتطیر، ج ۲ ص ۱۹۱، مجتبائی)

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے، جب کسی عہدے پر کسی کو مقرر فرماتے اس کا نام پوچھتے، اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرۂ انور میں نظر آتی اور اگر ناپسند آتا، ناگواری کا اثر چہرۂ اقدس پر ظاہر ہوتا، اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے، اگر خوش آتا مسرور ہو جاتے اور اس کا سرور روئے پرنور میں دکھائی دیتا اور اگر ناخوش آتا ناخوشی کا اثر روئے اطہر میں نظر آتا۔ (رواہ ابو داؤد)

اب ذرا چشم حق بیں سے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مراعاتِ الٰہیہ کے الطاف خفیہ دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدِ ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام پاک عبد اللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَحَبُّ اَسمآئِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عبدُاللّٰہ وَ عبدُ الرَّحْمٰنِ.

(جامع ترمذی، ما جاء مایستحب من الاسماء ج ۲ ص ۱۰۶، مجتبائی)

تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالیٰ کو عبداللہ و

عبدالرحمٰن ہیں۔ رواہ مسلم و ابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اسم مبارک آمنہ کہ امن و امان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب شیبۃ الحمد کہ اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب واطہر مشتق محمد و احمد و حامد و محمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدّۂ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ، اس پاک نام کی خوبی اظہر من الشمس ہے، حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا سُمِّیَتْ فَاطِمَۃُ لِاَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی فَطَمَھَا وَ مُحِبِّیْھَا مِنَ النَّارِ (شرح فقہ اکبر لملّا علی قاری ص۱۳۳ مطبع قیومی کانپور)

اللہ تعالیٰ عزّ وجل نے اس کا نام فاطمہ اس لئے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو نار دوزخ سے آزاد فرمایا۔

رواہ الخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حضور کے جد مادری یعنی نانا، وھب، جس کے معنی عطا و بخشش، ان کا قبیلہ بنی زہرا، جس کا حاصل چمک و تابش، جدّۂ مادری، یعنی نانی صاحبہ برّہ یعنی نیکوکار، کما ذکر ابن ھشام فی سیرتہ

بھلا یہ تو خاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے، پہلی مرضعہ ثوبیہ کہ ثواب سے ہم اشتقاق اور اس فضل الٰہی سے پوری بہرہ ور، حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشج

عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ۔ تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اور رسول کو پیاری، درنگ اور بردباری، ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت و نیک طالعی ہے، شرف اسلام و صحابیت سے مشرف ہوئیں۔ کما بینہ امام مغلطائی فی جزء حافل سماہ التحفۃ الجسیمۃ فی اثبات اسلام حلیمہ، جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا، کما فی الاستیعاب عن عطار بن یسار۔ ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوش فرمایا۔ حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام وصحبت سے مشرف ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے۔ راہ میں قریش نے کہا، اے حارث تم اپنے بیٹے کی سنو، وہ کہتے ہیں مردے جئیں گے اور اللہ نے دو گھر جنت و نار بنا رکھے ہیں۔ انھوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شاکی ہے۔ فرمایا، ہاں میں ایسا فرماتا ہوں اور اے میرے باپ جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت۔ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کر کے کہا کرتے، اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے تو انشاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرما لیں۔ رواہ یونس بن بکیر۔

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَصْدَقُھَا حَارِثٌ وَ ھَمَّامٌ: سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث و ہمام۔ رواہ البخاری فی الادب المفرد و ابوداؤد و النسائی عن ابن الھیثمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے، جن کے لئے حضور سیّد العادلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پستانِ چپ چھوڑ دیتے تھے، عبداللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام وصحبت ہوئے۔ کما عندابن سعد فی مرسل صحیح الاسناد۔ حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعارعرض کرتیں، سُلاتیں اس لئے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں، سیما سعدیہ، یعنی نشان والی، علامت والی جو دور سے چمکے۔ یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ حضرت حلیمہ حضور پُر نُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں، تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھاتی صورت دیکھی، جوشِ محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اُتر آیا۔ تینوں پاکیزہ بی بیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنی زن شریفہ کریمہ، سراپا عطر آلود۔ تینوں قبیلۂ بنی سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے۔ ذکرہٗ ابن عبدالبر فی الاستیعاب، بعض علماء نے حدیث انا ابن العواتک من سلیم کو اسی معنی پر محمول کیا۔ نقلہ السہیلی

اقول۔ الحق کسی نبی نے کوئی آیت وکرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم نبی الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کے مثل اور اس سے اکمل عطا نہ ہوئی، یہ اُس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا، حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیا۔ ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وصلی اللہ تعالیٰ علیک وعلیہم وبارک وسلم۔

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: لَمْ تُرْضِعْهُ مُرْضِعَةٌ اِلَّا اَسْلَمَتْ۔

سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔ ذکرہ فی کتابہ سراج المریدین۔ بھلا یہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں جزئیت ہے۔ مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک برکت اور امّ ایمن کنیت کہ یہ بھی یمن و برکت، راستی وقوت یہ اجلہ صحابیات سے ہوئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن، سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں فرماتے: اَنْتَ اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ۔ تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔ راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی۔ آسمان سے نورانی رسّی میں ایک ڈول اُترا، پی کر سیراب ہوئیں پھر کبھی پیاس نہ لگی۔ سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ رواہ ابن سعد عن عثمان بن القاسم۔

پیدا ہوتے وقت جنھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا، ان کا نام پاک تو دیکھئے شفاء۔ رواہ ابونعیم عنہا، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ وصحابیہ جلیلہ ہیں اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں، فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ یہ بھی صحابیہ ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق، ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا۔ کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چنے، پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے برے کام والوں میں رکھے گا اور براکام بھی کونسا معاذ اللہ شرک وکفر حاشا ثم حاشا، اللہ اللہ دائیاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے، جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے

آئے وہ معاذ اللہ چنیں و چناں حاش للہ کیونکر گوارا ہو۔ ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

ع ما بندۂ عشقیم و دگر ہیچ ندانیم

فائدہ ظاہر:

دربارۂ ابوینِ کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہی طریقۂ انیقہ اعنی نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہ تعالیٰ اختیار کیا، تنوع مسالک پر مختار راجلۂ آئمہ کبار و اعاظم علمائے نامدار ہے، از انجملہ

(۱) امام ابوحفص عمر بن احمد، بن شاہین جن کی علوم دینیہ میں تین سوتیں تصانیف ہیں از انجملہ تفسیر ایک ہزار جز میں، اور مسند حدیث ایک ہزار تین جز میں (۲) شیخ المحدثین احمد خطیب علی البغدادی (۳) حافظ الشان محدث ماہر امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر۔(۴) امام اجل ابو القاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی صاحب الروض (۵) حافظ الحدیث امام محبّ الدین طبری کہ علماء فرماتے ہیں، بعد امام نووی کے ان کا مثل علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔ (٦) امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۷) امام حافظ الحدیث ابوالفتح محمد بن محمد ابن سید الناس صاحب عیون الاثر (۸) علامہ صلاح الدین صفدی (۹) حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی (۱۰) شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی (۱۱) امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی (۱۲) امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحاوی الکبیر (۱۳) امام ابوعبداللہ محمد بن خلف شارح صحیح مسلم (۱۴) امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی

صاحب تذکرہ (۱۵) امام المتکلمین، فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی (۱۶) امام علّامہ شرف الدین مناوی (۱۷) خاتم الحفاظ مجدد القرآن امام العاشر امام جلال الملّۃ والدّین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر (۱۸) امام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر ہیتمی مکی صاحب افضل القریٰ وغیرہ (۱۹) شیخ نور الدّین علی بن الجزار مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین۔ (۲۰) علّامہ ابو عبداللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفا شریف (۲۱) علّامہ محقق سنوسی (۲۲) امام اجل عارف باللہ سیّد عبدالوہاب شعرانی صاحب الیواقت الجواہر (۲۳) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فارسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات (۲۴) خاتمہ المحققین علّامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی، شارح المواہب (۲۵) امام اجل، فقیہہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب (۲۶) زین الفقہ علّامہ محقق زین الدّین ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر (۲۷) سیّد شریف علّامہ حموی صاحب غمز العیون والبصائر (۲۸) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس فی انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (۲۹) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الرّیاض (۳۰) علّامہ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار (۳۱) شیخ شیوخ علماء الہند، مولانا عبدالحق محدث دہلوی (۳۲) علّامہ...... صاحب کنز الفوائد (۳۳) مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فواتح الرحموت (۳۴) علامہ سیّد احمد مصری طحطاوی محشی درمختار (۳۵) علامہ سیّد ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب رد المختار

وغیرہم من العلماء الکبار والمحققین الاخیار علیہم رحمۃ الملک العزیز الغفار، ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور نہ مجرّد نقل اقوال کے لئے لکھیں، نہ مباحث طے کردہ علمائے عظام خصوصاً امام جلیل جلال سیوطی کے ایراد، بلکہ مقصود اس مسئلہ جلیلہ پر چند دلائل جمیلہ کا سنانا اور بہ تصدق کفش برداری علماء جو فیوض تازہ قلب فقیر پر فائض ہوئے، انتفاع برادران دینی کے لئے ان کا ضبط تحریر میں لانا کہ شاید مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کہ تمام جہاں سے اکرم و ارحم و ابرّ واوفی ہیں، محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں اور نہ کسی صلے میں بلکہ اپنے خالص فضل کے صدقے میں اس عاجز بے چارہ، بے کس، بے یار کا ایمان حفظ فرما کر دارین میں عذاب و عقاب سے بچائیں۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات خاص اس مسئلہ جزئیہ میں موجود ورنہ بنظر کلیت نگاہ کیجئے تو امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی وامام اجل امام الحرمین و امام ابن السمعانی و امام کیا ہراسی و امام اجل قاضی ابوبکر باقلانی حتی کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آباء و امّہات اقدس کا ناجی ہونا کالشمس و الامس روشن و ثابت ہے، بلکہ بالا جماع تمام آئمہ اشاعرہ اور آئمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا تک سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے۔

کما لا یخفٰی علٰی من لہ اجالۃ نظر فی علمی الاصولین

امام سیوطی سبل النجاۃ میں فرماتے ہیں: مال الیٰ ان اللہ تعالیٰ احیا ھما حتی آمنا بہ طائفۃ من الائمۃ و حفاظ الحدیث

کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب الدرج المنیفہ فی الاباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں۔

ذَهَبَ جَمْعٌ كَثِيْرٌ مِّنَ الائمةِ الاعْلَامِ الٰى اَنَّ اَبَوَى النَّبِىَ صَلَّى اللّٰه تعالٰى عليه وَسلّم نَاجِيَانِ مَحْكُوْمٌ لَّهُمَا بِالنَّجَاةِ فِي الآخِرة وهُمْ اَعْلَمُ النَّاسِ بِاَقْوالِ مَنْ خَالَفَهُمْ قَالَ بِغَيْرِ ذٰلِكَ وَلَا يَقْصُرُوْنَ عنهم فِي الدّرجة وَ مَنْ اَحْفَظُ النَّاسِ للاحَادِيثِ وَالاثَارِ مَنْ انْقَدَ النَّاسِ بَالاوولة الَّتِي اسْتَدَلَّ بِهَا اُولٰئِكَ فَاِنَّهُمْ جَامِعُوْنَ لَا نْوَاعِ الْعُلُوْمِ مُتَضَلِّعُوْنَ مِنَ الفُنُوْنَ خُصُوْصاً الَارْبَعَةُ الَّتِيْ اسْتَمَدُّ مِنه' فِي هٰذِهِ الْمَسْأَلَةِ فَلاَ نظُنُّ بِهِمْ اَنَّهُمْ لَمْ يَقِفُوْا عَلَى الْاَحَادِيْثُ الَّتِيْ اسْتَدَلَّ بِهَا اُوْلٰئِكَ مَعَاذُ اللّٰهِ بَلْ وَقَفُوْا عَلَيْهَا وَ خَاضُوْا غَمْرَتَهَا وَ اَجَابُوْا عَنْهَا بِالَاجْوِبَةِ الَّتِي لَا يَرُدُّهَا مُنْصِفٌ و اَقَامُوْا لِمَا ذَهَبُوْا اِلَيْهِ اَدِلَّةً قَاطِعَةِ كَالْجِبَال الرَّوَاسِيْ۔ اھ

(الدرج المنیفہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی ص ۳،۲ حیدر آباد دکن)

مختصراً خلاصہ یہ کہ جمع کثیر اکابر آئمہ واجلۂ حفاظ حدیث، جامعان انواعِ علوم و ناقدانِ روایات ومفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں۔ ان اعاظم آئمہ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلے میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے، معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دیئے جنھیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کیں جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہ ہل سکیں سکتے۔

بلکہ علّامہ زرقانی شرحِ مواہب میں آئمہ قائلین نجات کے اقوال و کلمات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

هٰذَا مَا وَقَفْنَا عَلَيْهِ مِنْ نُّصُوْصِ عُلَمَائِنَا وَلَمْ نَرَ لِغَيْرِهِمْ مَا يُخَالِفُه اِلَّا مَا يُشَمُّ مِنْ نَّفَسِ ابْنِ دَحْيَةِ وَ قَدْ تَكَفَّلَ بِرَدِّهِ الْقُرْطَبِیُّ.

(امام محمد بن عبدالباقی زرقانی، شرح مواہب، بحث نجاۃ ابویہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۲۱۷، مطبعہ عامرہ مصر)

یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں اس کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک بوئے خلاف کے جو ابن دِحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بروجہ کافی اس کا رد کر دیا۔

تاہم بات وہی ہے جو امام جلیل سیوطی نے فرمائی: ثُمَّ اِنِّیْ لَمْ اَدَّعِ اَنَّ الْمَسْأَلَةَ اجْمَاعِيَّةٌ بَلْ هِيَ مَسْأَلَةُ ذَاتُ خِلَافٍ فَحُكْمُهَا كَحُكْمِ سَآئِرِ الْمَسَائِلِ الْمُخْتَلَفِ فِيْهَا غَيْرَ اِنِّیْ اَخْتَرْتُ لَهٗ اَقْوالَ الْقَائِلِيْنَ بِالنَّجَاةِ لِاَنَّه اَنْسَبُ بِهٰذَا الْمَقَامِ اه و قال فی الدرج بعد ما درج و فی الدرج الفریقان آئمۃ اکابر اجلا. اقوال: تحقیق یہ طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے ابتدأ ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر ہوا کہ ان جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم چارۂ کار قبول و تسلیم بالاقل سکوت و تعظیم اللہ الہادی الی صراط المستقیم۔

عائدہ زاھرہ امام ابو نعیم دلائل النبوۃ میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ اسماء بنت ابی رحم، وہ اپنی والدہ سے روای ہیں، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کم سن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نظر کی پھر کہا:

بَارَکَ فِیْکَ اللّٰہِ مِنْ غُلَامٍ ‏ یَا ابْنَ الَّذِیْ مِنْ حَوْمَۃِ الْحِمَامِ

نَجَا بِعَوْنَ الْمَلِکِ الْمِنْعَامِ ‏ فُوْدِیَ غَدَاۃَ الضَّرْبِ بِالسِّھَامِ

بِمِائَۃٍ مِّنَ الابْلِ السُّوَامِ ‏ وَ اِنْ صَحَّ مَا ابصرتُ فِی الْمَنَامِ

فَاَنْتَ مَبْعُوثٌ اِلَی الْاَنَامِ ‏ تُبْعَثُ فِیْ الْحِلِّ وَ فِی الْحَرَامِ

تُبْعَثُ فِی التَّحْقِیْقِ وَالاسْلَامِ ‏ دِیْنُ اَبِیْکَ الْبَرِّ ابْرٰھَام

فَاللّٰہُ اَنْھَاکَ عَنِ الْاَصْنَامِ ‏ اَنْ لَا تُوَالِیْھَا مَعَ الْاَقْوَامِ

(امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی، مواہب لدینہ مع شرح الزرقانی، باب وفاۃ امہ صلی اللہ علیہ وسلم ج ا ص ۱۹۱ مطبوعہ عامرہ مصر))

اے ستھرے لڑکے اللہ تجھ میں برکت رکھے، اے بیٹے ان کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی، بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا، سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کئے گئے اگر وہ ٹھک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نیکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراق دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ تعالیٰ توحید ورد شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں، پھر اس نے بالاتر حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیان بعثتِ عامہ کے ساتھ و للہ الحمد۔

اقول: وَ کَلِمَتُه اَن اِنْ کَانت لِلشَّک هُوَ غَايَةُ الْمُنْتَهٰی اِذَا ذَاکَ لَا تَکْلِيف فَوقَهَ والا فَقد عُلِمَ مَجِيئُهَا اَيْضاً لِلتحقِيقِ لِيَکُوْنَ کَالدَّلِيْل عَلٰی ثُبُوتِ الجزاء وَ تَحققه کَقَوْلِه صَلَی اللّٰه تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمْ لاُمّ اُلمُؤمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰه تَعَالٰی عَنْهَا رَئِيْتُکِ فِیْ الْمَنَامِ ثَلٰث لَيَالٍ يَجِیْئُ بِکِ الْمَلَکَ فِی خَرْقَةٍ مِّنْ حَرِيْرٍ فَقَالُ لِی هٰذِهِ اَمرأتُکَ فَکَشَفَ عَنْ وَّجهکَ الثَّوْب فَاِذَا اَنْتَ هِیُ فَقُلْتُ اِنْ يَکُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْبضِه ۔ رواہ الشیخان رضی اللہ تعالیٰ عنہا، اس کے بعد فرمایا:

کُلُّ حِیِّ مَيتٌ وَ کُلُّ جَدِيْدِ بَالٍ وَ کُلُّ کَبِير يفنیٰ وَ اَنَا مَيْتَةٌ وَ ذِکرِیُ وَبَاقٍ وَ قَدْ تَرَّکْتَ خَيراً وَوَلَدَتُّ طُهْرًا

(مواہب الدنیہ مع شرح الزرقانی، المقصد الاوّل ج ا ص ۱۹۳ مطبعہ عامرہ مصر)

ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا،

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ کہا اور انتقال فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہا ؛ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابنہا الکریم و ذویہ و بارک وسلم۔

اور ان کی یہ فراست ایمانی اور پیشین گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب وعجم کی ہزاروں

شاہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا مگر اس پاک طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق ومغارب ارض میں محافل ومجالس انس وقدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے، وللہ الحمد۔

عبرت قاہرہ:

سید شریف مصری حواشی دُرّ میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو؟ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا۔ صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ راہ میں ایک ترا (سرسوں جیسا ایک بیج جس کا تیل نکلتا ہے) فروش ملے کہ اپنی دوکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں، انھوں نے اُٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور یہ اشعار پڑھے۔

اٰمَنْتُ اَنَّ اَبَا النَّبِیِّ وَ اُمَّهٗ
اَحْيَاهُمَا الْحَیُّ الْقَدِیْرُ الْبَارِی
حَتّٰی لَقَدْ شَهِدَا لَهٗ بِرِسَالَةٍ
صَدْقٍ فَذَاکَ کَرَامَةُ الْمُخْتَارِ
وَ بِهِ الْحَدِیْثُ وَ مَنْ یَّقُوْلُ بِضُعْفِهٖ
فَهُوَ الضَّعِیْفُ عَنِ الْحَقِیْقَةِ عَارٍ

یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہٗ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی۔

اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی، جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔

یہ اشعار سنا کہ ان عالم سے فرمایا، اے شیخ انہیں لے اور نہ رات کو جاگ، نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلا دے، ہاں جہاں جا رہا ہے وہاں نہ جانا کہ لقمۂ حرام کھانے میں نہ آئے۔

اُن کے اس فرمانے سے وہ عالم بے خود ہو کر رہ گئے، پھر انہیں تلاش کیا پتا نہ پایا اور دکان داروں سے پوچھا کسی نے نہ پہچانا۔ سب بازار والے بولے، یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں۔ وہ عالم اس ربانی ہادیٔ غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے، لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔ انتہی ۔

اے شخص یہ عالم بہ برکت علم نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر انہیں ہدایت فرما دی۔ خوف کر کہ تو اس ورطہ میں پڑ کر معاذ اللہ کہیں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باعثِ ایذا نہ ہو جس کا نتیجہ معاذ اللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی محبت، سچا ادب روزی فرمائے اور اسباب مفت[1] و حجاب و بیزاری وعتاب سے بچائے۔ آمین آمین آمین، یا ارحم الراحمین، ارحم فاقتنا یا ارحم الرّاحمین ارحم ضُعفَنَا تبرانا من حولنا البَاطل و قوتنا العاطلة والتجانا الیٰ حولک العظیم و طولک القدیم و شهدنا بان لا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم و آخر دعونا ان الحمد لله

[1] ناراضگی ۱۲

رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی سیّدنا و مولانا محمد و الہ و صحبہ و ذُرِّیَّتِہٖ اجمعین. امین۔ الحمد للہ یہ موجز رسالہ اواخر شوال المکرّم ۱۳۱۵ھ ہجری کے چند جلسوں میں تمام اور بہ لحاظ تاریخ

شمول الاسلام لاصول

الرّسول الکرام

نام ہوا واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

کتب ماخذ

	نام کتاب	نام مصنف
۱۔	قرآن کریم	
۲۔	بخاری	محمد بن اسماعیل البخاری
۳۔	دلائل النبوۃ	ابو نعیم اصبہانی
۴۔	مسلم شریف	مسلم بن حجاج قشیری
۵۔	ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذی
۶۔	ابو داؤد	ابو داؤد
۷۔	نسائی	نسائی
۸۔	طبرانی کبیر	طبرانی
۹۔	مسند بزار	
۱۰۔	طبرانی اوسط	
۱۱۔	ادب المفرد	بخاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنبآءُ المُصطفٰے بِحَالِ سِرٍّ وَّ اَخفٰی

حُضُور پُر نُور ﷺ کے عِلم شریف کا بیان

تصنیفِ لطیف

امام اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام **احمد رضا خاں** رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو ظاہر و باطن کے عُلُوم سے مزین فرما کر دنیا میں مبعوث فرمایا تھا، دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ جب بادشاہ کسی علاقے میں اپنا نائب بھیجتا ہے تو اس کو اُمورِ مملکت سمجھا کر بھیجتا ہے، اسی طرح اللہ نے جب روئے زمین پر اپنا پہلا خلیفہ بھیجا تو فرمایا:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (پ ا البقرہ آیت ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو تمام اسماء سکھا دیئے۔

آدم کی برتری ملائکہ پر اسی وجہ سے تھی۔

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ جو فضل و کمال بھی اللہ نے اپنے کسی نبی کو عطا فرمایا وہ کمال اکمل طریقے پر حضرت خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ کو بھی عطا فرمایا تھا، لٰہذا اللہ نے جتنے علوم و معارف اپنی مخلوق کو عطا کئے ان سب سے زائد حضرات محمد رسول اللہ وسلم کو عطا فرمائے، اللہ نے آپ کو غیب و شہادت دونوں کا علم عطا فرمایا، اس کی تفصیل اعلیٰ حضرت کے رسالے ''انباء المصطفی'' میں ملاحظہ ہو۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمْ

مسئلہ

مسئلہ۔ از دہلی چاندنی چوک، موتی بازار، مرسلہ بعض علمائے اہلسنت، ۲۱ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۸ھ

حضرات کرام اہل سنت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید[1] دعویٰ کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہوا اور ہوگا، حتّٰی کہ بدء الخلق (مخلوق کی ابتداء) سے لے کر دوزخ و جنت میں داخل ہونے تک کا تمام حال اور اپنی امت کا خیر و شر بالتفصیل جانتے ہیں، اور جمیع اوّلین و آخرین کو اس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں، جس طرح اپنے کف دست مبارک کو اور اس دعوے کے ثبوت میں آیات و احادیث واقوالِ علماء پیش کرتا ہے۔

بکر، اس عقیدے کو کفر وشرک کہتا ہے اور بکمال درشتی دعویٰ کرتا ہے، کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہیں جانتے، حتّٰی کہ آپ کو اپنے خاتمے کا حال بھی معلوم نہ تھا اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں کتاب تقویۃ الایمان کی عبارتیں پیش کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت یہ عقیدہ کہ آپ کو علم ذاتی تھا خواہ یہ کہ خدا نے عطا فرمایا تھا، دونوں طرح شرک ہے۔

اب علمائے ربانی کی جناب میں التماس ہے کہ ان دونوں میں سے کون برسرِ حق موافق عقیدہ سلفِ صالح ہے اور کون بد مذہب جہنمی ہے نیز

---

[1] زید سے مراد جناب مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی مرحوم ہیں۔

عمرو کا دعویٰ ہے کہ شیطان کا علم معاذ اللہ! حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ اس کا گنگوہی مرشد اپنی کتاب ''براہین قاطع'' کے صفحہ ۴۷ پر یوں لکھتا ہے، کہ ''شیطان کو'' وسعتِ علم نص سے ثابت ہوئی، فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے۔

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى مَا عَلَّمْتَهُ الْغَيْبَ وَ نَزَّهْتَهٗ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَبَدًا رَبِّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ○

زید کا قول حق وصحیح اور بکر کا زعم مردود وقبیح ہے۔ بیشک حضرت عزّت عظمتہٗ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام اوّلین و آخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انھیں دکھایا۔ ملکوت السمٰوات والارض کا شاہد بنایا۔ روز اوّل سے روز آخر تک سب مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنَ انھیں بتایا۔ اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم ان سب کے کو محیط ہوا۔ نہ صرف اجمالاً بلکہ ہر صغیر وکبیر، ہر رطب و یابس جو پتہ گرتا ہے، زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے، سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا للّٰہ حمد کثیراً۔ بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہرگز ہرگز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین وکرم، بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے، ہنوز احاطۂ علم محمدی

میں وہ ہزار در ہزار، بے حد و بے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولیٰ جلّ و علا الحمد للہ العلی الاعلیٰ۔

کتب حدیث و تصانیف علمائے قدیم و حدیث میں اس کے دلائل کا بسط شافی اور بیان وافی ہے، اور اگر کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ قرآن عظیم خود شاہد عدل و حکم فصل ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (پ ۱۴ النحل آیت ۸۹)

اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت و رحمت و بشارت"

قَالَ اللّٰهُ تعالٰی مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (پ ۱۳ سورہ یوسف آیت نمبر ۱۱۱)

قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شے کا صاف جدا جدا بیان ہے۔

وَقالَ اللّٰهُ تعالٰی: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

(پ ۶ سورہ الانعام آیت نمبر ۳۸)

ہم نے کتاب میں کوئی شے اٹھا نہیں رکھی۔

اَقول و باللہ التوفیق۔ جب فرقان مجید ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا۔ روشن، اور روشن بھی کس درجہ کا، مفصل، اور اہل سنت کے مذہب

میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں۔ تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوحِ محفوظ بھی ہے، تا بالضرورت یہ بیانات محیط۔ اس کے مکتوبات بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھئے کہ لوحِ محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے۔

قَالَ اللّٰہ تعَالٰی : وَ كُلُّ صَغِيرٍ وَّ كَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ

(پ ۲۷ سورہ القمر ایت ۵۳)

ہر چھوٹی بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔

وَقَالَ اللّٰہ تعَالٰی:

وَ كُلَّ شَيءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْ اِمامٍ مُّبِيْنٍ (پ ۲۲ سورہ یسین آیت نمبر ۱۲)

ہر شے ہم نے ایک روشن پیشوا میں جمع فرما دی ہے۔

وَقَالَ اللّٰہ تعَالٰی

وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ (پ ۷ سورہ الانعام آیت نمبر ۵۹)

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہے۔

اور اُصول میں مبرہن ہو چکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادۂ استغراق میں قطعی ہے اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی۔ بے دلیل شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اُٹھ جائے، نہ احادیث آحاد اگرچہ کیسے ہی اعلیٰ درجے کی ہوں...... عموم قرآن کی تخصیص کر

سکیں بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائیں گی، بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہو سکے، تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نص صریح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ و بارک وسلم کو اللہ تعالیٰ عزّ وجل نے تمام موجودات جملہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ جمیع مندرجاتِ لوحِ محفوظ کا علم دیا، اور شرق وغرب وسما وارض وعرش وفرش میں کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ السَّاطِعَۃُ اور جبکہ یہ علم قرآن عظیم کے تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (پ ۱۴ النحل ۸۹) ہونے نے دیا۔ اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے، نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو لَمْ نَقْصُصْ عَلَیْکَ (پ ۲۴ سورہ المؤمن آیت ۷۸) یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے لَا تَعْلَمُھُمْ (پ ۱۱ سورہ التوبۃ آیت ۱۰۱) ہرگز ان آیات کے منافی اور علم مصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ طائفہ تائفہ وہابیہ! جس قدر قصص و روایات و اخبار و حکایات علم عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹانے کو آیات قطعیہ قرآنیہ کے مقابل میں پیش کی جاتی ہیں ان سب کا جواب ذہن دوز وفتن سوز (فتنہ دُور کرنیوالا) انھیں دو فقروں میں ہوگیا ہے۔ دوحال سے خالی نہیں۔ یا توان قصص سے تاریخ معلوم ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں تو ان سے استدلال درست نہیں کہ جب تاریخ مجہول تو ان کا تمامی، نزول قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول، اور اگر ہاں تو دوحال سے خالی نہیں۔ یا وہ تاریخ تمامی نزول سے

پہلے کی ہوگی یا بعد کی۔ پہلی صورت میں استدلال کرنا درست نہیں، برتقدیر ثانی اگر مدّعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو، تو استناد محض خرط القتاد، مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انھیں اقسام کی ہیں۔ ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھا سکتے، اور اگر بالفرض غلط تسلیم ہی کرلیں تو ایک یہی جواب جامع و نافع و نافی وقامع سب کے لئے شافی و کافی۔ کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت اخبار آحاد سے استناد محض غلط ہے۔ اس مطلب پر تصریحات آئمہ اصول سے احتجاج کروں اس سے یہی بہتر ہے کہ خود مخالفین کے بزرگوں کی شہادت پیش کروں۔

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نصوص قطعیہ قرآنِ عظیم کے خلاف پر احادیث آحاد کا سنا جانا بالائے طاق، یہ بزرگوار صاف تصریح کرتے ہیں کہ یہاں خبر واحد سے استدلال ہی جائز نہیں، نہ اصلاً اس پر التفات ہو سکے۔ اسی براہین قاطعہ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ میں اسی مسئلہ علم غیب کی تقریر یوں لکھتے ہیں:

''عقائد مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہوجائیں، بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات، نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابلِ التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے۔'' نیز صفحہ ۸۱ پر لکھا:

''اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے، نہ ظنّیات صحاح کا۔''

صفحہ ۸۷ پر ہے:

''آحاد صحاح بھی معتبر نہیں، چنانچہ فن اصول میں مبرہن ہے۔'' (مولوی رشید احمد گنگوہی از براہین قاطعہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ

تمام مخالفین کو دعوتِ عام ہے فَاَجْمِعُوْ شُرَکَاءَ کُمْ (یونس ۷۱) چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدّلالۃ، یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو، کہ تمام نُزول قرآنِ عظیم کے بعد بھی اشیائے مذکورہ ما کان وما یکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ وآلہٖ وسلم پر مخفی رہا، جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (پ۱ سورہ بقرہ آیت ۲۴) (فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ. (پ۱۲ سورہ یوسف آیت ۵۲)

اگر ایسی نص نہ لاسکو، اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ کرسکو گے، تو خوب جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں:

"خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں۔ وَاللّٰہِ لَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ۔ الحدیث۔ اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔" (براہین قاطعہ ص ۵۱)

قطع نظر اس کے کہ حدیث اوّل خود احاد ہے، سلیم الحواس کو سند لانی تھی تو وہ مضمون خود آیت میں تھا، اور قطع نظر اس سے کہ اس آیت و حدیث کے کیا معنی ہیں، اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں، اور قطع نظر اس کے کہ خود قرآن عظیم و احادیثِ صحیحہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس

کا ناسخ موجود کہ جب آیتِ کریمہ۔

لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (پ۲۶ سورہ الفتح آیت۲)

تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ۔

نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کی:

هَنِيْأً لَکَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ لَکَ مَا ذَا يُفْعَلُ بِکَ فَمَا ذَا يُفْعَلُ بِنَا. (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲ ص ۶۰۰، سنن ترمذی کتاب التفسیر)

یا رسول اللہ ﷺ آپ کو مبارک ہو، خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرما دیا کہ حضور کے ساتھ کیا کرے گا، اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اُتری۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اِلٰى قَوْلِهٖ تَعَالٰى) فَوْزًا عَظِيْمًا

(پ۲۶ سورہ الفتح آیت۵)

تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے ان میں، اور مٹا دیئے ان سے ان کے گناہ، اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل وشہیر ابلیسوں کو کیوں سوجھائی دیتیں۔

رہا شیخ عبدالحق کا حوالہ، قطع نظر اس سے کہ روایت و حکایت میں فرق ہے، اس بے اصل حکایت سے استناد اور شیخ محقق قدس سرہ العزیز کی طرف اسناد کیسی جرأت و وقاہت ہے۔ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے مدارج شریف میں یوں فرمایا ہے۔

"ایں[1] جا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ
گفت آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ من بندہ ام۔ نمی
دانم آں چہ درپس ایں دیوار است۔ جوابش آنست کہ ایں
سخن اصلے نہ دارد۔ وروایت بداں صحیح نشدہ است۔"

ایسا ہی لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃ پر عمل کروگے تو خوب چین سے رہوگے۔ ع

اس آنکھ سے ڈریئے جو خدا سے نہ ڈری آنکھ

امام ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔ لَا اَصْلَ لَہ۔ (المواہب اللدنیہ، المقصد الثالث، الفصل الاوّل ج ۲ ص ۲۲۸، المکتب الاسلامی بیروت) یہ حکایت محض بے اصل ہے۔ امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں فرمایا۔ لَمْ یُعْرَفْ سَنَدٌ۔ اس کے لئے کوئی سند نہ پہچانی گئی۔

افسوس اسی منہ سے مقام اعتقادیات بتانا، احادیث صحاح بھی نامقبول ٹھہرانا، اسی منہ سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم عظیم گھٹانے کو ایسی بے اصل حکایت سے سند لانا اور ملمع کاری (حقیقت کو چھپانے) کے لئے شیخ محقق کا نام لکھ جانا جو صراحۃً فرمارہے ہیں کہ اس حکایت کی جڑ نہ بنیاد۔ آپ اس کے سوا کیا کہیئے کہ ایسوں کی داد نہ فریاد۔ اللہ اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب عظیمہ اور باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے (تنگ راستہ) میں داخل کرائیں، تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی مردود بنائیں اور حضور کی تنقیص شان میں یہ فراخی دکھائیں کہ بے اصل بے سند مقولے سب سما جائیں۔ ع

---

[1] اس موقعہ پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بندہ ہوں، مجھے معلوم ہوں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی کوئی اصل اور یہ روایت صحیح نہیں۔

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

بالجملہ بحمد اللہ تعالیٰ زید سنّی حفظہ اللہ تعالیٰ کا دعویٰ آیات قطعیہ قرآنیہ سے ایسے جلیل وجمیل طور سے ثابت جس میں اصلاً مجال دم زدن نہیں۔ اگر یہاں کوئی دلیل ظنّی تخصیص سے قائم بھی ہوتی تو عموم قطعی قرآن عظیم کے حضور مضمحل ہو جاتی، نہ کہ صحیح مسلم وصحیح بخاری وغیرہا سنن وصحاح ومسانید ومعاجیم، کی احادیث صریحہ، صحیحہ، کثیرہ، شہیرہ اس عموم واطلاق کی اورتاکید وتائید فرما رہی ہیں۔

صحیحین بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَاماً مَا تَرَکَ شَیْئاً یَّکُوْنَ فِیْ مَقَامِہٖ ذٰلِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَ بِہٖ حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَ نَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ (۱۔ صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ ج ۲ ص ۳۹۰۔ ۲۔ مشکوۃ کتاب الفتن پہلی فصل ص ۴۶۱۔ ۳۔ بخاری شریف کتاب القدر ج ۱ ص ۴۵۳)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہو کر جب سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرما دیا، کوئی چیز نہ چھوڑی۔ جسے یاد رہا، یاد رہا۔ جو بھول گیا، بھول گیا۔

یہی مضمون احمد نے مسند (ج ۵ ص ۳۸۵ اور ص ۳۸۹) بخاری نے تاریخ، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین، عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

قَامَ فِيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَاماً فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَ اَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ (ا۔صحیح بخاری کتاب بدء الخلق پارہ ۱۳ ج ا ص ۴۵۳ ۔۲۔ صحیح بخاری کتاب الفتن)

ایک بار سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا حال ہم سے بیان فرما دیا۔یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز فجر کے غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا، بیچ میں ظہر و عصر کی نمازوں کے علاوہ کچھ نہ کیا۔ فَاَخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُهٗ اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرما دیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا۔ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔(ا۔صحیح مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعۃ ج ۲ ص ۳۹۵۔۲۔مشکوٰۃ باب فی المعجزات تیسری فصل)

جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب آئمہ حدیث میں باسانید عدیدہ و طرق متنوعہ دس صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَرَاَيْتُهٗ عَزَّوَجَلَّ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَ اَنَا مِلِهٖ

بَیْنَ ثَدَیَیَّ فَتَجلّی لِیْ کُلُ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ (۱۔مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ تیسری فصل ۲۔سنن ترمذی کتاب التفسیر)

میں نے اپنے رب عزّ وجل کو دیکھا، اس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی، اسی وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ صَحِيْحٌ

یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے اس کا حال پوچھا تو فرمایا صحیح ہے۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی معراجِ منامی کے بیان میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آ گیا۔ (ترمذی کتاب التفسیر ج ۲ ص ۱۵۵)

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

"پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمیں ہابود۔
عبارت است از حصولِ عامّہ علوم جزوی وکلی و احاطہ آں"

(اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ج ۱ ص ۳۳۳، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یہ تعبیر ہے تمام علوم کے حصول اور ان کے احاطہ سے، چاہے وہ علوم جزوی

ہوں یا کلی۔

امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابویعلی و ابن منیع و طبرانی حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

لَقَدْ تَرَكْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَآءِ اِلَّا ذَكَرَلَنَا مِنْهُ عِلْمًا

(ا۔تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۵۴ بسند صحیح ۲۔ مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، المکتب الاسلامی بیروت ۳۔ مجمع الزوائد عن ابی الدرداء کتاب علامات النبوۃ باب فیما اوتی من العلم الخ ج ۸ ص ۲۶۴)

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرما دیا ہو۔

نسیم الریاض، شرحِ شفاء قاضی عیاض و شرح زرقانی للمواہب میں ہے۔

هٰذَا تَمْثِيْلٌ لِبَيَانِ كُلِّ شَيْئٍ تَفْصِيْلًا تَارَةً وَاِجْمَالًا اُخْرٰى

(ا۔نسیم الریاض، فصل و من ذلک ما اطلع الخ ج ۳ ص ۱۵۳ مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲۔ شرح الزرقانی للمواہب المقصد الثامن الفصل الثالث ج ۷ ص ۲۰۶)

یہ ایک مثال دی ہے اس کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز بیان فرما دی، کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً۔

مواہب امام احمد قسطلانی میں ہے۔

وَلَا شَكَّ اِنَّ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ اَطْلَعَهٗ عَلٰى اَزِيْدَ مِنْ ذَالِكَ وَ

اَلْقٰی عَلَیْهِ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ○

(المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۵۶۰، المکتب الاسلامی بیروت)

اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القا کیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

طبرانی معجم کبیر اور نعیم بن حماد کتاب الفتن اور ابونعیم حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَ اِلٰی مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ هٰذِهٖ تَجَلِّیاً مِنَ اللّٰهِ جَلَّاهُ لِنَبِیِّهٖ کَمَا جَلَّاهُ لِنَبِیِّیْنَ مِنْ قَبْلِهٖ

(ا۔حلیۃ الاولیاء ج ۶ ص ۱۰۱، دارالکتاب العربی بیروت ۲۔ کنز العمال ج ۱۱ ص ۳۷۸ اور ص ۴۲۰، موسسۃ الرسالۃ بیروت)

بیشک میرے سامنے سے عزوجل نے دنیا اُٹھالی ہے اور میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اس روشنی کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لئے روشن فرمائی جیسے محمد سے پہلے انبیاء کے لئے روشن کی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس حدیث سے روشن ہے کہ جو کچھ سماوات و ارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا، اس سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوا

تھا اور حضرت عزت عزّ جلالہ نے اس تمام ماکان وما یکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرمادیا۔ مثلاً مشرق سے مغرب تک، سماک سے سمک تک، ارض سے فلک تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، سیّدنا ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہزار ہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرت الٰہی پر دشوار اور نہ عزت و وجاہت انبیاء کے مقابل بسیار۔ مگر معترض بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ ایک پیڑ کے پتے گن دیئے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرکِ اکبر کہنا چاہیں اور جو آئمہ کرام و علمائے اعلام ان سے سند لائے، انھیں مقبول مسلم رکھتے آئے، جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی مصنف خصائص کبریٰ و امام، شہاب احمد محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنّیہ و امام ابو الفضل شہاب ابن حجر مکّی ہیتمی شارح ہمزیہ و علّامہ شہاب احمد مصری خفا جی صاحبِ نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض و علّامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شارحِ مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ، انھیں مشرک کہیں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

صحیح مسلم و مسند امام احمد و سنن ابن ماجہ میں ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ بِاَعْمَالِهَا حَسَنِهَا وَقَبِیحِهَا

میری ساری امّت اپنے سب اعمال نیک وبد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی۔ (ا۔ صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن البصاق فی المسجد ج ا ص ۲۰۷، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۔ مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۸۰، المکتب

الاسلامی بیروت)

طبرانی اور ضیاء مختارہ میں حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عُرِضَتْ عَلَيَّ اُمَّتِی الْبَارِحَةَ لَدٰی هٰذِهِ الْحُجْرَةَ حَتّٰی لَاَنَا اَعْرَفُ بِالرَّجُلِ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدِكُمْ بِصَاحِبِهٖ

(ا۔ المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۸۱، المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۔ کنز العمال ج۱۱ ص ۴۰۸، موسسۃ الرسالۃ، بیروت)

گذشتہ رات مجھ پر میری امت اس حجرے کے پاس میرے سامنے پیش کی گئی۔ بیشک ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

امام اجل سیّدی بوصیری قدس سرہٗ امام القریٰ میں فرماتے ہیں:

وَسِعَ الْعَالَمِیْنَ عِلْماً وَّ حِکْمًا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم تمام جہان کو محیط ہوا۔

امام ابن حجر مکی، اس کی شرح افضل القریٰ (ص ۳۰۴) میں فرماتے ہیں:

لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَطْلَعَهٗ عَلَی الْعَالَمِ فَعَلِمَ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَمَا کَانَ مَا یَکُوْنُ

یہ اس لئے کہ بیشک اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان پر اطلاع بخشی تو سب اگلے پچھلوں اور مَا کَانَ وَمَا یَکُون کا علم حضور پرنور کو حاصل ہوگیا۔

امام جلیل، قدوۃ المحدثین سیّدی زین الدین عراقی استاد، امام، حافظ الشان ابن حجر عسقلانی شرح مہذب میں پھر علامہ خفاجی نسیم الرّیاض میں فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَیْہِ الْخَلَائِقُ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ فَعَرَفَھُمْ کُلَّھُمْ کَمَا عُلِّمَ اٰدَمُ الْاَسْمَاءَ۔ (نسیم الریاض، الباب الثالث، الفصل الاوّل، ج ۲ ص ۲۰۸، مرکز اہلسنت برکات رضا الہند)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیام قیامت تک کی تمام مخلوقاتِ الٰہی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیش کی گئی، حضور نے جمیع مخلوقات گذشتہ اور آئندہ سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو تمام نام سکھائے گئے تھے۔

علّامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

اَلنُّفُوْسُ الْقُدْسِیَّۃُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّۃِ اِتَّصَلَتْ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَلَمْ یَبْقَ لَھَا حِجَابٌ فَتَرٰی وَتَسْمَعُ الْکُلَّ کَالْمُشَاھِدِ (التیسیر شرح الجامع الصغیر تحتِ حدیث حیثما کنتم فصلوعلی الخ، ج ۱ ص ۵۰۲، مکتبۃ الامام الشافعی ریاض)

پاکیزہ جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہو کر عالم بالا سے ملتی ہیں اُن کے لئے کوئی پردہ نہیں رہتا ہے، وہ ہر چیز کو ایسا دیکھتی اور سنتی ہیں جیسے پاس حاضر ہیں۔

امام ابن الحاج مکی مدخل اور امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں۔

قَدْ قَالَ عُلَمَآءُ نَارَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَافَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مُشَاهِدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ وَذَالِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهٗ لَاخِفَاءَ بِهٖ

(ا۔المدخل لابن الحاج، فصل فی الکلام علی زیادۃ سید المرسلین، ج ا ص ۲۵۲، دارالکتاب العربی بیروت۔۲۔ المواھب اللدنیہ، المقصد العاشر، الفصل الثانی ج ۴ ص ۵۸۰، المکتب الاسلامی بیروت)

بیشک ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حالتِ حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے اس بات میں کہ حضور اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے ہر حال، ان کی ہر نیت، ان کے ہر ارادے، اُن کے دلوں کے ہر خطرے کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایسی روشن ہیں جن میں اصلاً کسی طرح کی پوشیدگی نہیں۔

یہ عقیدے ہیں علمائے ربانین کے محمد رسول اللہ کی جناب ارفع میں جَلّ جلالہ، وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ شیخ شیوخ علمائے ہند، مولانا شیخ محقق نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ الکرم مدارج شریف میں فرماتے ہیں۔

[1]"ذکر کن اوراو درود بفرست بروئے صلّی اللہ تعالیٰ علیہ

[1] ان کی یاد کرا ور ان پر درود بھیج، اور ذکر کے وقت ایسے ہو جاؤ، گویا تم ان کی زندگی میں ان کے سامنے حاضر ہو اور ان کو دیکھ رہے ہو، پورے ادب اور تعظیم سے رہو، ہیبت بھی ہو اور امید بھی، اور جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں کیونکہ وہ صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ، جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔۱۲

وسلم۔ وباش در حال ذکر گویا حاضر ہست پیش او درحالتِ حیات ومی بینی تو اور امتادب با جلال وتعظیم وہیبت وامید بداں کہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می بیند ومی شنود کلام ترا زیرا کہ وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متصف است بصفات اللہ ویکے از صفاتِ الٰہی آنست کہ اَنَـا جَلِیْـسُ مَنْ ذَکَرَنِی۔

(مدارج النبوۃ، باب یازدھم، وصل نوع ثانی کہ تعلق معنوی است الخ، ج ۲ ص ۶۲۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں محقق پر، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہمارا دیکھنا ذکر کیا، گویا فرمایا۔ اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیکھنا ہمیں بیان کیا، بدانکہ بڑھایا۔ تاکہ اسے کوئی گویا کے نیچے داخل نہ سمجھے۔ غرض ایمانی نگاہوں کے سامنے اس حدیث پاک کی تصویر کھینچ دی کہ:

اُعْبُدِ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ

(۱۔ صحیح بخاری کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان ج ۱ ص ۱۲۔ ۲۔ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کر، گویا تو اسے دیکھ رہا اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو وہ تو یقیناً تجھے دیکھتا ہے۔ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علی نبیہ وآلہ وبارک وسلم

نیز فرماتے ہیں:

لے ''ہر چہ در دنیا است زمانِ آدم تا نفخۂ اولیٰ بروئے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منکشف ساختند، تاہمہ احوالِ اورا از اوّل تا آخر معلوم گردید یارانِ خود رانیز از بعضے ازاں احوال خبرداد۔''

(مدارج النبوۃ، باب پنجم، وصل خصائص آنحضرت ﷺ، ج اص ۱۴۴، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

نیز فرماتے ہیں۔

ع وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥ ووے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی واحکام صفاتِ حق واسماء وافعال وآثار وجمیع علومِ ظاہر وباطن واوّل وآخر احاطہ نمودہ ومصداق، فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ٥ عَلَيْهِ مِنَ الصَّلٰوتِ اَفضَلِهَا وَمِنَ التحيات اَتَمِّهَا وَاَكْمَلِهَا

(مدارج النبوۃ ج اص ۳۰۲ مرکز اہل سنت برکاتِ رضا گجرات، ہند)

شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں کہ:

فَاضَ عَلَيَّ مِنْ جَنَابِهِ الْمُقَدَّسِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَيْفِيَّةُ الْعَبْدِ من حَيِّزِهٖ حَيِّزِ الْقُدْسِ فَيَتَجَلّٰى لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ كَمَا اَخْبَرَ عَنْ هٰذَا لْمَشْهَدِ فِيْ قِصَّةِ الْمِعْرَاجِ الْمَنَامِيِّ (فیوض الحرمین ص ۱۶۹ طبع کراچی)

لے جو کچھ دنیا میں پہلے صور کے پھونکے جانے تک ان پر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) منکشف کر دیا، تاکہ انھیں اوّل سے آخر تک تمام احوال معلوم ہو جائیں۔ انھوں نے بعض اصحاب کو ان احوال میں سے بعض کی اطلاع دی۔

ع وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ اور وہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سب چیزوں کو جاننے والے ہیں۔ احوال، احکامِ الٰہی، احکامِ صفات حق، اسماء، افعال اور آثار، تمام علوم ظاہر وباطن، اوّل وآخر کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور فَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ کے مصداق ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے مجھ پر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقامِ مقدس تک کیونکر ترقی کرتا ہے کہ اس پر ہر چیز روشن ہو جاتی ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مقام سے معراجِ خواب کے قصے میں خبر دی۔

قرآن وحدیث و اقوالِ آئمہ قدیم حدیث سے اس مطلب پر دلائل بے شمار ہیں اور خدا انصاف دے تو یہی اقل قلیل (تھوڑے سے تھوڑا) کہ مذکور ہوئے بسیار ہیں۔ غرض شمس و امس کی طرح روشن ہوا کہ عقیدہ مذکورۂ زید کو معاذ اللہ کفر و شرک کہنا خود قرآن عظیم پر تہمت رکھنا اور احادیث صحیحہ صریحہ شہیرہ کثیرہ کو رد کرنا اور بہ کثرت آئمہ دین او اکابر علمائے عاملین و اعاظم اولیائے کاملین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی عیاذاً باللہ کافر و مشرک بنایا اور بحکم ظواہر احادیث صحیحہ و روایاتِ معتمدہ فقہیہ خود کافر و مشرک بنا ہے، اس کے متعلق احادیث و روایات و اقوال آئمہ و ترجیحات وتصریحات فقیر کے رسالہ النّھی الاکیدعن الصّلوٰۃِ ورآء اعداء التّقلید و رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ علی کفریات ابی الوھابیّۃ وغیرہما میں ملاحظہ کیجئے۔

افسوس کہ ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علم الٰہی ذاتی ہے اور علم خلق عطائی۔ وہ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث، وہ ناخلوق یہ مخلوق، وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقا یہ جائز الفناء، وہ ممتنع التغیر (تغیر سے پاک) یہ ممکن التبدل۔ (جس میں تبدیل ہو سکے) ان عظیم تفرقوں کے

بعد احتمالِ شرک نہ ہوگا، مگر کسی مجنوں کو، بصیرت کے اندھے اس علم ماکان وما یکون بمعنیٰ مذکورہ ثابت جاننے کو معاذ اللہ! علم الٰہی سے مساوات مان لینا سمجھتے ہیں حالانکہ العظمۃ لِلّٰہ علم الٰہی تو علم الٰہی جس میں غیر متناہی علوم تفصیلی فراوانی بالفعل کے غیر متناہی سلسلے، غیر متناہی یا وہ جسے گویا مصطلح حساب کے طور پر غیر متناہی کا مکعب کہیے، بالفعل و بالدّوام ازلاً ابداً موجود ہیں۔ یہ شرق تا غرب وسماوات وارض وعرش تا فرش وَمَا كَانَ وَمَا يَكُوْنَ مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اِلٰى اٰخرا لاَيَّام سب کے ذرّے ذرّے کا حال تفصیل سے جاننا و بالجملہ جملہ مکتوبات لوح ومکنونات قلم کو تفصیلاً محیط ہونا علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے۔ یہ تو ان کے طفیل سے ان کے بھائیوں حضرات مرسلینِ کرام علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ و اکمل السّلام بلکہ ان کی عطا سے ان کے غلاموں، بعض اعاظم اولیائے عظام قدست اسرار ہم کو ملا اور ملتا ہے۔ ہنوز علوم محمدیہ میں وہ بحار ذخّار ناپیدا کنار ہیں جن پر ان کی فضلیت کلیّہ اور افضلیت مطلقہ کی بنا ہے۔ اللہ عزّ وجل کی بے شمار رحمتیں امام اجل محمد بوصیری شرف الحق والدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر جو قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

فَاِنَّ مِنَ جُوْدِكَ الدُّنيَا وَ ضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ الَّوْحِ وَالْقَلَمِ

(قصیدہ بردہ مع زبدہ ص ۱۱۶)

ف۔ تمام ماکان ومایکون کا علم علوم حضور سے ایک علم ہے۔ یہ تو ان کی عطا سے ان کے غلاموں اکابر اولیاء کو بھی ملتا ہے۔ ۱۲

یعنی یا رسول اللہ! دنیا اور آخرت دونوں حضور کے خوانِ جود و کرم سے ایک ٹکرائیں اور لوح وقلم کا تمام علم جن میں مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ مندرج ہے، حضور کے علوم سے ایک حصہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْکَ وَ سَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِکَ وَصَحْبِکَ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ.

مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری زُبدہ شرح بردہ میں فرماتے ہیں:

تَوْضِیْحُہٗ اِنَّ الْمُرَادَ بِعِلْمِ اللَّوْحِ مَا اُثْبِتَ فِیْہِ مِنَ النُّقُوْشِ الْقُدْسِیَّۃِ وَالصُّوَرِ الْغَیْبِیَّۃِ وَ بِعِلْمِ الْقَلَمِ مَا اَثْبَتَ فِیْہِ کَمَا شَاءَ وَالْاِضَافَۃُ لِاَدْنٰی مُلَابَسَۃٍ وَکَوْنَ عِلْمِھَا مِنْ عُلُوْمِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عُلُوْمَہٗ تَتَنَوَّعُ اِلَی الْکُلِّیَاتِ وَالْجُزْئِیَاتِ وَحَقَائِقَ وَمَعَارِفَ وَ عَوَارِفَ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَ عِلْمُھُمَا اِنَّمَا یَکُوْنُ سَطْرًا مِنْ سُطُوْرِ عِلْمِہٖ وَنَھْرًا مِنْ بُحُوْرِ عِلْمِہٖ ثُمَّ مَعَ ھٰذَا ھُوَ مِنْ بَرَکَتِہٖ وَوُجُوْدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(الزبدۃ العمدۃ فی شرح البردہ، ص ۱۱۷، خیرفور، سندہ، پاکستان)

یعنی، توضیح اس کی یہ ہے کہ علوم سے مراد نقوش قدس وصور غیب ہیں جو اس میں منقوش ہوئے، اور قلم کے علم سے مراد وہ ہیں جو اللہ عزوجل نے جس طرح چاہا اس میں ودیعت رکھے، ان دونوں کی طرف علم کی اضافت ادنیٰ علاقے یعنی محلیّت نقش و اثبات کے باعث ہے، اور ان دونوں میں جس قدر علوم ثبت ہیں اِن کا علم علوم محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک پارہ ہونا۔ اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم بہت اقسام کے ہیں، علوم کلیہ، علوم جزئیہ، علوم حقائق اشیاء وعلومِ اسرار خفیہ اور وہ علوم اور

معرفتیں کہ ذات و صفات حضرت عزّت جلّ جلالہ، سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کے جملہ علوم علوم محمدّ یہ کی سطروں سے ایک سطر، اور ان کے دریاؤں سے ایک نہر ہیں پھر بہ ایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت وجود سے تو ہیں، کہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ لوح وقلم ہوتے نہ ان کے علوم، صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

منکرین کو صدمہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے روز اول سے قیامت تک کے تمام ماکان وما یکون کا علم تفصیلی مانا جاتا ہے لیکن بحمد اللہ تعالیٰ وہ جمیع علم ماکان وما یکون علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عظیم سمندروں سے ایک نہر بلکہ بے پایاں موجوں سے ایک لہر قرار پاتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥ وَخَسِرَهُنَا لِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ٥
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ٥

نصوص حصر:

یعنی جن آیات و احادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ علمِ غیب خاصۂ خدا تعالیٰ ہے، مولیٰ عزّ وجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، قطعاً حق اور بحمدہ اللہ تعالیٰ مسلمان کے ایمان ہیں مگر منکر مُستکبِر (متکبر غرور کرنے والا) کا اپنے دعوائے باطلہ پر ان سے استدلال اور اس کی بنا پر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن بمعنی مذکورہ ماننے والے پر حکمِ کفر و ضلال، نص جنون و خام خیال بلکہ خود مستلزِم (کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا) کفر و ضلال ہے۔

علم بہ اعتبار منشا دو قسم کا ہے، ذاتی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور عطائی کہ اللہ عزوجل کا عطیہ ہو۔ اور بہ اعتبار متعلق بھی دو قسم ہے۔ علم مطلق یعنی محیطِ حقیقی، تفصیلی فعلی فروانی کہ جمیع معلومات الٰہیہ عزّ و علاء کو جن میں غیر متناہی معلومات کے سلاسل، وہ بھی غیر متناہیہ، وہ بھی غیر متناہی بار داخل۔ اور خود کنہ ذاتِ الٰہی و احاطۂ تامِ صفات الٰہیہ نا متناہی سب کو شامل، فرداً فرداً تفصیلاً مستغرق ہواور مطلق علم یعنی جاننا، اگر محیط باحاطۂ حقیقیہ نہ ہو۔ ان تقسیمات میں علم ذاتی وعلمِ مطلق یعنی مذکور بلاشبہ اللہ عزوجل کے لئے خاص ہیں اور ہرگز کسی غیر خدا کے لئے ان کے حصول کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

ہم ابھی بیان کر آئے ہیں کہ علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن بمعنی مسطور اگرچہ کیسا ہی تفصیلی بروجہ اتم و اکمل ہو، علومِ محمدیہ کی وسعتِ عظیمہ کو نہیں پہنچتا، پھر علوم محمدیہ تو علومِ الٰہیہ ہیں، جلّ و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور مطلق علم ہرگز حضرت حق عزّ وعلا سے خاص نہیں بلکہ قسم عطائی تو مخلوق ہی کے ساتھ خاص ہے۔ مولیٰ عزّ وجل کا علم عطائی ہونے سے پاک ہے تو نصوصِ حصر میں یقیناً قطعاً وہی قسم اوّل مراد ہوسکتی ہے نہ کہ قسم اخیر اور بداہۃً ظاہر کہ علم تفصیلی جملہ ذرّات مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنَ بمعنی مزبور (اوپر لکھا ہوا) بلکہ اس سے ہزار در ہزار ازید و افزون علم بھی کہ بہ عطائے الٰہی مانا جائے، اسی قسم اخیر سے ہوگا، تو نصوص حصر کو مدعائے مخالف سے اصلاً مَس نہیں۔ بلکہ وہ اس کی صریح جہالت پر نص ہیں وللّٰہِ الحمد۔ یہ معنی آنکہ خود بدیہی و واضح ہیں۔ آئمہ دین نے اس کی تصریح بھی فرمائی۔

امامِ اجل ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اپنے فتاویٰ پھر امام ابنِ

حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

لَا یَعْلَمُ ذَالِکَ اِسْتِقْلَالًا وَ عِلْمَ اِحَاطَۃٍ بِکُلِّ الْمَعْلُوْمَاتِ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی اَمَّا الْمُعْجِزَاتُ وَ الْکَرَامَاتُ فَبِاَعْلَامِ اللّٰہِ تَعَالٰی لَھُمْ عُلِمَتْ وَ کَذَا مَا عُلِمَ بِاجْرَاءِ الْعَادَۃِ (الفتاوی نوویہ ص ۱۷۳، الفتاوی الحدیثیہ ص ۳۱۳)

یعنی، آیت میں غیرِ خدا سے نفی علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا اور ایسا علم کہ جمیع معلومات الٰہیہ کو محیط ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ رہے انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامتیں، یہاں تو اللہ عزوجل کے بتانے سے انھیں علم ہوا ہے۔ یوں ہی وہ باتیں کہ عادت کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔

مخالفین کا استدلال محض باطل و خیال محال ہونا تو یہیں ہے ظاہر ہو گیا، مگر فقیر نے اپنے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ یہ استدلال ان ضلّال کے خود اقراری کفر و ضلال کا تمغہ ہے، نیز انھیں میں روشن کیا کہ خلق کے لئے ادعائے علم غیب پر فقہا کا حکم کفر بھی درجہ اولائے حقیقت حق میں اسی صورت علم ذاتی اور درجہ اخرائے طرزِ فقہا میں علم مطلق بمعنی مرقوم (لکھاہوا) کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ محققین کے کلام میں منصوص ہے۔

بکر پر مکر کا وہ زعمِ مردود جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت (کچھ نہیں ف جانتے) کا لفظ ناپاک ہے، وہ بھی کلمۂ کفر و ضلال بے باک ہے۔ بکر نے جس عقیدے کو کفر و شرک کہا اور اس کے رد میں یہ کلامِ بدفرجام (انتہائی بُرکلام) بکا، خود اسی میں تصریح ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت حق جل شانہٗ نے یہ علم عطا فرمایا ہے لاجرم بکر کی یہ نفی مطلق شاملِ

ف۔ اپنے خاتمے کا حال حضور کو معلوم نہ ماننا صریح کفر ہے۔

علم عطائی بھی ہے اور خود بعض شیاطین الانس، کے قول سے استناد بھی اس تعلیم پر دلیل جلی ہے کہ قول میں خواہ یوں اور خواہ یوں، دونوں صورت پر حکمِ شرک دیا ہے۔ اب اس لفظ قبیح کے کلمۂ کفر صریح ہونے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ قرآن عظیم کی روشن آیتوں کی تکذیب بلکہ سارے قرآن کی تکذیب، رسالت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار بلکہ نبوت تمام انبیاء کا انکار، سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص مکان بلکہ رب العزۃ جلالہ، کی توہین شان۔ ایک دو کفر ہوں تو گنے جائیں، وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

یوں ہی اس کا قول کہ "اپنے خاتمے کا بھی حال معلوم نہ تھا" صریح کلمۂ کفر و خسار اور بے شمار آیاتِ قرآنیہ و احادیث متواترہ کا انکار ہے۔ آیہ کریمہ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ (پ ۲۶ سورہ الفتح آیت ۲) مع حدیث صحیحین بخاری و مسلم کے بحمد اللہ ان مردودوں کی صفرا شکنی کیلئے اُتری اور مروی مدوّن ہوئی اوپر گزری۔

بعض اور سنیئے وقال اللہ تعالیٰ

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (پ ۳۰ سورہ الضحیٰ آیت ۴)

اے نبی! بیشک آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے۔

وقال اللہ تعالیٰ!

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (پ ۳۰ سورہ الضحیٰ آیت ۵)

بے شک نزدیک ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

وَقالَ اللہ تعالیٰ:

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ (پ ۲۸ سورہ التحریم آیت ۸)

جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے صحابہ کو، اُن کا نور ان کے آگے اور داہنے جولان[1] کرے گا۔

وَقَالَ اللہ تعالیٰ

عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً (پ ۱۵ سورہ الانبیاء آیت ۷۹)

قریب ہے، کہ تمہارا رب تمہیں تعریف کے مکان بھی بھیجے گا جہاں اولین و آخرین سب تمہاری حمد کریں گے۔

وَقَالَ اللہ تعالیٰ

تَبٰرَکَ الَّذِیْ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیْراً مِّنْ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَیَجْعَلُ لَّکَ قُصُوْراً ۝ (پ ۱۸ سورہ الفرقان آیت ۱۰) عَلٰی قِرْأَةِ الرَّفعِ قِرَاۃُ بِنِ کَثِیْرٍ وَابْنُ عَامِرٍ وَ رِوَایَةُ اَبِیْ بَکْرٍ عَنْ عَاصِمٍ اِلٰی غَیْرِ ذٰلِکَ مِنَ الْاٰیَاتِ

بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنی مشیت سے تمہارے لئے اس خزانہ و باغ سے (جس کی طلب یہ کافر کر رہے ہیں) بہتر چیزیں کر دیں جن کے نیچے نہریں رواں اور وہ تمہیں بہشت بریں کے اونچے اونچے محل بخشے گا۔

اور احادیث کریمہ میں تو جس تفصیل جلیل سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص وقتِ وفات مبارک و برزخ مطہر و حشر منور و شفاعت وکوثر وخلافتِ عظمیٰ و سیادتِ کبریٰ ودخولِ رحمان و رویت جناں وغیرہا وارد ہیں، انھیں جمع کیجئے تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے۔ یہاں صرف ایک حدیث

[1] دوڑے گا ۱۲

تبرکاً سن لیجئے۔

جامع ترمذی شریف، میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجاً اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا خَطِیْبُھُمْ اِذَا وُفِدُوْا وَ اَنَا خَطِیْبُھُمْ اِذَا اُنْصِتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُھُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُھُمْ اِذَا یَئِسُوْا لِکَرَامَۃِ وَالْمَاتِیْحُ یَوْمَئِذٍ بِیَدِیْ وَاَنَا اَکْرَمُ وَلَدِ اٰدَمَ عَلٰی رَبِّیْ یَطُوْفُ عَلَیَّ اَلْفُ خَادِمٍ کَاَنَّھُمْ بَیْضٌ مَکْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ

جب لوگوں کا حشر ہوگا تو سب سے پہلے میں مزارِ اطہر سے باہر تشریف لاؤں گا اور جب وہ سب دم بخود رہیں گے تو ان کا خطبہ خواں میں ہوں گا اور جب وہ روکے جائیں گے تو ان کا شفاعت خواہ میں ہوں اور جب وہ نا امید ہو جائیں گے تو ان کا بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ عزت دینا، اور تمام کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی۔ لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ بارگاہِ عزت میں میری عزت تمام اولاد آدم سے زائد ہے۔ ہزار خدمت گار میرے اردگرد طواف کریں گے گویا وہ گرد و غبار سے پاکیزہ انڈے ہیں محفوظ رکھے ہوئے یا جگمگاتے موتی ہیں بکھیرے ہوئے۔

بالجملہ بکر پر مکر کے گم راہ و بددین ہونے میں اصلاً شبہ نہیں۔ اور اگر کچھ نہ ہوتا تو صرف اتنا ہی کہ تقویۃ الایمان پر جو حقیقتاً تفویۃ الْاِیْمَانْ ہے، اس کا ایمان ہے، یہی اس کا ایمان سلامت نہ رکھنے کو بس تھا، جیسا کہ فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشّھابیۃ وغیرہا کے مطالعے سے ظاہر ہے۔

اِذَا کَانَ الْغُرَابُ دَلِیْلَ قَوْمٍ[1]
سَیَھْدِیْھِمْ طَرِیْقَ الْھَالِکِیْنَا

1 جب کوا کسی قوم کا رہبر ہو تو وہ اس کو ہلاکت کی راہ پر ڈال دے گا۔

والعیاذ باللہ تعالیٰ

وہ شخص جو شیطان کے علمِ ملعون کو علمِ اقدس حضور پرنور عالمِ ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زائد کہے، اس کا جواب اس کفرستان ہند میں کیا ہوسکتا ہے۔ انشاء اللہ القہار روز جزا وہ ناپاک، ناہنجار اپنے کیفرِ کفری گفتار کو پہنچے گا وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝ (پ ۱۹ سورہ الشعراء آیت ۲۲۷) یہاں اسی قدر کافی ہے کہ یہ ناپاک کلمہ صراحتاً مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو عیب لگاتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عیب لگانا کلمۂ کفر نہ ہوا تو اور کیا کلمۂ کفر ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (پ ۱۰ سورہ التوبۃ آیت ۶۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّلَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا (پ ۲۲ سورہ الحزاب آیت ۵۷)

اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔ جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اللہ نے ان پر لعنت فرمائی ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے تیار کر رکھی ہے ذلت والی مار۔

شفائے امام اجل قاضی عیاض اور شرح علامہ شہاب خفاجی مسمّٰی بہ نسیم الرّیاض میں ہے:

جَمِیْعُ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْشَتَمَہٗ اَیْ عَابَہٗ ھُوَ اَعَمُّ مِنَ السَّبِّ فَاِنَّ مَنْ قَالَ فُلَانٌ اَعْلَمُ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ فَقَدْ غَابَهٗ وَنَقَصَهٗ وَاِنْ لَمْ يَسُبَّهٗ (فَهُوَ سَابٌّ وَالْحُكْمُ فِيْهِ حُكْمُ السَّابِّ) مِنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَهُمَا (لا نستثني منه) (فصلاً) اَىْ صُوْرَةً (وَلَا نَمْتَرِىْ) فِيْهِ تَصْرِيْحاً كَانَ اَوْتَلْوِيْحاً وَهٰذَا كُلُّهٗ اِجْمَاعٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَاَئِمَّةِ الْفَتْوٰى مِنْ لَّدُنِ الصَّحَابَةِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اِلٰى هَلُمَّ جراً اھ مُخْتَصِرًا

یعنی جو شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالی دے یا حضور کو عیب لگائے اور یہ گالی دینے سے عام تر ہے کہ جس نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں کا علم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے، اس نے ضرور حضور کو عیب لگایا، حضور کی توہین کی، اگرچہ گالی نہ دی، یہ سب گالی دینے والے کے حکم میں ہے۔ ان کے اور گالی دینے والے کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ نہ ہم اس سے کسی صورت کا استثنا کریں، نہ اس میں شک و تردد کو راہ دیں۔ صاف صاف کہا ہو یا کنایہ سے، ان سب احکام پر تمام علماء اور آئمہ فتویٰ کا اجماع ہے کہ زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک برابر چلا آیا ہے۔

نَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ نَعُوْذُبِهٖ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدِ الْكَوْرِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ○ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى اَعْلَمُ

فقیر غفرلہ المولیٰ القدیر نے اس سوال کے ورود پر ایک مبسوط کتاب بحر عباب منقسم بہ چار باب مسمّٰی بہ نام تاریخی مَالئُ الحبیب ۱۳۱۸ بعلوم الغیب کی طرح ڈالی۔

باب اوّل: نصوص یعنی فوائد جلیلہ و نقائص جزیلہ کہ ترصیف دلائل اہلسنت کے مقدمات ہوں۔

باب دوم: نصوص یعنی اپنے مدّعا پر دلائل جلائل قرآن و حدیث و اقوال آئمہ قدیم و حدیث۔

باب سوم: عموم و خصوص کہ احاطۂ علوم محمدیہ میں تحریر محل نزاع کرے اور مقام و مرام سے مزخرفات نجدیہ کی محض بیگانگی کا ثبوت دے۔

باب چہارم: قطع اللصوص، یعنی اس مسئلے میں تمام مہملات نجدیۂ ونود کہن کی سرفگنی وتکبّر شکنی، مگر فصوص ونصوص کے ہجوم و وفور نے ظاہر کر دیا، کہ اطالت تاحد ملالت متوقع، لہٰذا باذن اللہ تعالیٰ نفع عامہ کے لئے اس بحرِ ذخّار سے ایک گوہر شہوار لامع الانوار گویا خزائن الاسرار سے درمختار مسمّٰی بہ نام تاریخی "اَللُّؤلُؤا لُمَکْنُوْن فِیْ عِلْمِ الْبَشِیْرِ ۱۳۱۸ھ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن" چن لیا جس نے جمع وتلفیق کے عوض نفع وتحقیق کی طرف بحمد اللہ زیادہ رخ کیا۔ اس کے ایک ایک نور نے نور السمٰوٰت والارض جل جلالہ، کے عون سے وہ تابشیں دکھائیں کہ ظلماتِ باطلہ کافور ہوتی نظر آئیں۔

یہ چند حرفی فتویٰ کہ اس کے لمعات سے ایک مختصر شعشہ اور بلحاظ تاریخ بنام انباء المصطفیٰ بحال سرّ و اخفٰی مسمیٰ ہے۔ اس کے تمامِ اشارات خفیہ کا بیان مفصّل اسی پر محول، ذی علم ماہر تو ان ہی چند حروف سے انشاء اللہ تعالیٰ سب خرافات و جزافاتِ مطالفین کو کیفر چشانی کرسکتا ہے مگر جو صاحب تفصیل کے ساتھ دست نگر ہوں بعونہٖ تعالیٰ رسائل مذکورہ کے لآلی متلالی سے بہرہ ور ہوں۔ حضرات مخالفین سے بھی گذارش ہے کہ اگر توفیق الٰہی مساعدت کرے، یہی حرف مختصر ہدایت کرے توازیں چہ بہتر، ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم و غلبۂ وہم وقلت تدرّب و شدت تعصّب اپنی تمام جہالاتِ فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں، تو اسی مہر جہاں تاب کا

انتظار کریں، جو بہ عنایتِ الٰہی و اعانت رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی تمام ظلمتوں کی صبح کر دے گا۔ ان کا ہر کاسۂ سوال آب زلال ردّ و ابطال سے بھر دے گا۔

اَلَآ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ الَيس الصُّبْح بِقَرِيْبٍ ط وَمَا تَوفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ط

کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کی خواب غفلت کچھ ہذیات[1] (بے ہودہ گوئی) کا رنگ دکھائے، اور جب صبحِ ہدایت افقِ سعادت سے طالع ہو تو کھل جائے کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو کہا افسانہ تھا

معہ ہذا طائفہ ارانب و ثعالب کو یہی مناسب کہ جب شیر ژیاں کو چہل قدمی کرتا دیکھ لیں سامنے سے ٹل جائیں۔ اپنے اپنے سوراخوں میں جان چھپائیں۔ نہ یہ کہ اس وقت اس کے خرام نرم پر غرّہ ہو کر آئیں۔ اس کی آتشِ غضب کو بھڑکائیں۔ اپنی موت اپنے منہ بلائیں۔ ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دُور تر خواہند
شغالانِ ہزیمت مند خشم شیر بیچارا

اَقُوْلُ قَوْلِيْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالصَّلَوَاتُ الزَّاكِيَاتُ وَالتَّحِيَّاتُ النَّامِيَاتُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الْمَغِيْبَاتِ مُطْهِرَ الْخَفِيَّاتِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ الْاَكَارِمِ السَّادَاتِ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ جَلَّ مَجْدُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ

عبده المذنب احمد رضا البریلوی

کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ

عفی عنه بِمُحمَّدِن المصطفٰے النّبی الْاُمِّی صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّم

کتب ماخذ

نام کتاب	نام مصنف
(۱) بخاری شریف	امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ
(۲) مسلم شریف	مسلم بن حجاجؒ
(۳) براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی
(۴) ترمذی	ابوعیسیٰ
(۵) اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
(۶) طبقات ابن سعد	ابن سعد
(۷) مسند احمد	احمد بن حنبلؒ
(۸) طبرانی	طبرانیؒ
(۹) نسیم الریاض	خفاجیؒ
(۱۰) مواہب اللدنیہ	امام احمد قسطلانیؒ
(۱۱) حلیہ	ابونعیم
(۱۲) ضیاء مختارہ	
(۱۳) تیسیر	
(۱۴) مدخل	ابن الحاج مکیؒ
(۱۵) مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
(۱۶) زبدہ شرحِ بردہ	ملّا علی قاریؒ
(۱۷) فتاویٰ حدیثیہ	ابن حجر مکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَنوار الِانْتِبَاہ فی حلِّ نداءِ یَا رسول اللہ

حضور پرنور کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا جائز ہے

تصنیفِ لطیف

امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام
احمد رضا خاں
حنفی قادری فاضل بریلوی

تقدیم

یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان خاص کو کچھ تصرفات عطا فرمائے ہیں اور یہ تصرفات ان کی روح کو حاصل ہیں، اس لئے مسلمانوں کے نزدیک مقربین بارگاہ الٰہیہ سے ان کی زندگی اور ان کی وفات کے بعد بھی مدد طلب کی جاسکتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مقولہ ہے:

مَنْ يُسْتَمدُّ مِنْه فی حَيَاتِه يُسْتَمدُّ مِنه بعد وَفَاتِه

جس سے اس کی زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے اس سے اس کے مرنے کے بعد بھی طلب کی جاسکتی ہے۔

اور پھر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو جمہور امت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور امتیوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، اس لئے آپ سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور یہ بات تاریخی شہادتوں سے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ بزرگان دین نے اپنی وفات کے بعد بھی اپنے متوسلین کو فیض پہنچایا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ لفظ ''یا'' کے ساتھ صرف اللہ ہی کو ندا کی جاسکتی ہے، دوسرے کو ندا کرنا شرک ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس خیال کی غلطی کو شرعی ادلّہ سے واضح کیا ہے۔

مرتّب

رسَالۂ مُبارکہ

اَنْوَارُ الاِنْتِبَاہِ فِیْ حَلِّ نِدَاءِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِسْتِفْتَاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ زید موحد مسلمان جو خدا کو خدا اور رسول کو رسول جانتا ہے، نماز کے بعد اور دیگر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکلمہ یَا ندا کرتا اور اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ یَا اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہا کرتا ہے، یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اسے اس کلمہ کی وجہ سے کافر و مشرک کہیں ان کا کیا حکم ہے؟

بَیِّنُوا بِالْکِتَابِ تُؤْجَرُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ

الجواب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهِ الْمُصْطَفٰى وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اُولِى الصِّدْقِ وَالصَّفَاءِ.

کلمات مذکورہ بے شک جائز ہیں، جن کے جواز میں کلام نہ کرے گا مگر سفیہہ جاہل یا ضال مضل۔ جسے اس مسئلہ کے متعلق قدرے تفصیل دیکھنی ہو۔ شفاء السقام امام علامہ بقیۃ المجتہدین الکرام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی و مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری و شرح مشکوٰۃ علّامہ علی قاری و لمعات و اشعۃ اللّمعات شرحِ مشکوٰۃ و جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب و مدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی و افضل القریٰ شرحِ امّ القرے امام ابن حجر مکّی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام و فضلائے عظام علیہم الرحمۃ اللہ العزیز العلام کی طرف رجوع لائے یا فقیر کا رسالہ "اَلْاِهْلَالُ بِفَيْضِ الْاَوْلِيَآءِ بَعْدَ الْوِصَالِ" مطالعہ کرے۔ یہاں فقیر بہ قدرِ ضرورت چند کلمات اجمالی لکھتا ہے۔

حدیث صحیح بذیل بطراز گرانہائے تصحیح جسے امام نسائی و امام ترمذی، و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ اور امام ابوالقاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم برشرطِ بخاری و مسلم صحیح کہا اور امام ابوالعظیم منذری وغیرہ آئمہ نقد و تنقیح نے ان کی تصحیح کو مسلم و مقرر رکھا، جس میں حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم

فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ (ترمذی ج ۲ ص ۱۹۷، مطبع امین کمپنی دہلی۔ ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۱۔ مستدرک امام حاکم ج ۱ ص ۵۱۹، دارالفکر بیروت۔ صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۲۲۶)

الٰہی میں مانگتا ہوں تجھ سے اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں۔ یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

امام طبرانی کی معجم صغیر ص ۱۰۳ میں یوں ہے۔

اِنَّ رَجُلًا کَانَ یَخْتَلِفُ اِلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فِیْ حَاجَتِهٖ لَهٗ وَکَانَ عُثْمَانُ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهِ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِهٖ. فَلَقِیَ عُثْمَانُ بْنَ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَشَکٰی ذٰلِکَ اِلَیْهِ. فَقَالَ لَهٗ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ. اِئْتِ الْمِیْضَاَةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ اِئْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَقْضِیْ حَاجَتِیْ وَ تَذْکُرُ حَاجَتَکَ وَرُحْ اِلَیَّ حَتّٰی اَرُوْحَ مَعَکَ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَصَنَعَ مَا قَالَ لَهٗ ثُمَّ اَتٰی بَابَ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَجَآءَ الْبَوَّابُ حَتّٰی اَخَذَهٗ بِیَدِهٖ فَاَدْخَلَهٗ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی

عَنْهُ فَاَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَى الطَّنْفَسَةِ وَقَالَ مَا حَاجَتُکَ؟ فَذَكَرَ حَاجَتَهُ. فَقَضَاهَا. ثُمَّ قَالَ مَا ذَكَرْتُ حَاجَتَکَ، حَتّٰى كَانَتْ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَقَالَ مَا كَانَ لَکَ مِنْ حَاجَةٍ فَأْتِنَا. ثُمَّ اِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَقِيَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ لَهُ جَزَاکَ اللّٰهُ خَيْراً مَا كَانَ يَنْظُرُ فِيْ حَاجَتِيْ وَيَلْتَفِتُ اِلَيَّ حَتّٰى كَلَّمْتَهُ فِيَّ فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حَنِيفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمْتُهُ وَلٰكِنْ شَهِدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَاهُ رَجُلٌ ضَرِيْرٌ فَشَكَا اِلَيْهِ ذَهَابَ بَصَرِهٖ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْتِ الْمِيْضَأَةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ ادْعُ بِهٰذِهِ الدَّعْوَاتِ فَقَالَ عُثْمَانُ ابْنُ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَاَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ قَطُّ.

یعنی، ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے اس امر کی شکایت کی۔ انھوں نے فرمایا، وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ۔ پھر دعا مانگ ''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں۔ یا رسول اللہ! میں حضور کے توسّل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے'' اور اپنی حاجت ذکر کر۔ پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔ حاجت مند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لااقل

کبار تابعین میں سے تھے) یوں ہی کیا۔ پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا، اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لے گیا۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھا لیا۔ مطلب پوچھا۔ غرض کیا۔ فوراً روا فرمایا اور ارشاد کیا۔ کہ اتنے دنوں میں اس وقت تک تم نے اپنا مطلب بیان نہیں کیا۔ پھر فرمایا۔ جب تمہیں کوئی حاجت پیش آیا، کرے تو ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میری حاجت پر نظر، اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی۔

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کی قسم! میں نے تمہارے معاملے میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ بھی نہ کہا، لیکن اصل معاملہ یہ ہوا کہ میں نے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ہی ارشاد فرمایا، کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے، پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم! ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ اتنے میں وہ ہمارے پاس آیا۔ گویا وہ کبھی اندھا نہ تھا۔

امام طبرانی، پھر امام منذر فرماتے ہیں۔ والحدیث صحیح۔ امام بخاری "کتاب الادب المفرد" میں اور امام ابن السنی او امام بشکوال روایت کرتے ہیں:

[1] اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا خَدَرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَصَاحَ یَا مُحَمَّدَاہُ فَانْتَشَرَتْ

[1] ولفظ البخاری ص ۱۴۳ خَدَرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ. فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ اُذْکُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَیْکَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ

یعنی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا: انھیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے بہ آواز بلند کہا یَا مُحَمَّدَاہ فوراً پاؤں کھل گیا۔

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاذکار میں اس کا مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرمایا، کہ ان کا پاؤں بھی سوگیا تو یا محمداہ کہا۔ اچھا ہوگیا۔ (امام نووی، کتاب الاذکار، مطبع دارالتعاون مکہ ص ۱۳۵) اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اور سے بھی مروی ہوا۔

اَھْلِ مَدِیْنَۃ. میں قدیم سے یَا مُحَمَّدَاہُ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔ ھٰذَا مِمَّا تَعَاھَدَہٗ اَھلُ الْمَدِیْنَۃِ

ترجمہ: یا محمداہ کہنا اہل مدینہ کا معمول تھا۔ (نسیم الریاض، ج ۳ ص ۳۵۵ دارالفکر بیروت)

حضرت بلال بن الحارث مزنی سے قحط عام الرّمادہ میں کہ بعد خلافت فاروقی ۱۸ ہجری میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزنیہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجئے۔ فرمایا، بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے انھوں نے کہا، کیا۔ آخر ذبح کی کھال کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی ۔ یہ دیکھ کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی یا مُحَمَّدَاہُ پھر حضور اقدس، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی۔ ذکرہٗ فی الکامل

(تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۵۵٦، دارلصادر بیروت)

امام مجتہد فقیہہ اجل عبدالرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلہ تبع تابعین و اکابر مجتہدین سے ہیں، سر پر بلند ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا۔ محمدٌ یا منصورٌ اور

ظاہر ہے کہ اَلْقَلَمُ اَحَدِ اللِّسَانَیْنِ۔ (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے) ہشیم بن جمیل انطا کی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں۔ انھیں امام جل کی نسبت فرماتے ہیں:

رَأَیْتُہٗ وَعَلٰی رَأسِہٖ قَلَنْسُوَۃٌ اَطْوَلُ مِنْ ذِرَاعٍ مَکْتُوْبٌ فِیْھَا مُحَمَّدٌ یَا مَنْصُوْرُ۔ ذَکَرَہٗ فِیْ تَھْذِیْبُ التَّھْذِیْبِ وَغَیْرِہٖ

ترجمہ: میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا۔ ''محمد یا منصور'' (میزان الاعتدال ج۲ ص۵۷۳ دارالمعرفۃ بیروت)

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے:

سُئِلَ عَمَّا یَقَعُ مِنَ الْعَامَّۃِ مِنْ قَوْلِھِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ یَا شَیْخَ فُلَانٍ وَ نَحْوَ ذَالِکَ مِنَ الْاِسْتِغَاثَۃِ بِالْاَنْبِیَاءِ وَ الْمُرْسَلِیْنَ وَالصَّالِحِیْنَ وَ ھَلْ لِلْمَشَائِخِ اِغَاثَۃٌ بَعْدَ مَوْتِھِمْ اَمْ لَا فَاَجَابَ بِمَا نَصُّہٗ اِنَّ الْاِسْتِغَاثَۃِ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْاَوْلِیَاءِ وَ الْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ جَائِزَۃٌ وَ لِلْاَنْبِیَآءِ والرُّسُلِ وَالْاَوْلِیَآء وَ الصَّالِحِیْنَ اِغَاثَۃٌ بَعْدَ مَوْتِھِمْ

(الشیخ حسن العدوی مشارق الانوار، مکتبۃ اشرفیہ مصر ص ۵۹)

یعنی، ان سے استفتا ہوا کہ عام لوگ سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے ہیں اور یارسول اللہ یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء انتقال کے بعد بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟

انھوں نے جواب دیا کہ بیشک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعدِ انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

علّامہ خیر الدین رملی، استاذ صاحب در مختار فتاویٰ خیریہ میں فرماتے ہیں:۔

یَاشَیْخُ عَبْدَ الْقَادِرُ نِدَاءٌ فَمَا الْمُوْجِبُ لِحُرْمَتِهٖ

(فتاوی خیریہ، مطبوعہ ارگ بازار قندھار، افغانستان، ج ۲ ص ۲۸۲)

لوگوں کا کہنا کہ یا شیخ عبدالقادر، یہ ایک ندا ہے پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے؟

سیّدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

سُئِلْتُ عَمَّنْ یَقُوْلُ فِیْ حَالِ الشَّدَآئِدِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ یَا عَلِیُّ اَوْ یَا شَیْخُ عَبْدَ الْقَادِرِ مَثَلاً هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعاً اَمْ لَا؟ اَجَبْتُ نَعَمْ. اَلْاِسْتِغَاثَةُ بِالْاَوْلِیَاءِ وَ نِدَاءُ هُمْ وَالتَّوَسُّلُ بِهِمْ اَمْرٌ مَّشْرُوْعٌ وَ شَیْئٌ مَّرْغُوْبٌ لَایُنْکِرُهٗ اِلَّا مُکَابِرٌ وَ مُعَانِدٌ وَقَدْ حُرِمَ بَرْکَةَ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ. الخ

یعنی، مجھ سے سوال ہوا اُس شخص کے بارے میں جو کہ مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یا رسول اللہ! یا علی! یا شیخ عبدالقادر! (مثلاً) آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں اولیاء سے مدد مانگنا اور انھیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسّل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد، اور بے شک وہ اولیائے کرام کی برکت سے محروم ہے۔

امام ابنِ جوزی نے کتاب ''عیون الحکایات'' میں تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسند مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی سوارانِ دلاور

ساکنان شام تھے، کہ وہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے۔

فَاَسَرَهُ الرُّوْمُ مَرَّةً. فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ اِنِّیْ اَجْعَلُ فِيْكُمُ الْمُلْكَ وَ اَزْوَاجُكُمْ بَنَاتِیْ وَتَدْخُلُوْنَ النَّصْرَانِيَّةَ فَاَبَوْا وَقَالُوْا يَا مُحَمَّدَاهُ!

یعنی ایک بار نصارائے روم ان کو قید کر کے لے گئے۔ بادشاہ نے ان کو کہا، میں تم کو سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تم کو بیاہ دوں گا، تم نصرانی ہو جاؤ، انھوں نے نہ مانا اور ندا کی یَا محمَّداہُ۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اُس میں ڈال دیا، تیسرے صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچا لیا۔ وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے۔ انھوں نے حال پوچھا، فرمایا:

مَا كَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَةَ الَّتِیْ رَأَيْتَ حَتّٰى خَرَجْنَا فِی الْفِرْدَوْسِ

بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا تھا اس کے بعد ہم جنت اعلیٰ میں تھے۔

امام فرماتے ہیں:

كَانُوْا مَشْهُوْرِيْنَ بِذَالِكَ مَعْرُوْفِيْنَ بِالشَّامِ فِی الزَّمَنِ الْاَوَّلِ.

یہ حضرات زمانۂ سلف میں شام میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف ہے۔

پھر فرمایا کہ شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے، ازاں جملہ یہ

بیعت ہے۔

سَیُعْطِی الصَّادِقِیْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ
نَجَاۃً فِی الْحَیَاۃِ وَفِی الْمَمَاتِ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو ان کی سچائی کی برکت سے حیات و موت میں نجات بخشے گا۔(شرح الصدور، مطبوعہ خلافت اکیڈمی سوات،ص ۸۹،۹۰)

یہ واقعہ نہایت عجیب ،نفیس اور روح پرور ہے میں بخیالِ تطویل اسے مختصر کر گیا۔ تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور میں ہے۔ مَنْ شَاءَ فَلْیَرْجِعْ اِلَیْہِ۔یہاں مقصود اس قدر ہے، کہ مصیبت میں یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! کہنا اگر شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی؟ اور جنت الفردوس میں داخل ہونا کیا معنیٰ؟ اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول؟ اور ان آئمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اور ان کی شہادت و ولایت کس وجہ سے مسلم رکھی اور وہ مردانِ خدا خود بھی سلفِ صالح میں تھے، کہ یہ واقعہ شہر طرطوس سے آبادی سے پہلے کا ہے۔ کَمَا ذُکِرَ فِی الرِّوایَۃِ نَفْسِھَا اور طرطوس ایک ثغر ہے، یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر، جسے خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے آباد کیا۔ کَمَا ذَکَرَہُ الْاِمَامُ السُّیُوطِیُّ فِیْ تَارِیْخِ الْخُلَفَاءِ. ہارون الرشید کا زمانہ زمانہ تابعین و تبعِ تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے لا اقل تبع تابعین سے تھے۔

وَاللّٰہُ الْھَادِیْ

حضور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ وَمَنْ نَادٰى بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فُرِّجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ حَاجَتِهٖ. قُضِيَتْ لَهٗ وَمَنْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ يَقْرَءُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ اِحْدٰى عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ يُصَلِّیْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ السَّلَامُ وَيُسَلِّمَ عَلَيْهِ. ثُمَّ يَخْطُوْ اِلٰى جِهَةِ الْعِرَاقِ اِحْدٰى عَشْرَةَ خُطْوَةً يَذْكُرُ فِيْهَا اِسْمِیْ وَ يَذْكُرُ حَاجَتَهٗ فَاِنَّهَا تُقْضٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ (بہجۃ الاسرار ص ۱۰۲، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

یعنی، جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے، وہ تکلیف رفع، اور جو کسی حاجت میں اللہ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت برآئے اور جو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے، پھر عراق شریف کی، طرف گیارہ قدم چلے۔ ان میں میرا نام لیتا جائے، اور اپنی حاجت یاد کرے، اس کی وہ حاجت روا ہو اللہ کے اذن سے۔

اکابر علمائے کرام و اولیائے عظام مثل امام ابو الحسن نور الدین علی بن جریر لخمی شطنوفی۔ و امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی و مولانا علی قاری مکی صاحب مرقاۃ شرحِ مشکوۃ و مولانا ابو المعالی[1] محمد سلمی قادری و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اپنی تصانیف جلیلہ بہجۃ الاسرار و خلاصۃ المفاخر و نزہتہ الخاطر و تحفۂ قادریہ و زبدۃ الآثار، وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے نقل و روایت فرماتے

[1] مزار مطہر لاہور میں واقع ہے۔ ۱۲

ہیں ۔ یہ امام ابوالحسن نور الدین علی مصنف بہجۃ الاسرار شریف اعاظم علماء و آئمہ قرأت و اکابرِ اولیاء و سادات طریقت سے ہیں۔ امام اجل حضرت ابو صالح نصر قدس سرہٗ سے فیض حاصل کیا۔ انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہٗ سے انھوں نے اپنے والد ماجد حضور پُر نور سید السّادات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زبدۃ الآ ثار شریف میں فرماتے ہیں:

یہ کتاب بہجۃ الاسرار، کتاب عظیم و شریف و مشہور اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالمِ معروف و مشہور، اور ان کے احوالِ شریفہ کتابوں میں مذکور و مسطور۔

امام شمس الدین ذہبی، کہ علم حدیث و اسماء الرّجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار، اس جناب کی مجلسِ درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب طبقات[۲] المقرئین میں ان کے مدائح لکھے۔ امام محدّث محمد بن محمد بن محمد جزری مصنف حِصن حصین اس جناب کے سلسلۂ تلامذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب مستطاب اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند و اجازت حاصل کی۔ اس سب باتوں کی تفصیل اور اس نماز مبارک کا دلائل شرعیہ و اقوال و افعالِ علماء و اولیاء سے ثبوت جلیل فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے رسالہ انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار میں ہے:

فَعَلَیْکَ بِهَا تَجِدُ فِیْهَا مَا یَشْفِي الصُّدُوْرَ وَ یَکْشِفُ الْعَمٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

---

[۲] اس کتاب میں امام شمس الدین ذہبی اور حسن المحاضرہ میں امام جلال الدّین سیوطی نے اس جناب کو امام الاوحد لکھا، یعنی امام یکتا، بے نظیر، قدس سرہٗ۔

امامِ عارف باللہ سیّدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہٗ الرّبانی کتاب مستطاب لواقع الانوار فی طبقات الاخیار میں فرماتے ہیں:

سیّدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے جانور کا پاؤں پھسلا۔ بہ آواز پکارا۔ یا سیدی محمد یاغمری۔ ادھر ابن عمر حاکم سعید کو بحکم سلطان چقمق قید کرنے کے لئے جاتے تھے۔ ابن عمر نے فقیر کی ندا سنی۔ پوچھا یہ سیّدی محمد کون ہیں؟ کہا۔ میرے شیخ۔ کہا، میں ذلیل بھی کہتا ہوں۔ یا سیّدی محمّد یا غمری لَاحِظْنِیْ. اے میرے سردار! اے محمد غمری! مجھ پر عنایت کرو۔"

ان کا یہ کہنا تھا کہ حضرت سیّدی محمد غمری رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور مدد فرمائی، کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی۔ مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا۔ (عبدالوہاب شعرانی امام، طبقات الکبری، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ مصر، ج ۲ ص ۹۴)

اسی میں ہے:

سیدی محمد شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالی عنہ اپنے حجرۂ خلوت میں وضو فرما رہے تھے، ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہوگئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے جب تک وہ پہلی واپس آئے۔

ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع ہدایا لے کر حاضر آیا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے، جب چور میرے سینے پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا، میں نے اپنے دل میں کہا، یا سیّدی محمد

یا حنفی۔ اسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آ کر اس کے سینے پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہو گیا اور مجھے بہ برکتِ حضور، اللہ عزّ وجل نے نجات بخشی۔

(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

اسی میں ہے۔

ولی ممدوح قدس سرہ، کی زوجۂ مقدسہ بیماری سے قریب مرگ ہو گئیں، وہ یوں ندا کرتی تھیں۔

یَا سَیِّدِیْ اَحْمَدُ یَا بَدْوِیُّ خَاطِرُکَ مَعِیَ

اے میرے سردار، اے احمد بدوی، حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے۔

ایک دن حضرت سیّدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا، کہ فرماتے ہیں، کہ کب تک مجھے پکارے گی اور فریاد کرے گی، تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحب تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے، اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے۔ ہم اس کی ندا پر اجابت نہیں کرتے۔ یوں کہو:

یَاسَیِّدِیْ مُحَمَّدُ یَا حَنَفِیُّ.

یہ کہے گی تو تجھے اللہ تعالیٰ عافیت بخشے گا۔ ان بی بی نے یوں ہی کہا۔ صبح کو خاصی تندرست اُٹھیں، گویا کبھی مرض نہ تھا۔

(امام عبدالوہاب شعرانی، طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴)

اسی میں ہے، حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے:

مَنْ کَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْیَأْتِ اِلٰی قَبْرِیْ وَیَطْلُبْ حَاجَتَهٗ

اَقْضِهَا لَهٗ، فَاِنَّ مَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ غَيْرَ ذِرَاعٍ مِّنْ تُرَابٍ وَكُلُّ رَجُلٍ يَحْجِبُهٗ عَنْ اَصْحَابِهٖ ذِرَاعٌ مِنْ تُرَابٍ فَلَيْسَ بِرَجُل

(امام عبدالوہاب شعرانی ،طبقات الکبریٰ، مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ مصر ج ۲ ص ۹۶)

جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہوکر اپنی حاجت مانگے۔ میں روا فرما دوں گا کہ مجھ میں تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہی تو حائل ہے اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کردے وہ مرد ہی کا ہے کا ہے۔

اسی طرح حضرت محمد بن فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوالِ شریفہ میں لکھا ہے:

كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اَنَا مِنَ الْمُتَصَرِّفِيْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَمَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْيَأْتِ اِلٰى قُبَالَةِ وَجْهِيْ وَيَذْكُرْهَا لِيْ اَقْضِهَالَهٗ (طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۵)

فرمایا کرتے تھے۔ میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں، جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس میرے چہرے کے سامنے حاضر ہوکر مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرمادوں گا۔

اسی میں ہے، مروی ہوا:

ایک دن حضرت سیّدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضو فرماتے وقت ایک کھڑاؤں بلادِ مشرق کی طرف پھینکی۔ سال بھر کے بعد ایک شخص حاضر ہوئے اور وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی۔ انھوں نے حال عرض کیا، کہ جنگل میں ایک بدوضع نے ان کی صاحبزادی پر دست درازی چاہی۔ لڑکی کو اس وقت اپنے باپ کے پیر و مرشد حضرت سیدی مدین کا نام

معلوم نہ تھا، یوں ندا کی:

یَا شَیْخَ اَبِیْ لَاحِظْنِیْ: اے میرے باپ کے پیر ومرشد! مجھے بچائیے۔ یہ ندا کرتے ہی، وہ کھڑاؤں آئی، لڑکی نے نجات پائی۔ وہ کھڑاؤں ان کی اولاد میں اب تک موجود ہے۔(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۲)

اسی میں سیدی موسیٰ ابوعمران رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

كَانَ اِذَا نَادَاهُ مُرِيْدُه' اَجَابَه' مِنْ مَّسِيْرَةِ سَنَةٍ اَوْ اَكْثَرَ.

جب ان کا مرید جہاں کہیں سے انھیں ندا کرتا، جواب دیتے اگرچہ سال بھر کی راہ پر ہوتا یا اس سے زائد۔(طبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱)

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار شریف میں ذکر مبارک حضرت سیّد اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم عطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت ممدوح کے رسالۂ مبارکہ شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں۔

''ذکر کشفِ ارواح یا احمد یا محمد در دو طریق است
یک طریق آنست یا احمد را در راست بگوید و یا محمد در
چپ بگوید و در دل ضرب کند۔
یا رسول اللہ!
طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راست بگوید و در
چپ یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفیٰ۔
دیگر ذکر یا احمد۔ یا محمد۔ یا علی۔ یا حسنؑ۔ یا حسینؑ۔
یا فاطمہ شش طرفے ذکر کند، کشف جمیع ارواح شود۔

ودیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند۔ یا
جبرئیل یا میکائیل یا اسرافیل۔ یا عزرائیل۔ چہار
ضربی۔
دیگر ذکر اسم شیخ، یعنی بگوید یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید
کہ حرف ندارا از دل بکشد، طرف راست۔ ہر دو لفظ
شیخ رادر دل ضرب کند۔"

(اخبار الاخیار ص ۳۰۵ مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند)

حضرت سیّدی نور الدین عبدالرحمٰن مولانا جامی قدس سرہٗ السامی کتاب نفحات الانس شریف میں حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ مولانا روح اللہ روحہ نے قریب انتقال ارشاد فرمایا:

"از رفتن من غمناک مشوید کہ نور منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ بعد از صد و پنجاہ سال بر روح شیخ فرید الدین
عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ تجلی کردہ، مرشد او شد (اور فرمایا)
در حالتیکہ باشید مرا یاد کنید۔ تا من شمارا مد باشم، در ہر
لباسیکہ باشم۔

اور فرمایا:

"در عالم مارا دو تعلق است ۔ یکے بہ بدن و یکے
بشمار وچوں بہ عنایت حق سبحانہ، و تعالیٰ فرد مجرد شوم و
عالمِ تجرید وتفرید روئے نماید۔ آں تعلق نیز از آں شما
خواہد بود۔" (نفحات الانس جامی اُردو ص ۷۰۲، مطبوعہ مدینہ
پبلشنگ کمپنی کراچی)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم'' میں لکھتے ہیں۔

ا وَصَلّٰی عَلَیْکَ اللّٰہُ یَا خَیْرَ خَلْقِہٖ
وَیَا خَیْرَ مَا مُوْلٍ وَیَا خَیْرَوَاھِبٖ
وَیَا خَیْرَ مَنْ یُّرْجٰی لِکَشْفِ رَزِیَّۃٍ
وَمِنْ جُوْدُہٗ قَدْ فَاقَ جُوْدَ السَّحَائِبٖ
وَ اَنْتَ مُجِیْرِیْ مِنْ ھُجُوْمِ ظُلْمَۃٍ
اِذَا اَنْشَبَتْ فِی الْقَلْبِ شَرُّ الْمَخَالِبٖ

اور خود اس کی شرح و ترجمہ میں کہتے ہیں: (فصل یازدہم)

''در ابتہال بہ جناب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت فرستد برتو خدائے تعالیٰ اے بہترین خلق خدا و اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شود۔ اے بہترین عطا کنندہ۔ وائے بہترین کسیکہ امید داشتہ باشد برائے ازالۂ مصیبتے۔ وائے بہترین کسیکہ سخاوت او زیادہ است از باراں (بارہا گواہی میدہم) کہ تو پناہ دہندہ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتیکہ بخلاند در دل بدترین

ا اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے، اے اس کی بہترین مخلوق اور اے بہترین امیدگاہ اور اے بہترین عطا فرمانے والے اور اے وہ بہترین ذات جس سے مصیبت زائل کرنے کی تمنا کی جاتی ہے اور وہ کہ جس کی سخاوت بادلوں سے بھی زائد ہے۔ آپ مصائب کے ہجوم سے مجھ کو پناہ دینے والے ہیں جبکہ دل میں بدترین پنجے چبھ جائیں۔

چنگالہا۔(اھ ملخصاً) (اطیب النغم ص ۲۲، مجتبائی دہلی)

اسی کے شروع میں لکھتے ہیں:

ذکر[1] بعضِ حوادثِ زماں کہ در آں حوادث لا بد است از استمداد بروحِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اطیب النغم ص ۲)

اسی کی فصل اوّل میں لکھتے ہیں:

[2] ''بنظرنے آید مرا مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ جائے دست زدن اندوہ گیں است، و ہر شدّ تے۔'' (اطیب النغم ص ۴، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

یہی شاہ صاحب قصیدۂ مدحیہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

[3] يُنَادِیْ ضَارِعاً بِخُضُوْعِ قَلْبٍ ۔۔۔ وَذُلٍّ وَابْتِهَالٍ وَ الْتِجَآءٍ
رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا ۔۔۔ نَوَالَکَ اَبْتَغِیْ يَوْمَ الْقَضَآءِ
اِذَا مَا حَلَّ خَطْبٌ مُدْلَهِمٌّ ۔۔۔ فَاَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَاءِ
اِلَيْکَ تَوَجُّهِیْ وَبِکَ اسْتِنَادِیْ ۔۔۔ وَفِيْکَ مَطَامِعِیْ وَبِکَ ارْتِجَآئِیْ

---

[1] ذکر زمانہ کے ان بعض مصائب کا جن میں روحِ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استمداد لینا ضروری ہے۔

[2] مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں نظر آتا، جو ہر غمگین کے لئے ہر شدت میں سہارا ہیں۔

[3] ترجمہ اشعار: آہ و زاری، خضوع قلب، ذلت و ابتہال اور پناہ حاصل کرتے ہوئے ندا کرے اللہ کے رسول کو، اے بہترین مخلوق! قضاء کے دن میں آپ ہی کی عطا کا طالب ہوں۔ جبکہ کوئی بڑی مصیبت نازل ہو تو آپ ہی ہر مصیبت سے بچانے والے قلعہ ہیں، آپ ہی کی طرف میری توجہ ہے اور آپ ہی پر میرا اعتماد ہے اور آپ ہی سے امید اور طمع ہے۔

اور خود ہی اس کی شرح و ترجمہ میں لکھتے ہیں۔ فصل ششم۔

"در مخاطبہ جناب عالی افضل الصلوٰت و اکمل التحیات والتسلیمات ندا کند زار و خوار شدہ، بشکستگی دل و اظہار بے قدری خود بہ اخلاص در مناجات و بہ پناہ گرفتن با ایں طریق کہ اے رسُول خدا! اے بہترین مخلوقات! عطائے ترا می خواہم روز فیصل کردن و فتیکہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی۔ پس تو پناہ از ہر بلا۔ بسوئے تست روا آوردن من بسوئے تست پناہ گرفتن من و بہ تست امید داشتن من۔ اھ ملخصاً۔ (ص ۳۴ مطبع مجتبائی)

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں قضائے حاجت کے لئے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل کرتے ہیں:

"اوّل[1] دو رکعت نفل، بعد ازاں یک صد و یازدہ بار درود شریف و بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمۂ تمجید و یکصد و یازدہ بار شَیْئاً لِلّٰہِ یَا شَیْخ عَبْدَالْقَادِرْ جِیْلَانِیْ"

اسی انتباہ سے ثابت کہ یہی شاہ صاحب اور ان کے شیخ و استاذ حدیث مولانا ابو طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدّتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث پڑھی۔ اور ان کے شیخ و استاذ و والد مولانا ابراہیم کر دی، اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاشی، اور ان کے استاذ مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے

---

[1] پہلے دو رکعت نفل اس کے ایک سو گیارہ مرتبہ درود شریف اور اس کے بعد ایک سو گیارہ مرتبہ کلمہ تمجید اور ایک سو گیارہ بار، شیئاً لِلّٰہِ یا شیخ عبدالقادِر جِیلانی پڑھے۔

استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیر و مرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں شیخ معمر ثقہ کہا، اور اعیانِ مشائخ طریقت سے گنا، اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولانا عبدالملک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ سنادی کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر و مرشد مولانا وجیہ الدین علوی شارح ہدایہ و شرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہم الرحمۃ الملک الباری، یہ سب اکابر نادعلی کی سندیں لیتے اور اپنے تلامذہ اور مستفیدین کو اجازتیں دیتے اور یا علی یا علی کا وظیفہ کرتے وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ السَّاطِعہ، جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسائل انہار الانوار، اور حیات الموات فی بیان سماع الاموات کی طرف رجوع کرے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں حضرت ارفع و اعلیٰ امام العلماء نظام الاولیاء حضرت سیّدی احمد زروق مغربی قدس سرہٗ استاد امام شمس الدین لقانی و امام شہاب الدین قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم لکھی کہ وہ جناب ابدال سبعہ و محققین صوفیہ سے ہیں، شریعت و حقیقت کے جامع، باوصف علو باطن ان کی تصانیف علوم ظاہری میں بھی نافع و مفید بکثرت ہیں۔ اکابر علماء فخر کرتے تھے کہ ہم ایسے جلیل القدر عالم و عارف کے شاگرد ہیں، یہاں تک کہ لکھا:

"بالجملہ مرد جلیل القدر یست کہ مرتبۂ کمالِ اوفوق الذکر است۔" پھر اس جناب جلالت مآب کے کلام پاک سے دو بیتیں نقل کیں، کہ فرماتے ہیں:۔

اَنَــا لِـمُـرِیْـدِیْ جَـامِـعٌ لِّشِتَـاتِـهٖ
اِذَا مَــآ سَـطَـاجَـوْرُ الـزَّمَـانِ بِـنَـكْبَةٍ
وَاِنْ كُـنْـتَ فِـيْ ضِـيْقٍ وَّ كَـرْبٍ وَّ وُحْشَةٍ
فَــنَــادِ بِـيَـا زَرُوْقُ اٰتِ بِـسُــرْعَةٍ

"یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں، جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے اور اگر تو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو یوں ندا کر" یا زَرُوْق" میں فوراً آ موجود ہوں گا۔"(بستان المحدثین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۳۲۵، مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

علاّمہ زیادی پھر علامہ اجہوری صاحب تصانیف کثیرہ مشہورہ پھر علاّمہ داؤدی محشی شرح منہج پھر علاّمہ شامی صاحب ردالمحتار حاشیہ درمختار، گم شدہ چیز کے ملنے کے لئے فرماتے ہیں کہ بلندی پر جا کر حضرت سیّد احمد بن علوان یمنی قدس سرہٗ کے لئے فاتحہ پڑھے، پھر انھیں ندا کرے کہ یا سیّدی احمد یا ابن علوان۔

شامی مشہور و معروف کتاب ہے، فقیر نے اس کے حاشیئے کی عبارت اپنے رسالہ حیاۃ الموات کے ہامش تکملہ پر ذکر کی۔(علامہ ابن عابد بن شامی، ردالمحتار، مطبوعہ دارالکتب العربیہ الکبریٰ، مصر، ج ۳ ص ۳۵۵)

غرض یہ صحابہٗ کرام سے اس وقت تک کے اس قدر آئمہ و اولیاء علماء ہیں جن کے اقوال فقیر نے ایک ساعتِ قلیلہ میں جمع کئے۔ اب مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا چاہیئے کہ عثمان بن حنیف وعبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمر صحابہٗ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر، شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اساتذہ و مشائخ تک سب کو کافر و مشرک کہتے

ہو، یا نہیں؟ اگر انکار کریں تو الحمد للہ، ہدایت پائی اور حق واضح ہوگیا اور بے دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری کریں، تو ان سے اتنا کہیے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو کسے کہا، اور کیا کچھ کہا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ اور دل میں جان لیجئے کہ جس مذہب کی بنا پر صحابہ سے لے کر اب تک کے اکابر سب معاذ اللہ مشرک و کافر ٹھہریں وہ مذہب خدا اور رسول کا کس قدر دشمن ہوگا۔

صحیح حدیثوں میں آتا ہے، کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے، خود کافر ہے، اور بہت آئمہ دین نے مطلقاً اس پر فتویٰ دیا جس کی تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ اَلنَّهْىُ الْاَكِيْدُ عَنِ الصَّلٰوةِ وَرَاءِ عَدَى التَّقْلِيْد ۱۳۰۵ھ میں ذکر کی، ہم اگرچہ بحکم احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر میں کلام نہیں، کہ ایک گروہ آئمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یا رسول اللہ و یا علی وَ یا حسین وَ یا غوث الثقلین کہنے والوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں، خود کافر ہیں، تو انھیں لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں، درمختار میں ہے۔

مَا فِيْهِ خِلَافٌ يُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَةِ وَ تَجْدِيْدِ النِّكَاحِ

(فائدہ) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل سے التحیات ہے جسے ہر نمازی، نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے کہ:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ

سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں

اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ○

اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسی ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے، نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ندا۔

حاشا وکلا، شریعتِ مطہرہ نے نماز میں کوئی ایسا ذکر نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں۔ نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے کہ التحیات للہ والصلوٰت و الطیبات سے حمد الٰہی کا قصد رکھے اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ' سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو سلام کرتا، اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

فتاوٰی عالمگیری میں اور شرح قدوری میں ہے۔

لَا بُدَّ اَنْ يَّقْصُدَ بِاَلْفَاظِ التَّشَهُّدِ مَعَانِيْهَا الَّتِيْ وُضِعَتْ لَهَا مِنْ عِنْدِهٖ كَاَنَّهٗ' يُحَيِّ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ يُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى نَفْسِهٖ وَعَلٰى اَوْلِيَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى.

تشہد کے الفاظ میں اس کے ان معانی کا قصد کرنا ضروری ہے جن کے لئے یہ الفاظ موضوع ہیں گویا اللہ کی تعظیم کر رہا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج رہا اور خود اپنے اوپر اور، اولیاء اللہ پر۔

تنویر الابصار، اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ:

(وَيَقْصِدُ بِالْفَاظِ) التَّشَهُّدِ مَعَانِيهَا مُرَادَةً لَّه‘ عَلٰی وَجْهِ الْاِنْشَاءِ كَاَنَّه‘ يُحَيِّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَ يُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَعَلٰى نَفْسِهٖ وَ عَلٰى اَوْلِيَآئِهٖ (لَا الْاَخْبَار) عَنْ ذٰلِكَ ذِكْرُه فِي الْمُجْتَبٰى)

(تنویر الابصار مع ردالمختار، مطبوعہ بیروت ج ا ص ۳۴۲)

تشہد کے الفاظ سے ان کے معانی مراد ہونے چاہئیں، بطور انشا گویا خدا کی تعظیم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے آپ پر اور اللہ کے اولیاء پر سلام بھیج رہا ہے، اس سے مراد صرف خبر دینا نہ ہو۔

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرحِ نور الایضاح میں فرماتے ہیں۔

يَقْصُدُ مُعَانِيَهِ مُرَادَةً لَهُ عَلٰى انه‘ يَنْشِئُهَا تَحِيَّةً وَّسَلَاماً مِنْهُ

(مراقی الفلاح مع شرح الطحاوی مطبعۃ الازہریہ مصر، ص ۱۶۵)

اس کے معانی مراد ہوں، گویا اپنی طرف سے سلام وتحیت کا انشاء کررہا ہے۔

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی، اس پر بعض سفہائے منکرین یہ عذر گھڑتے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام پہنچانے پر ملائکہ مقرر ہیں تو ان میں ندا جائز ہے اور ان کے وراء میں ناجائز۔ حالانکہ یہ سخت جہالت بے مزہ ہے۔ قطع نظر بہت اعتراضوں سے جو اس پر وارد ہوتے ہیں، ان ہوشمندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ صرف درود وسلام ہی نہیں بلکہ امت کے تمام اقوال و افعال و اعمال روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلی علیہ وسلم میں عرض کئے جاتے ہیں اور یوں ہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین واعزاء واقارب سب پر عرضِ اعمال ہوتی ہے۔

فقیر نے وہ سب حدیثیں اپنے رسالہ "سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ ۱۲۹۷ھ میں جمع کیا ہیں، یہاں اسی قدر بس ہے کہ امام اجل عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

لَیْسَ مِنْ یَوْمٍ اِلَّا و تُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْمَالُ اُمَّتِہٖ غُدْوَۃً وَّ عَشِیًّا فَیَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھِمْ وَاَعْمَالِھِمْ

(محمد عبدالباقی زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، دارالمعرفۃ بیروت، ج۵ ص ۳۳۷)

یعنی کوئی دن ایسا نہیں جس میں سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہ اعمال امت پیش نہ کیے جاتے ہوں۔

تو حضور کا اپنے امتیوں کو پہچاننا، ان کی علامت اور ان کے اعمال دونوں وجہ سے ہے: فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعلٰی اٰلِہٖ وَصحبہٖ اجمعین

بے ربط ہیں، فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ بہ توفیق اللہ عزوجل، اس مسئلے میں ایک مبسوط کتاب لکھ سکتا ہے، مگر منصف کے لئے اسی قدر وافی اور خدا ہدایت دے تو ایک حرف کافی۔

اِکْفِنَا شَرَّ الْمُضِلِّیْنَ یَا کَافِیْ وَصَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَولٰنَا الْمُحَمَّدِ نِ الشَّافِیْ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ حُمَاۃِ الدِّیْنِ الصَّافِیْ۔ اٰمِیْن

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

کتب ماخذ

نام کتاب	نام مصنف
(۱) صحاح ستہ	
(۲) کتاب الاذکار	ابوذکریا نووی
(۳) نسیم الریاض	خفاجی
(۴) الکامل	
(۵) تہذیب التہذیب	
(۶) فتاویٰ شہاب رملی	
(۷) عیون الحکایات	ابن جوزی
(۸) شرح الصدور	جلال الدین سیوطی
(۹) اخبار الاخیار	شیخ عبدالحق
(۱۰) نفحات الانس	عبدالرحمٰن جامی
(۱۱) اطیب النعم	شاہ ولی اللہ

ان کتب کے علاوہ اور کتب کے، حوالہ جات بھی ہیں!
مجموعی تعداد باسٹھ (۶۲) ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَفْیُ الْفَیْءِ عَمَّنْ اَنَارَ بِنُوْرِہٖ کُلَّ شَیْءٍ

حضور پرنور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا بیان

تصنیفِ لطیف

امامِ اہلِ سنت مجددِ اعظم دین و ملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں
رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

تقدیم

حضور پُر نُور علیہ السلام کو قرآن نے نور کہا ہے۔ امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق آپ نور ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو سراپا معجزہ بنایا تھا، آپ کی ذات سے کچھ احوال و کیفیات بشریت کے تقاضوں کے مطابق سرزد ہوئے تھے اور کچھ نورانیت کے تقاضوں کے مطابق، آپ کا سایہ نہ ہونا، یہ آپ کی نورانیت کی وجہ سے تھا۔

احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں تھا اور نہ ماہتاب کی روشنی میں۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم و تقویٰ کو سب ہی مانتے ہیں آپ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ ''سایۂ سایہ والی چیز سے لطیف ہوا کرتا ہے اور اللہ نے عالم خلق بلکہ عالم امر میں بھی کوئی مخلوق آپ سے زائد لطیف پیدا نہیں کی ہے تو پھر آپ کا سایہ کیونکر ہو سکتا تھا؟

بہرحال اس مسئلہ کو پوری وضاحت سے سمجھنے کے لئے نفی الفی کا مطالعہ فرمائیں، قمر التمام میں بھی اس مسئلے پر گفتگو ہے۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

قَدْجَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسم انور کے سایہ نہ ہونے کے اثبات و احقاق اور مخالفین کے اسکات و ازہاق میں یہ پرنور رسالہ ایمانی قلوب کو انوار الٰہی سے پرنور کردینے والا ہے۔

الحمد للّٰه الذی خلق قبل الاشیاء نور نبیّنا من نوره وفلق الانوار جمیعا من لمعات ظهوره فهو صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم نور الانوار و ممد جمیع الشموس والاقمار سمّاه ربّه فی کتابه الکریم نورًا وّ سراجا منیرا فلولا انارته لما استنارت شمس ولا تبین یوم من امس ولا تعین وقت للخمیس صلی اللّٰه تعالٰی علیه و علی المستنیرین بنوره المحفوظین عن الطمس جعلنا اللّٰه تعالٰی منهم فی الدنیا و یوم لا یسمع الاّ همس.

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سایہ تھا یا نہیں۔ بیّنوا توجروا.

الجواب:

بے شک اس مہرِ سپہر اصطفاء، ماہ منیر اجتباء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور یہ امر احادیث و اقوال علمائے کرام سے ثابت اور اکابر آئمہ و فضلاء مثل حافظ رزین محدث و علامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور و

امام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ و امام عارف باللہ سیّدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہٗ و علامہ حسین بن محمد یار بکری و اصحاب سیرت شامی و سیرت حلبی و امام علامہ جلال الملّۃ والدین سیوطی و امام شمس الدین ابو الفرج ابن جوزی محدث صاحب کتاب الوفاء و علامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الرّیاض و امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و منحِ محمدیہ و فاضل اجل محمد زرقانی مالکی، شارح مواہب و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی و جناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی و بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی و شیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیرہم اجلہ فاضلین و مقتدایان کہ آج کل کے مدّعیان خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں، خلفاً عن سلف دائماً اپنی تصانیف میں اس کی تصریح کرتے آئے، اور مفتی عقل و قاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے اس کی تاسیس و تشیید کی۔

فقد اخرج الحکیم الترمذی عن ذکو ان انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم لم یکن یریٰ لہ ظلّ فی شمس ولا قمر.

(ابن جوزی کتاب الوفاء، ج ۲ ص ۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ)

یعنی سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا، دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

سیّدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، سے روایت کرتے ہیں۔

قال لم یکن لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ظل ما قام مع شمس الّا غلب ضوء ہ ضوء ھا ولا مع السّراج الاّ غلب ضوء ہ ضوء ہ.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آ گیا اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیا میں، مگر یہ حضور تابش نور نے اس کی چمک کو دبا لیا۔

امام علام حافظ جلال الملّۃ والدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب خصائص کبریٰ میں اس معنی کے لئے ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث ذکوان ذکر کر کے نقل کیا۔

قال ابن سبع من خصائصه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اِنَّ ظلّه کان لا یقع علی الارض و انه کان نورا فکان اذا مشٰی فی الشمس او القمر لا ینظر له ظلّ قال بعضهم و یشهد له حدیث قوله صلی اللّٰہ و سلم فی دعائه واجعلنی نوراً

(خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۶۹، دارالکتب الحدیثیۃ، مصر)

یعنی ابن سبع نے کہا: حضور کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑھتا تھا اور آپ نور محض تھے، تو جب آپ دھوپ یا چاندنی میں چلتے آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض علماء نے فرمایا، اور اس کی شاہد وہ حدیث ہے کہ حضور نے دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور کر دے۔

نیز انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب

ثانی فصلِ رابع میں فرماتے ہیں:

لم یقع ظلّہ علی الارض ولارُءِیَ لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع لانّہ کان نورا قال رزین لغلبۃ انوارہ.

(جلال الدین سیوطی، اخوذج اللبیب ص ۵۳ مطبع الکتاب لاہور)

یعنی: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا اور حضور کا سایہ نظر نہ آیا دھوپ میں اور نہ چاندنی میں، ابن سبع نے فرمایا، یہ اس لئے کہ حضور نور ہیں۔ امام رزین نے فرمایا، اس لئے کہ حضور کے انوار سب پر غالب ہیں۔

امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں فرماتے ہیں۔

وما ذکر من انہ لا ظلّ تشخصہ فی شمس ولا قمر لا نّہ کان نورا

(شفاء شریف ج ۱ ص ۳۰۶)

یعنی "حضور کے دلائلِ نبوت و آیاتِ رسالت سے ہے وہ بات جو مذکور ہوئی کہ آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ انتہیٰ

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔ دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں کہ ان میں بہ سبب اس کے کہ اجسام، انوار کے حاجب ہوتے ہیں، لہٰذا ان کا سایہ نہیں پڑتا جیسا انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کتاب الوفاء ذکر کر کے، اپنی ایک رباعی انشاء کی (پڑھی) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سایہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بہ سبب حضور کی کرامت و فضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا، اور تعجب

ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سائے میں آرام کرتے ہیں۔

اُمّی و نکتہ دان عالم
بے سایہ و سائبِ عالم

پھر فرماتے ہیں:

بہ تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے، کہ آپ نور روشن ہیں، اور آپ کے بشر ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ وہم کیا گیا اگر تو سمجھے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔

و ھذا نصہ الخفاجی (و) من دلائل نبوتہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم (ما ذکر) بالبناء للمجھول و الذی ذکرہ ابن سبع، (من انہ) بیان ما الموصولۃ (لاظلّ لشخصہ) ای جسدہ الشریف اللطیف اذا کان (فی شمس) ولا قمر) مما تری فیہ الظلال لحجب الاجسام ضوء النیّرین و نحوھما و علل ذٰلک ابن سبع بقولہ (لانّہ) صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم (کان نورًا) والانوار شفافۃ لطیفۃ لا تحجب غیرھا والانوار لاظلّ لھا کما تشاھد فی انوار الحقیقۃ وھٰذا رواہ صاحب الوفاء عن ابن عبّاس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال لم یکن لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ظلّ و لم یقم مع شمس الاغلب ضوءہ ضوءھا ولا مع السراج الّا غلب ضوءہ ضوءہ و قد تقدّم ھذا والکلام علیہ ورباعیتھا فیہ وھی۔ـ

مَا جرّ لظلّ احمد اذیال
فی الارض کرامۃً کما قد قالوا

هذا عجب و کم به من عجب والناس بظله جمیعا قالوا

وقالوا هذا من القیلولة و قد نطق القرآن بانّه النور المبین

و کونه بشرا لا ینا فیه کما تو هّم فان فهمت فهو نورٌ علٰی نور فان

النور هو الظاهر بنفسه المظهر لغیره و تفصیله فی مشکٰوة

الانوار. انتهٰی

(علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض، ج ۳ ص ۲۸۲، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت)

حضرت مولوی معنوی قدس سرّہ القوی دفترِ پنجم، مثنوی شریف

میں فرماتے ہیں۔

چوں فناش از فقر پیرایہ شود　　　او محمد وار بے سایہ شود

(مثنوی شریف، دفترِ پنجم ص ۷۷ مرکزی تحقیقات فارسی پاکستان)

صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم

مولانا بحرالعلوم نے شرح میں فرمایا:

درمصرعِ ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور صلی اللہ تعالیٰ وآلہٖ وسلم کہ آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم را سایہ نمی افتاد۔

امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب لدنیہ و منحِ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سایہ نہ تھا، نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ روایت کیا اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے پھر ابن سبع کا حضور کے نور ہونے سے استدلال اور حدیث اجعلنی نوراً سے استشہاد ذکر کیا۔

حیث قال: لم یکن له صلّی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ظلّ فی

شمس ولا قمر رواہ الترمذی عن ذکوان و قال ابن سبع کان صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نورًا فکان اذا مشٰی فی الشمس او القمر لا یظھر لہ ظلّ قال غیرہ و یشھد لہ قولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نورًا. (مواہب لدنیہ ج۱ص ۲۸۰، مطبوعہ مصر)

اسی طرح سیرت شامی میں ہے:

وزاد عن الامام الحکیم قال معناہ لِئَلّا یَطَأَ علیہ کافر فیکون مذلّۃ لہ۔ (محمد بن یوسف الشامی، سبیل الہدیٰ والرشاد (سیرت شامی) ج ۲ ص ۱۲۳)

یعنی امام ترمذی نے فرمایا، اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایۂ اقدس پر پاؤں نہ رکھے۔

اقول، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لئے جاتے تھے، کہ ایک یہودی حضرت کے گرد اپنے پاؤں سے عجیب حرکات کرتا جاتا، اس سے دریافت فرمایا، بولا بات یہ ہے کہ اور تو کچھ قابو ہم تم پر نہیں پا سکتے، جہاں جہاں تمہارا سایہ پڑتا ہے اسے پاؤں سے روندتا چلتا ہوں۔ ایسے خبیثوں کی شرارتوں سے حضرت حق عزّ وجلالہ، نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو محفوظ فرمایا۔ نیز اسی طرح سیرتِ حلبیہ (ج۳ص۳۳۲، مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ، بیروت) میں ہے قد وما فی شفاءِ الصدور محمد زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور نور ہیں، جیسا کہ ابن سبع نے کہا۔ اُور حافظ رزین محدث فرماتے ہیں، کہ سبب اس کا یہ ہے کہ حضور کا نور ساطع تمام انوار عالم پر غالب تھا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ حکمت اس کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو بچانا ہے اس سے کہ کسی کافر کا پاؤں ان کے سائے پر پڑے (یعنی کسی کافر کا پاؤں حضور کے سائے پر نہ پڑے۔)

وہذا کلامہ: (زرقانی کی اصل عبارت)

(ولم یکن له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ظلّ فی شمس ولا قمر) لانه کان نوراً کما قال ابن سبع و قال رزین بغلبة انواره قیل حکمة ذٰلک صیانته عن ان یطأ کافر علٰی ظلّه (رواه الترمذی الحکیم عن ذکوان ابی السّمان الزیات المدنی) او ابی عمر والمدنی مولٰی عائشة رضی اللّٰه عنها و کل منهما ثقة من التابعین فهو مرسل لکن روی ابن المبارک و ابن جوزی، عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما لم یکن للنّبِی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ظلّ و لم یقم مع الشمس قط اِلاّ غلب ضوء ه ضوء الشمس ولم یقم مع سراج قطّ الاّ غلب ضوء ه ضوء السراج و (وقال ابن سبع کان صلی الله تعالٰی علیه وسلّم نوراً فکان اذا مشٰی فی الشمس او القمر لا یظهر له ظلّ) لان النور لا ظلّ له (وقال غیره و یشهد له قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی دعائه) کما سئل اللّٰه تعالٰی ان یجعل فی جمیع اعضائه وجهاته نورا. ختم بقوله (واجعلنی نوراً) والنّور لا ظلّ له و به اقیم الاستشهاد انتهٰی (علامہ زرقانی، زرقانی شرح مواہب لدنیہ ج ۴ ص ۲۵۳)

حضور کا سایہ آفتاب و ماہتاب دونوں میں نہ تھا، وہ نور تھے جیسا کہ ابن سبع نے کہا اور رزین نے کہا کہ یہ آپ کے انوار کے غلبہ کی وجہ سے تھا

ایک قول یہ ہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر آپ کے سائے کو بھی قدموں تلے نہ روند سکے۔ اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا، یا ابو عمرو المدنی سے جو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے، یہ دونوں ثقات تابعین میں سے ہیں لہٰذا یہ روایت مرسل ہے، لیکن ابن مبارک اور ابن جوزی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب کبھی آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے آپ کی روشنی دھوپ پر غالب آ جاتی تھی، اسی طرح جب چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر آپ کی روشنی غالب آ جاتی تھی اور ابن سبع نے کہا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے، جب آفتاب و ماہتاب کی روشنی میں تو آپ کا سایہ نہ ہوتا تھا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس کی تائید آپ کی اس دعا سے ہوتی ہے کہ آپ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ آپ کے تمام اعضاء کو نور بنا دے اور تمام جہات کو نور بنا دے۔ پھر آپ نے اس دعا کو اس قول سے ختم کیا کہ اے اللہ مجھ کو نور بنا دے" اور نور کا سایہ نہیں ہوتا ہے۔

علامہ حسین بن محمد دیار بکری کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم النوع الرابع ما اختص صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ من الکرامات میں فرماتے ہیں۔

لم یقع ظلہ علی الارض ولا رُءِیَ لہ ظلّ فی شمس ولا قمر

(تاریخ الخمیس ج ا ص ۲۱۹، مطبوعہ مطبع عثمان عبدالرزاق)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا نہ دھوپ میں

اور نہ چاندنی میں نظر آتا۔

بعینہٖ اسی طرح کتاب ''نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار'' میں ہے۔ امام نسفی تفسیر مدارک شریف میں زیر قولہ تعالیٰ

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤمِنُوْنَ وَالْمُومِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا فرماتے ہیں۔ (پ ۱۸ النور آیت ۱۲)

قَالَ عثمان رضیَ اللّٰه عنه اِنَّ اللّٰهَ مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلٰی الْاَرْضِ لِئَلا يَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰی ذٰلِکَ الظِلّ

امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی، بیشک اللہ تعالیٰ نے حضور کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔

امام ابن حجر مکی افضل القری میں زیر قول قدس سرہٗ لم یساووک فی علاک و قد حال سنامتک دونهم

انبیاء علیهم الصلوٰۃ والسلام فضائل میں حضور کے برابر نہ ہوئے، حضور کی چمک اور رفعت حضور تک ان کے پہنچنے سے مانع ہوئی، فرماتے ہیں:

هو مقتبس من تسمیته تعالٰی لنبیّه نورا فی نحو قد جاء کم من اللّٰه نورٌ و کتٰبٌ مّبین. و کان صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یکثر الدّعا بان اللّٰه یجعل کلّا من حواسه و اعضائه و بدنه نورا اظهارًا لوقوع ذٰلک و تفضّل اللّٰه تعالٰی علیه به لیزداد شکره و شکر امته علٰی ذٰلک کما امرنا بالدّعاء الّذی فی اٰخر البقرة

وقوعہ و تفضّل اللّٰہ تعالٰی بہ لذٰلک و ممّا یویّد انّہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صار نورًا انہ کان اذا مشٰی فی الشمس والقمر لا یظھرلہ ظل لانہ لا یظھر الّا للکثیف وھو صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قد خلصہ اللّٰہ تعالٰی من سائر الکثافات الجسمانیّۃ وصیّرہ نوراً صرفا لا یظھر لہ ظلّ اصلاً

یعنی یہ معنی اس سے لئے گئے ہیں کہ اللہ عزّ وجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام نور رکھا مثلاً اس آیت میں کہ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالٰی کی طرف سے نور تشریف لائے اور روشن کتاب اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا فرماتے کہ الٰہی میرے تمام حواس و اعضاء سارے بدن کو نور کردے اور اس دعا سے یہ مقصود نہ تھا کہ نور ہونا ابھی حاصل نہ تھا کہ اس کا حصول مانگتے تھے بلکہ یہ دعا اس امر کے ظاہر فرمانے کے لئے تھی، کہ واقع میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تمام جسم پاک نور ہے اور یہ فضل اللہ عزوجل نے حضور پر کر دیا، جیسا ہمیں حکم ہوا ہے کہ سورہ بقرہ شریف کے آخر کی دعا عرض کریں، وہ بھی اسی اظہار وقوع فضل الٰہی کے لئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور محض ہو جانے کی تائید اس سے ہے کہ دھوپ یا چاندنی میں حضور کا سایہ پیدا نہ ہوتا، اس لئے کہ سایہ تو کثیف کا ہوتا ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کر کے نرا نور کر دیا، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ اصلاً نہ تھا۔

علامہ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن لہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم ظلّ یظھر فی شمس ولاقمر. (ص ۵، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، مصر)

یعنی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں۔

فاضل محمد فہمیہ کی اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و اھل بیتہ الطاھرین، میں ذکر خصائص نبیصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ہے، وانّہ لا فیئ لہ۔ یعنی حضور کا ایک خاصہ یہ ہے کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا۔

مجمع البحار میں برمزش یعنی زبدہ شرحِ شفا شریف میں ہے:

من اسمائہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم النور قیل من خصائصہ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم انّہ اذا مشٰی فی الشمس والقمر لا یظھر ظلّ (الشیخ محمد طاہر، مجمع بحار الانوار، ج ۳ ص ۲۰۲، مطبوعہ لکھنؤ، انڈیا)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک نور ہے، حضور کے خصائص سے شمار کیا گیا کہ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ پیدا نہ ہوتا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز کتاب "مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں:

"ونبود مرآں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم،
سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر، رواہ الحکیم
الترمذی من ذکوان فی نوادر الاصول۔ و
عجب است ازیں بزرگاں کہ ذکر نہ کردند چراغ

را۔ ونور یکہ ز اسمائے آں حضرت است، صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم، ونور را سایہ نمی باشد انتہی۔

ترجمہ: سرکار دو عالم ﷺ کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہ تھا، بروایت حکیم ترمذی از ذکوان، اور تعجب یہ ہے ان بزرگوں نے اس ضمن میں چراغ کا ذکر نہیں کیا اور نور حضور کے اسمائے مبارکہ میں سے ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ (مدراج النبوۃ ج ۱ ص ۴۳، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

جناب شیخ مجدد، جلد سوم مکتوبات صدم میں فرماتے ہیں:

''اورا[۱] صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سایہ نبود۔ در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تراست، چوں لطیف ترے از وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در عالم نباشد، اورا سایۂ چہ صورت دارد۔ (مکتوبات ج ۳ ص ۹۳، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) نیز اسی کے آخر مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں۔

---

[۱] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، عالمِ شہادت میں ہر چیز کا سایہ، خود اس چیز سے لطیف ہوتا ہے، چونکہ عالم میں آپ سے زائد کوئی چیز لطیف نہیں، نیز اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ واجب تعالیٰ کا سایہ کیوں کر ہوگا، پھر سایہ سے اہم ہوتا ہے کہ مثل پیدا ہو سکتا اور یہ بھی کہ اصل لطیف نہیں ہے، جب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو خدائے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے۔

واجب را تعالیٰ چرا ظل بود، کہ ظل موہم تولید مثل است ومنبی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل۔ ہرگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را از لطافت ظل نبود، خدائے محمد را چگونہ ظل باشد (مکتوبات ج ۳ ص ۱۵۵، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورہ والضحیٰ میں لکھتے ہیں: سایۂ ایشاں بر زمیں نمی افتاد۔ (تفسیر عزیزی ج ۳ ص ۳۱۲)

فقیر کہتا ہے، غفر اللہ لہ، استدلال امام ابن سبع کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سراپا نور ہونے سے جس پر بعض علماء نے حدیث واجعلنی نوراً، سے استشہاد اور علمائے لاحقین نے اسے اپنے کلمات میں بنظر احتجاج یاد کیا، ہمارے مدعا پر دلالت واضح یہ ہے، کہ دلیل شکل اول بدیہی الانتاج دو مقدموں سے مرکب صغریٰ یہ کہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں، اور کبریٰ یہ کہ نور کیلئے سایہ نہیں۔ جو شخص ان مقدموں کو تسلیم کرے گا، تو نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، آپ ہی پائے گا، اور دونوں مقدموں سے کوئی بھی مقدمہ ایسا نہیں ہے۔ جس میں مسلمان ذی عقل کو کوئی گنجائش گفتگو ہو، کبریٰ تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی اور مشاہدۂ بصر اور شہادت بصیرت سے ثابت، کہ سایہ تو، اس جسم کا پڑے گا جو کثیف ہو، اور انوار کو اپنے ماوراء سے حاجب، نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے۔ مثلاً دیکھو، آفتاب کے لئے سایہ نہیں اور صغریٰ، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور ہونا مسلمان کا تو ایمان ہے، حاجت بیان حجت نہیں، مگر تبکیت معاندین کے لئے اس قدر اشارہ ضروری ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنَا شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًاO (پ۲۲ الاحزاب آیت ۴۵،۴۶)

اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا، گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ چمکتا۔

یہاں سراج سے مراد چراغ ہے، یا ماہ یا مہر، سب صورتیں ممکن ہیں، اور خود قرآنِ عظیم میں آفتاب کو سراج فرمایا: وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ اور بنایا پروردگار نے چاند کو نور آسمانوں میں اور بنایا سورج کو چراغ۔ اور فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌO (پ ٦ المائدہ آیت ۱۵)

بے تحقیق آیا تمہارے پاس خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن۔

علمائے فرماتے ہیں۔ یہاں نور سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اسی طرح آیہ کریمہ والنجم اذا ھویٰ (النجم:۱) میں امام جعفر صادق اور کریمہ وما ادریک ما الطارق النجم الثاقب (پ۳۰ الطارق آیت ۲،۳) میں بعض مفسرین نجم اور نجم ثاقب سے ذات پاک سیّد لولاک مراد لیتے ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) (علامہ قاضی عیاض، شفا شریف ج ۱ ص ۲۸،۳۵)

بخاری ومسلم وغیرہما کی احادیث میں بہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے ایک دعا منقول، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ

نُورًا وَفِیْ عَصَبِیْ نُورًا وَفِیْ لَحْمِیْ نُورًا وَفِیْ دَمِیْ نُورًا وَ فِیْ شَعْرِیْ نُورًا وَ فِیْ بَشَرِیْ نُورًا وَ عَنْ یَّمِیْنِیْ نُورًا وَ عَنْ شِمَالِیْ نُورًا وَ اَمَامِیْ نُورًا وَ خَلْفِیْ نُورًا وَفَوْقِیْ نُورًا وَ تَحْتِیْ نُورًا وَّ اجْعَلْنِیْ نُورًا (مسلم شریف ج۱ص ۲۶۱، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی)

کہ: اے اللہ میرے دل اور میری جان اور میری آنکھ، اور میرے کان اور میرے گوشت وپوست وخون واستخواں اور میرے زیر و بالا و پس و پیش و چپ و راست اور ہر عضو میں نور اور مجھے نور کر دے۔

جب وہ یہ دعا فرماتے ہیں، ان کے سننے والے نے انھیں ضیائے تابندہ ومہر درخشندہ ونور الٰہی کہا۔ پھر اس جناب کے نور ہونے میں مسلمان کو کیا شبہ رہا؟

حدیث ابن عباس میں ہے کہ ان کا نور چراغ وخورشید پر غالب آ جاتا۔ اب خدا جانے غالب آنے سے یہ مراد ہے، کہ ان کی روشنیاں حضور کے سامنے پھیکی پڑ جاتیں، جیسے چراغ پیش مہتاب یا یکسر ناپدید و کالعدم ہو جاتیں، جیسے ستارے حضور آفتاب، ابن عباس کی حدیث میں ہے:

اذا تکلم رُءِیَ کالنّور یخرج من بین ثنایاہ (شفاء شریف ج۱ ص ۵۵ شمائل ترمذی ص ۲،۳ آمین کمپنی، دہلی)

جب حضور کلام فرماتے تو دندان مبارک سے نور چھنتا نظر آتا۔

ہند وصاف کی حدیث میں وارد ہے:

یَتلالَأُ وجھہ تلالُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ اقنی العرنین لَهُ نُورٌ یَعْلُوْهُ یَحْسِبُهُ مَنْ لَمْ یتلط اشم انوار المتجرد

یعنی: حضور اقدس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا۔ بلند بینی تھی، اور اس پر ایک نور کا بقعہ متجلّی رہتا، کہ آدمی خیال نہ کرے تو ناک اس کی روشن نور کے سبب بہت اونچی معلوم ہو۔ کپڑوں سے باہر جو بدن تھا، یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ نہایت روشن و تابندہ تھا صلی اللہ تعالیٰ علی کل عضو من جسمہ الانوار الاعطر و بارک وسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

کان الشمس تجری فی وجھہ (شفا شریف ج۱ص ۵۱)

گویا آفتاب ان کے چہرے میں رواں تھا۔

اور فرماتے ہیں: اذا ضحک یَتَلَؤْلَؤُ الجُدُر ۔(شفا شریف ج۱ ص ۵۱) جب، حضور تبسم فرماتے تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔

ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں:

لو رأیتہ لقلت الشمس طالعۃ (خصائص کبریٰ ا ص ۱۷۹ دارلکتب الحدیثیہ، مصر)

اگر تو انھیں دیکھتا تو ضرور کہتا کہ آفتاب طلوع کر رہا ہے۔

ابوقرصافہ کی ماں اور خالہ فرماتی ہیں۔ راینا کان النور یخرج من فیہ ۔(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۹، دارالکتاب بیروت) ہم نے نور سا نکلتا دیکھا ان کے دہان پاک سے۔

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد، کہ جب حضور پیدا ہوئے، ان کی روشنی سے بصرہ اور روم و شام کے محل روشن ہو گئے۔ چند روایتوں میں ہے، اضاء لہ ما بین المشرق والمغرب (علامہ یوسف نبہانی، انوار محمدیہ، ج ا ص ۲۴۰

مطبوعہ مکتبہ الشیق استانبول، ترکی) شرق سے غرب تک منور ہوگیا۔ اور بعض میں ہے: استلأت الدّنیا کلھا نوراً (خصائل کبریٰ ج۱ ص ۱۱۸، دارالکتب الحدیثیہ، مصر) تمام دنیا نور سے بھر گئی۔ حضرت آمنہ حضور کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں:

رایتُ نورًا ساطعًا من راسہ قد بلغ السماء

(خصائصِ کبریٰ ج۱ ص ۱۲۲)

میں نے ان کے سر سے ایک نور بلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔

ابن عساکر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ میں (کپڑا) سیتی تھی، سوئی گر پڑی۔ تلاش کی، نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضور کے نورِ رخ مبارک کی شعاع سے سوئی ظاہر ہوگئی۔ (یعنی مل گئی) (تاریخ ابن عساکر بحوالہ خصائص کبریٰ ج۱ ص ۱۵۶)

علامہ فاسی مطالع المسرات میں علامہ ابن سبع سے نقل کرتے ہیں۔

کان النّبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و سلم یضیئی البیت المظلم من نورہ

(علامہ محمد المہدی الفاسی، مطالع المسرات، ص ۳۹۳، مکتبہ رضویہ فیصل آباد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور مبارک سے خانۂ تاریک روشن ہو جاتا۔

اب نہیں معلوم کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا آپ کے نور ہونے کا انکار کرے گا یا انوار کے لئے بھی سایہ مانے گا، یا مختصر طور پر یوں کہے کہ یہ تو بالیقیں معلوم کہ سایہ

جسم کثیف کا پڑتا ہے۔ نہ کہ جسم لطیف۔ اب مخالف سے پوچھنا چاہیئے، تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم لطیف نہ تھا، عیاذاً باللہ، کثیف تھا، اور جو اس سے تحاشی کرے، تو پھر عدم سایہ کا انکار کیوں کرتا ہے؟

بالجملہ جب کہ حدیثیں اور اتنے اکابر آئمہ کی تصریحات موجود کہ اگر مخالف اپنے کسی دعوے میں ان میں سے ایک کا قول پائے، کس خوشی سے معرض استدلال میں لائے، جاہلانہ انکار، مکابرہ وکج بحثی ہے۔ زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، خواہ دن کو رات کہہ دے اور شمس کو ظلمات۔ آخر کار مخالف جو سایہ ثابت کرتا ہے اس کے پاس بھی کوئی دلیل ہے، یا فقط اپنے منہ سے کہہ دیا، جیسے ہم حدیثیں پیش کرتے ہیں مخالف کے پاس بھی کوئی حدیث ہو تو وہ بھی دکھائے، ہم ارشادات علماء سند میں لاتے ہیں تو وہ بھی ایسے ہی آئمہ کے اقوال سنائے؛ یا نہ کوئی دلیل دے نہ سند، اور گھر بیٹھے اسے الہام ہوا، کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ تھا۔ مجرد ما وشما پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

بے شک وہ بشر ہیں، مگر عالم علوی سے لاکھوں درجہ اشرف۔ اور جسم انسانی رکھتے ہیں، مگر ارواح وملائکہ سے لا انتہا درجہ الطف۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں:

لَسْتُ کَمِثْلِکُمْ: میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ (بخاری ج ا ص ۲۶۳، انجمن نقشبندیہ قصور)

ویروی کَھَیْئَتِکُم: میں تمہاری ہیئت پر نہیں ہوں۔(مسلم ج۱ ص ۳۵۱، مجتبائی دہلی)

ویروی اَیُّکُمْ مِثْلِیْ: تم میں سے کون مجھ جیسا ہے۔(مسلم ج۱ ص ۳۵۱)

آخر علامہ خفاجی کا ارشاد نہ سنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونے کے منافی نہیں، اور اگر تو سمجھے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہیں، پھر صرف اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کا سایہ ہوتا ہے، ان کا بھی ہوگا۔ ثبوت سایہ ماننے اور اس کی نفی میں کلام کرنا عقل و ادب سے کس قدر دور پڑتا ہے۔[1]

اَلا اِنَّ مُحَمَّدًا بَشَرٌ لَا کَالْبَشَرِ

بَلْ هُوَ یَاقُوْتٌ بَیْنَ الْحَجَرِ

صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وبَارِک وسلم

فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات ثابتہ و خصائص صحیحہ کے انکار میں اپنا کیا فائدہ دینی و دُنیوی تصور کیا ہے۔ ایمان بے محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا، اور وہ خود فرماتے ہیں:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری شریف ج۱ ص ۷، مکتبہ ہاشمیہ میرٹھ، انڈیا)

[1] آگاہ ہو جاؤ محمد بشر تو ہیں، بشر کی طرح نہیں، جس طرح یاقوت پتھروں کے درمیان ہو۔ ۱۲

تم میں سے کوئی مسلمان نہیں ہونے کا جب تک میں اسے اس کے ماں، باپ اور اولاد اور سب آدمیوں سے پیارا نہ ہوں۔

یعنی حضور نے فرمایا کہ سب سے زیادہ مجھ کو عزیز اور پیارا جاننے والا ہی مومن ہوسکتا ہے، اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشرِ فضائل وتکثیر مدائح میں مشغوف رہتا ہے۔ سچی فضیلتوں کو مٹانا اور شام وسحر نفی محاسن کی فکر میں رہنا دشمن کا کام ہے نہ کہ دوست اور محب کا۔

جانِ برادر! کبھی تو نے سنا ہے، کہ تیرا محبوب تجھ کو منانے کی فکر میں ہے، اور پھر محبوب بھی کیسا جانِ ایمان اور کانِ احساس، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا اور اس نے تمام عالم کا بارتن نازک پر اُٹھا لیا۔ تمہارے غم میں دن کا کھانا اور رات کا سونا ترک کر دیا۔ تم رات دن لہو ولعب اور اس کی نافرمانیوں میں مشغول۔ اور وہ شب و روز تمہاری بخشش کے لئے گریان وملول۔ جب وہ جانِ رحمت و وکانِ رافت پیدا ہوا، دربار الٰہی میں سجدہ کیا اور رَبِّ هَبْ لِيْ اُمَّتِي فرمایا، اور جب قبر شریف میں اتارا تو لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا تو آہستہ آہستہ اُمَّتِي اُمَّتِي (مدارج النبوۃ ص ۵۶۸ مکتبوعہ نولکشور کانپور) فرماتے تھے۔

قیامت کے دن جب کہیں پناہ نہ مل سکے گی تو انہیں کے دامن میں پناہ ملے گی۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے، نَفْسِي نَفْسِي اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِي (مسلم شریف ج۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) سنو گے، اور اس غم خوار امت کے لبِ مبارک پر اُمّتی کا نعرہ ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، جب انتقال کروں گا تو صور پھونکنے کے وقت تک قبر میں اُمّتی اُمّتی پکاروں

گا۔ کان بجنے کا یہی سبب ہے، کہ اکثر اوقات بلکہ ہر آن وہ آواز جاں گداز اس معصوم عاصی نواز کی بلند ہے جو گاہے ہم جیسے کسی غافل و مدہوش کے گوش تک پہنچی ہے۔ روح اس کا ادراک کرتی ہے۔ اسی سبب سے اس وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہوا، کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے، کچھ دیر ہم ہجراں نصیب بھی اس کی یاد میں صرف کریں۔

وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار اور اس کی مدح و ستائش و نشر فضائل سے آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب ہے، یا یہ کہ حتی الوسع روشن چاند پر خاک ڈالے، اور بے سبب ان کی سچی اور روشن خوبیوں میں خواہ مخواہ انکار نکالے۔

اے عزیز! چشم خورد بیں میں سرمۂ انصاف لگا اور گوشِ قبول سے پنبۂ اعتساف نکال۔ پھر یہ تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب و ملّت کے عقلاء اور دانش مندوں سے پوچھتا، پھر اگر ایک منصف ذی عقل بھی تجھ سے کہہ دے کر کہ نشر محاسن و تکثیر مدائح نہ دوستی کا مقتضا نہ ردّ فضائل و نفی کمالات غلامی کے خلاف، تو تجھے اختیار ہے، ورنہ خدا و رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ۔ یقین جان لے کہ رسول للہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹانے سے ہرگز نہ مٹیں گی۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر۔ سمجھ اور بغور دیکھ کہ خدائے تعالیٰ سے کسی کا کیا بس چلے گا، اور جس کی شان وہ بڑھائے اسے کون گھٹا سکتا ہے۔ آئندہ تجھے اختیار ہے۔ ہدایت کا دار و مدار فضلِ الٰہی پر ہے۔ ہم پر محض بلاغ مبین تھا۔ اس سے بحمد اللہ فراغت پائی اور اگر اب بھی تیرے دل میں کوئی شک وشبہ یا ہمارے کسی دعوے پر دلیل یا کسی اجمال پر تفصیل درکار

ہو تو فقیر کا رسالہ مسمّٰی بہ قمر التمام فی نفی الظلّ عن سیّد الانام علیہ و علی اٰلہٖ الصلوٰۃ والسّلام، جسے فقیر نے بعد ورود اس سوال کے تالیف کیا، مطالعہ کیجئے، انشاء اللہ بیان شافی پاؤ گے، اور مرشد کافی۔ ہم نے اس رسالے میں اس مسئلہ کی غایت تحقیق ذکر کی ہے اور نہایت نفیس دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ حضور سراپا نور تابندہ و درخشندہ، ذی شعاع و اضاءت، بلکہ معدن انوار و افضل مضیأت بلکہ در حقیقت بعد جناب الٰہی کی جناب سے ایک علاقہ اور انتساب کے سبب اور بھی ثابت کیا ہے کہ ثبوت معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں کہ حدیث شریف اور قرآن کریم میں بالتصریح ان کا ذکر نہ ہو بلکہ ان کے لئے تین طریقے ہیں اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ پیشوایانِ دین کا داب[1] ان معاملات میں ہمیشہ قبول و تسلیم رہا ہے۔ اور اگر کہیں قرآن مجید، اور حدیث شریف سے ثبوت نہ ملا تو اپنی نظر کا قصور سمجھا نہ یہ کہ باوجود ایسے کافی ثبوت کے کہ احادیث اور آئمہ اکابرین کی تصریحات اور کافی دلیلیں سب کچھ موجود پھر بھی اپنی ہی کہتے جاؤ۔ انکار کے سوا کچھ زبان پر نہ لاؤ۔ اور اس کے علاوہ اور بھی فوائد شریفہ اور ابحاث لطیفہ بھی ہیں۔ جو دیکھے گا، انشاء اللہ لطفِ جاں فزا پائے گا۔

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ٥ وَصَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰینا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَصْھَارِہٖ وَ اَنْصَارِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ اٰمین٥ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کتبہ: عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ

بمحمد ن المصطفیٰ صَلَّی اللّٰہ تعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وسلّم

[1] طریقہ

قصیدۂ نور

تو ہے سایہ نُور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سائے کا سایہ نہیں ہوتا نہ سایہ نور کا

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اُٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

یہ جو مہر و مہ پہ ہے اطلاق آتا نور کا
بھیک تیرے در کی ہے استعارہ نور کا

میں گدا تو بادشہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا، دے ڈال صدقہ نور کا

جو گدا دیکھو لئے جاتا ہے توڑا نور کا
نور کی سرکار ہے کیا اس میں توڑا نور کا

بھیک لے سرکار سے لا جلد کاسہ نور کا
ماہ نو طیبہ میں بٹتا ہے مہینہ نور کا

انبیاء اجزاء ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقہ سے ہے ان پر نام سچا نور کا

شمع دل، مشکوٰۃ تن، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

نور کی سرکار سے پایا دو شَالہ نور کا

ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا
کے گیسو دہن ابرو آنکھیں
ع ص ی ہ
کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

اے رضا یہ احمد نوری کا فیضِ نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

☆☆☆

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِماً اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

☆☆☆

کتب ماخذ

	نام کتاب	نام مصنف
(۱)	ترمذی	ابو عیسیٰ ترمذی
(۲)	خصائص کبریٰ	جلال الدّین سیوطی
(۳)		
(۴)	شفا	قاضی عیاض
(۵)	نسیم الریاض	خفاجی
(۶)	مثنوی	مولانا رومیؒ
(۷)	مواہب اللدنیہ	احمد قسطلانی
(۸)	کتاب الخمیس	حسین دیار بکری
(۹)	نور الابصار	
(۱۰)	تفسیر مدارک	محمد بن عمر
(۱۱)	افضل القریٰ	ابن حجر
(۱۲)	فتوحاتِ احمدیہ	علّامہ سلیمان جمل
(۱۳)	اسعاف الراغبین	فاضل بن محمد فہمیہ
(۱۴)	مجمع البحار	یوسف نبہانی
(۱۵)	مدارج النبوۃ	عبدالحق محدث دہلوی
(۱۶)	مکتوبات مجددؒ	شیخ احمد سرہندی
(۱۷)	مطالع المسرات	علامہ فاسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُنَبِّہُ الْمُنْیَہ بوصول الحبیب الیٰ العرش والرؤیہ

حضور پر نور عرش پر تشریف لے گئے اور دیدارِ الٰہی سے بے قید جہت و مکان مُستفید ہوئے

تصنیفِ لطیف

احمد رضا خاں

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور آپ جسمانی طور پر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ یہاں دو باتیں غور طلب ہیں، پہلی تو یہ کہ آیا آپ عرش پر بھی تشریف لے گئے یا نہیں؟ اور دوسری چیز یہ کہ آپ نے اللہ کا دیدار کیا یا نہیں؟ بعض روایات سے بہ ظاہر یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ آپ نے دیدارِ نہیں کیا چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب یہ ہے کہ آپ نے اللہ کا دیدار نہیں کیا اور وہ اس آیت سے استدلال کرتی ہیں۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (پ۷ الانعام آیت ۱۰۳) نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہیں۔

اس کے برعکس خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ

میں نے اپنے رب عزوجل کو حسین ترین صورت میں دیکھا۔

بہرحال یہ مسئلہ معرکۃ الارا ہے، اس کی پوری تحقیق اعلیٰ حضرت کے رسالہ "منبہ الْمنیه" سے ہوتی ہے، مطالعہ کیجئے اور اعلیٰ حضرت کی داد تحقیق دیجئے۔

مرتّب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شب معراج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنے رب کو دیکھنا کس حدیث سے ثابت ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

الاحادیث المرفوعہ۔ امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال قال رسول اللّٰه صلّی اللہ تعالٰی علیه وسلّم رئیت ربّی عزّوجلّ

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے رب عزّ وجل کو دیکھا۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ اور علاّمہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں، یہ حدیث بسند صحیح ہے۔

ابن عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لِانَّ اللّٰه اعطی موسی الکلام و اعطانی الرّوية لوجهه وفضلنی بالمقام المحمود والحوض المورد.

بے شک اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطا فرمایا، مجھ کو شفاعت کبریٰ اور حوض کوثر سے فضیلت بخشی۔

وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال لی ربی نحلت ابراھیم خلتی و کلمت موسیٰ تکلیما و اعطیتک یا محمّد کفا حا

یعنی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مجھے میرے رب عزّ وجل نے فرمایا، میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسیٰ سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد مواجہ بخشا کہ بے پردہ و حجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔

فی مجمع البحار کفا حا ای مواجھۃً لیس بینھما حجاب ولا رسول.

ابن مردویہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم وھو یصف سدرۃ المنتھٰی (وذکر الحدیث الٰی ان قالت) فقلت یا رسول اللّٰہ ما رأیت عندھا یعنی ربہ

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی کا وصف بیان فرماتے تھے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! حضور نے اس کے پاس کیا دیکھا؟ فرمایا مجھے اس کے پاس اپنے رب کا دیدار ہوا۔

اثار الصحابہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی:

اما نحن بنوھا شم فنقول ان محمّدا رای ربہ مرتین

ہم بنی ہاشم اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دوبار دیکھا۔

ابن اسحٰق عبداللہ بن ابی سلمہ سے راوی:

انّ ابن عمر ارسل الیٰ ابن عباس یسأله هل رای محمد صلّی الله تعالی علیه وسلم ربّه فقال نعم

یعنی ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کروایا، کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں۔

جامع ترمذی ومعجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی، واللفظ للطبرانی عن ابن عباس۔

قال نظر محمد الیٰ ربه قال عکرمة فقلت له نظر محمّد الیٰ ربه قال نعم جعل الکلام لموسیٰ والخلة لا براهیم والنظر لمحمّد صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم (زاد الترمذی) فقد رَءٰی ربه مرتین

یعنی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا"محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا، عکرمہ ان کے شاگرد کہتے ہیں، میں نے عرض کی ،کیا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے لئے کلام رکھا اور ابراہیم کے لئے دوستی اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے دیدار اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دوبار دیکھا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن ہے۔ امام نسائی اور امام ابن خزیمہ وحاکم وبیہقی کی روایت میں ہے، واللفظ للبیہقی۔

اتعجبون ان تکون الخلة لا براهیم والکلام لموسیٰ والرّوية لمحمد صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم

کیا ابراہیم کے لئے دوستی، اور موسیٰ کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ اچنبھا ہے۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی و زرقانی نے فرمایا: اس کی سند جید ہے۔

طبرانی معجم اوسط میں راوی:

عن عبداللّٰہ ابن عبّاس ان کان یقول ان محمدًا صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رای ربہ مرتین مرۃ ببصرہ و مرتہ بفوادہٖ

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے، بے شک محمد ﷺ نے دوبارہ اپنے رب کو دیکھا، ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

امام سیوطی و امام قسطلانی و علامہ شامی و علامہ زرقانی فرماتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے

اور امام آلائمہ و امام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان محمد ا صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رای ربہ عزّوجلّ:

بے شک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

امام احمد قسطلانی و عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں، اس کی سند قوی ہے،

محمد بن اسحٰق کی حدیث میں ہے:

ان مروان سأل ابا ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ ھل رای محمّد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ربہ فقال نعم

یعنی مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا، کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا، ہاں!

اخبار: مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن معمر عن الحسن البصری انه کان یحلف باللّٰہ لقد رای محمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم

یعنی، امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ قسم کھا کر فرمایا کرتے، بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

اسی طرح امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی کے بیٹے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نواسے ہیں، راوی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے۔ و انه کان یشتد علیه انکارها اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا اھ ملتقطا۔

یوں ہی کعب الاحبار عالم کتب سابقہ و امام ابن شہاب زہری قرشی و امام مجاہد مخزومی مکی و امام عکرمہ بن عبداللہ مدنی ہاشمی و امام عطا بن رباح قرشی مکی، استاد امام ابو حنیفہ اور امام مسلم بن صبیح ابو الضحٰی کوفی و غیرہم جمیع تلامذہ عالم قرآن حبر الائمہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

اخرج ابن خزیمة عن عروة بن زبیر اثباتها و به قال سائر اصحاب ابن عباس وجزم به کعب الاحبار والزهری الخ

اقوال من بعدہم من آئمۃ الدین امام خلّال السنہ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ رویت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل فرماتے، قول النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم رأیت ربی۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، میں نے اپنے رب کو دیکھا۔

اھ مختصراً۔

نقاش اپنی تفسیر میں اس امام سند الانام رحمہ اللہ تعالیٰ سے راوی:

انہ قال اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رای ربہ راہ راہ راہ حتی انقطع نفسہ

یعنی، انھوں نے فرمایا، میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا معتقد ہوں، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا دیکھا، دیکھا، دیکھا، یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔

امام ابن الخطیب مصری مواہب شریف میں فرماتے ہیں۔ جزم بہ معمر و آخرون و ھو قول الاشعری و غالب اتباعہ: یعنی امام معمر بن راشد بصری اور ان کے سوا اور علماء نے اس پر جزم کیا، اور یہی مذہب ہے امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری اور ان کے غالب پیروں کا۔

علامہ شہاب خفاجی، نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الا صح الرّاجح انہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رای ربہ بعین راسہ حین اسری بہ کما ذھب الیہ اکثر الصّحابۃ

مذہب اصح و راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شبِ اسریٰ اپنے رب کو بہ چشم سر دیکھا جیسا کہ جمہور صحابۂ کرام کا یہی مذہب ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں، پھر علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

الرّاجح عند اکثر العلماء انہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم رای ربہ بعین راسہ لیلۃ المعراج

جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو انھیں آنکھوں سے دیکھا۔

آئمہ متاخرین کے جدا جدا اقوال کی حاجت نہیں کہ وہ حد شمار سے خارج اور لفظ اکثر العلماء کہ منہاج میں فرمایا کافی ومغنی واللہ اعلم۔

مسئلہ:

از کانپور محلہ بنگالی محل، مرسلہ حامد علی خاں وکاظم حسین ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلے میں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شب معراج مبارک عرش عظیم تک تشریف لے جانا علمائے کرام و آئمہ اعلام نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے، یہ محض جھوٹ ہے۔ اس کا یہ کہنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: بے شک علمائے کرام آئمہ دین عدول، ثقات معتمدین، اپنی تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے زائد کی تصریحات جلیلہ فرماتے ہیں، اور یہ سب احادیث ہیں۔ اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معضل ہیں اور حدیث مرسل و معضل باب فضائل میں بالا جماع مقبول ہے خصوصاً جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں، اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو، تو ضرور ثبوت سند پر محمول اور مثبت نافی پر مقدم اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں، تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا، مجازف فی الدّین ہے۔ امام اجل سیدی

محمد بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف (الفصل السّابع) میں فرماتے ہیں:

سَرَیْتَ مِنْ حَرَمٍ لَیْلًا اِلٰی حَرَمٍ
کَمَا سَرَی الْبَدْرُ فِیْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ
وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰۤی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَیْنَ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ
خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ
فَخُرْتَ کُلَّ فِخَارٍ غَیْرَ مُشْتَرَکٍ
وَجُزْتَ کُلَّ مَقَامٍ غَیْرَ مُزْدَحَمِ

یعنی، یا رسول اللہ، حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصہ میں حرم مکہ معظمہ سے بیت الاقصیٰ کی طرف تشریف فرما ہوئے، جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ، قاب قوسین کی منزل پہنچے، جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی، حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرما دیا جب حضور رفع کے لئے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرما لیا جو قابل شرکت نہ تھا اور حضور ہر اس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا۔

یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلاشرکت جمع فرما لئے اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گزر گئے، یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔ علامہ قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم تترک غایة لساع الی السبق من کمال القرب المطلق الیٰ جناب الحق ولا ترک موضع رقی و صعودو قیام و قعود لطالب رفعة فی عالم الوجود بل تجاوزت ذلک مقام قاب قوسین او ادنیٰ فاوحٰی الیک ربک ما اوحٰی

یعنی، حضور نے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لئے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی، اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بلندی کے لئے کوئی عروج و ترقی یا اُٹھنے بیٹھنے کی باقی نہ رکھی بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب وقوسین او ادنیٰ تک پہنچے تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

نیز امام ہمام ابو عبداللہ شرف الدین محمد قدس سرہٗ ام القریٰ میں فرماتے ہیں۔

و ترقی به الیٰ قاب قوسین و تلک السیادہ القعاء
رُتَبٌ تسقط ا مانی حسریٰ دونها وما وراءَ هنّ وراء

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی اور یہ سرداری لازوال ہے۔ یہ وہ

مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے تھک کر گر جاتی ہیں ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں۔

امام حجر مکی قدس سرہ المکی اس کی شرح افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:

قال بعض الائمة والمعاريج ليلة الاسراء عشرة سبعة فی السّمٰوات والثّامن الٰی سدرة المنتهٰی والتّاسع الی المستوی والعاشر الی العرش.

بعض آئمہ نے فرمایا، شب اسرا دس معراجیں تھیں، سات ساتوں آسمانوں میں اور آٹھویں سدرہ المنتہٰی ،نویں مستویٰ اور دسویں عرش تک۔

سیّدی علّامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا:

حيث قال قال شهاب المكی فی شرح همزية بوصيری عن بعض الائمة انّ المعاريج عشرة الٰی قوله والعاشر الی العرش والرّوية:

معراجیں دس ہیں، دسویں عرش و دیدار تک۔

نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے۔

لما اعطے سليمان عليه الصّلاة والسلام الريح الّتی غدوها شهر ورواحهَا شهر اعطی نبيّنا صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم البراق فحمله من الفرش الی العرش فی لحظة واحدة و اقل مسافة فی ذلک سبعة الاف سنة و ما فوق العرش الی المستوی والرفرف لا يعلمه الا اللّٰه تعالٰی.

جب سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کو ہوا دی گئی کہ صبح و شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لمحے میں لے گیا اور اس میں ادنیٰ مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے اور وہ جوفوق العرش سے مستوی و رفرف تک رہی ہے تو خدا ہی جانے۔

اسی میں ہے:

لما اعطی موسٰی علیه الصلاة والسلام الکلام اعطی نبیّنا صلّی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مثله لیلة اسراء و زیادة الدنو والرّویة بعین البصر و شان ما بین جبل الطور الذی نوجی به موسٰی علیه الصلاة والسلام وما فوق العرش الذی نوجی به نبیّنَا صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

جبکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی، ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ویسی ہی شب اسرا ملی اور زیارت قرب اور چشمِ سر سے دیدار الٰہی۔

اس کے علاوہ اور بھلا کہاں، کوہ طور جس پر موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔

اسی میں ہے:

رقیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ببدنه لیلة الاسراءِ الی السّماء ثم الی سدرة المنتهٰی. ثم الی المستوی ثم الی العرش

والرفرف والرّویۃ:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسریٰ آسمانوں تک ترقی فرمائی، پھر سدرۃ المنتہٰی، پھر مقام مستویٰ، پھر عرش ورفرف و دیدار تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ تعلقیات افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:

الا سراءِ بہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم علی یقظۃ بالجسد والروح من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی ثم عرج بہ الی السّمٰوات العلٰی ثم الٰی سدرۃ المنتھٰی ثم الی المستوی ثم الی العرش والرّفرف.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معراج بدن و روح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک ہوئی، پھر آسمانوں پھر سدرہ پھر مستوی پھر عرش ورفرف تک

فتوحات احمدیہ شرح الہمزیہ للشیخ سلیمان الجمل میں ہے:

رقیہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ الاسراء من بیت المقدس الی السموات السبع الٰی حیث شاء اللہ تعالٰی لکنہ لم یجاوز العرش علی الراجح

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ترقی شب اسراء بیت المقدس سے ساتوں آسمان اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزّوجل نے چاہا، مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

المعاریج لیلۃ الاسراء عشرۃ سبعۃ فی السمٰوات والثامن الٰی سدرۃ المنتھٰی والتاسع الی المستوی و العاشر الی العرش لکن لم یجاوز العرش کما ھو التحقیق عند اھل المعاریج

معراجیں شب اسراء دس ہوئیں سات آسمانوں اور آٹھویں سدرہ نویں مستوی دسویں عرش تک مگر روایان معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

بعد ان جاوز السماء السّابعۃ رفعت لہ سدرۃ المنتھٰی ثم جاوز ھا الٰی مستوی ثم زجّ بہ فی النّور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرۃ کل حجاب خمسأۃ عام ثم دلی لہ رفرف اخضر فارتقی بہ حتی وصل الی العرش ولم یجاوزہ فکان من ربہ قاب قوسین او ادنٰی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان ہفتم سے گزرے، سدرہ حضور کے سامنے بلند کی گئی، اس سے گزر کر مقام مستوی تک پہنچے، پھر حضور عالم نور میں ڈالے گئے، وہاں ستر ہزار پردے نور کے طے فرمائے، ہر پردے کی مسافت پانچ سو برس کی راہ، پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لئے لٹکایا گیا، حضور اس پر ترقی فرما کر عرش تک پہنچے اور عرش سے ادھر گزر نہ فرمایا۔

اقول۔ شیخ سلیمان نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کو ترجیح دی اور امام حجر مکی وغیرہ کی عبارات ماضیہ و آتیہ وغیرہا میں فوق العرش و لامکان کی

تصریح ہے۔ لامکان یقیناً فوق العرش ہے اور حقیقتاً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ عرش تک منتہائے مکان ہے اس سے آگے لامکان ہے اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روحِ اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے۔ اسی طرح کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اشارہ عنقریب آتا ہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہیٰ عرش ہے تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی نہ اس لئے کہ سیر اقدس میں معاذ اللہ کوئی کمی رہی بلکہ اس لئے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرما لیا اوپر کوئی مکان ہی نہیں جسے کہیئے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہا قاب قوسین اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے ورا کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امامِ اجل سیدی علی وفا رضی اللہ عنہ کا ارشاد سنئے امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں:

لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ عن الا فلاک والجنة والنار وان الرجل من نقد بصرہ الٰی خارج لھٰذا الوجود کلہ وھناک یعرف قدر عظمة موجدہ سبحانہ تعالٰی.

مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطے میں ہے، افلاک و جنت و نار، یہی چیزیں محدود و مقید کرلیں، مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے، وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ، کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ومنها انه (ای اللّٰه تعالٰی بعینه) یقظة علی الراجح رو کلمه اللّٰه تعالٰی فی الرفیع الاعلٰی) علی سائر الامکنة و قدروی ابن عساکر عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه مرفوعاً لما اسری لی قربنی ربی حتی کان بینی و بینه قاب قوسین او ادنی.

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، یہی مذہب راجح ہے، اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے حضور سے اس بلند و بالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکنہ سے اعلیٰ تھا، اور بے شک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: شب اسرا مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔

اسی میں ہے:

قداختلف العلماء فی الاسرا هل هو اسراء واحد او اسراء ان مرة بروحه و بدنه یقظة بروحه وجسده من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی ثم منا ما من المسجد الا قصٰی الی العرش فالحق انه اسراء واحد بروحه و جسده یقظة فی القصة کلها و الٰی هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثین و الفقهاء والمتکلّمین٥

علماء کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو۔ ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری روح و بدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصٰی تک، پھر خواب میں وہاں سے عرش تک، اور حق یہ ہے کہ وہ ایک ہی اسراء ہے اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلیٰ تک بیداری میں روح و بدن اطہر ہی کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء المحدثین وفقہاء متکلمین سب کا یہی مذہب ہے۔

اسی میں ہے:

المعاریج عشرۃ(الیٰ قولہ) العاشر الی العرش

معراجیں دس ہوئیں، دسویں عرش تک۔

اسی میں ہے، قدوردفی الصحیح عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال:

عرج بی جبریل الی سدرۃ المنتھٰی و دنا الجبّار ربّ العزّۃ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی تذلیہ علٰی ما فی حدیث شریک کان فوق العرش.

صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہیٰ تک عروج کیا اور جبار رب العزۃ جل جلالہ، نے دنو و تدلی فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کا رہا، یہ تدلی بالائے عرش تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

علّامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ورد فی المعراج انہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لما بلغ سدرۃ المنتھٰی جاء ھا بالرفرف جبریل علیہ الصّلاۃ والسلام ولہ

فطاربه الی العرش.

حدیث معراج میں وارد ہوا کہ، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی پہنچے، جبریل امیں علیہ الصلاۃ والسلام رفرف حاضر لائے، وہ حضور اقدس کو لے کر عرش تک اڑ گیا۔

اسی میں ہے:

علیه یدل صحیح الاحادیث الآحاد الدالة علٰی دخوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الجنّة وصوله الی العرش او طرف العالم کما سیأتی کل ذلک بجسده یقظة.

صحیح آحاد حدیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شب اسریٰ جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا عالم کے اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سیّدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم لما کان خلقه القراٰن و تخلق بالاسماء و کان اللّٰه سبحٰنه و تعالٰی ذکر فی کتابه العزیز انه تعالٰی استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علٰی نفسه اذکان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیّه علیه الصلاة والسلام من هذا الاستواء نسبة علٰی طریق التمدح والثناء به علیه حیث کان اعلٰی مقام ینتهی الیه من اسریٰ به من الرسول علیهم

الصلاۃ والسلام و ذلک یدل علی انہ اسرٰی بہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بجسمہ ولو کان الاسرابہ رؤیا لما کان الاسراء ولا الوصول الی ھذا المقام تمدحا ولا وقع من الاعراب انکار علٰی ذلک۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا اور حضور اسماء الٰہیہ کی خود خصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استوا بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اس صفت استوٰی علی العرش کے پرتو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلیٰ مقام ہے جس تک رسولوں اسراء منتہٰے ہو اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسرامع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استوٰی علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیّدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل:

انما قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی سبیل التّمدح حتّٰی ظھرت لمستوی اشارۃ لما قلنا من ان منتھی السیر بالقدم المحسوس رائی العرش۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بلند ہوا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدمِ جسم سے سیر کا منتہٰی عرش ہے۔

مدارج النبوۃ شریف میں ہے۔

"فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پس گسترانیدہ شد
برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور
آفتاب پس درخشید بہ آں نور بصر من نہادہ شدم من
برآں رفرف و برداشتہ شدم تا برسیدم بہ عرش۔"

اسی میں ہے:

"آوردہ اند کہ چوں رسید آں حضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم بہ عرش دست زد عرش بداماں اجلال
وے، اشعۃ اللمعات۔"

شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

"جز حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاتر
ازاں ہیچ کس نہ رفتہ و آں حضرت بہ جائے رفت کہ
آں جا جانیست۔

برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں
اسریٰ بعبدہ است مِن المسجد الحرام
تا عرصۂ وجوب کہ اقصائے عالم است!
کانجانہ جاست نے جہت و نے نشآن و نام

نیز اسی کے باب رویۃ اللہ تعالیٰ فصل سوم زیر حدیث قد رای ربہ مرتین، ارشاد فرمایا:

بتحقیق دید آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
پروردگار خود را جل و علاء دوبار یکے چوں نزدیک
سدرۃ المنتہیٰ، بود، دوم چوں بالائے عرش آمد"

مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اوّل مکتوبات ۲۸۳ میں ہے:

"آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام در آں شب از
دائرہ مکان و زماں بیروں جست وازتنگی امکان برآمدہ
ازل و ابد را آں واحد یافت و بدایت و نہایت ر
ادر یک نقطہ متحد دید:

نیز مکتوب ۲۷۲، میں ہے:

"محمد الرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ محبوب
رب العالمین است و بہترین موجدات اولین و
آخرین بدولت معراج بدنی مشرف شد واز عرش و
کرسی درگزشت وازمکان و زماں بالا رفت۔"

امام ابن اصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:

"قول المصنفين من الفقهاء و غيرهم قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كذا و كذا و نحو ذلك كله من قبيل المعضل و سماه الخطيب ابوبكر الحافظ مرسلا و ذلك علىٰ مذهب من يسمى كل مالا يتصل مرسلا."

تلویح وغیرہ میں ہے: ان لم يذكر الواسطة اصلاً مرسل.

مسلم الثبوت میں ہے:

"المرسل قول العدل قال عليه الصّلاة والسلام."

فواتح الرحموات میں ہے۔ "الكل داخل فى المرسل عند اهل الاصول."

انہیں میں ہے۔ "المرسل ان کان الصحابی یقبل مطلقاً اتفاقاً و ان کان من غیرہٖ فالا کثر و منھم الامام ابو حنیفۃ والامام مالک والامام احمد رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم قالوا یقبل مطلقا اذا کان الراوی ثقۃ. الخ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

"لا یضر ذلک فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعا."

شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

"اخبر صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم تقبل علٰی و انہ قسیم النار." نسیم الریاض میں فرمایا" ظاھر ھذا ان ھذا مما اخبربہ النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الا انھم قالوا لم یروہ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النھایۃ ان علیا رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال انا قسیم النار، قلت ابن الاثیر ثقۃ وما ذکرہ علی لا یقال من قبل الرای فھو فی حکم المرفوع اھ ملخصاً۔ امام ابن الھمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: عدم النقل لا ینفی الوجود "واللّٰہ تعالٰی اعلم."

☆☆☆

کتبِ ماخذ

نام کتاب	نام مصنف
(۱) مسند احمد	امام احمد بن حنبل
(۲) خصائصِ کبریٰ	جلال الدین سیوطی
(۳) تیسیر شرح جامع صغیر	عبدالرؤف مناوی
(۴) ترمذی	ابوعیسیٰ ترمذی
(۵) معجم طبرانی	طبرانی
(۶) بیہقی	
(۷) قصیدہ بردہ	علاّمہ بوصیری
(۸) ام القریٰ	شرف الدّین محمدؒ
(۹) افضل القریٰ	ابن حجر مکی
(۱۰) حدیقہ ندیہ	عبدالغنی نابلسی
(۱۱) فتوحات احمدیہ	سلیمان جمل
(۱۲) الیواقیت والجواہر	عبدالوہاب شعرانی
(۱۳) صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری
(۱۴) فتوحات مکّیہ	محی الدین ابن عربی
(۱۵) معرفۃ انواع علم الحدیث	ابن صلاح
(۱۶) مسلم الثبوت	
(۱۷) نہایہ	ابن اثیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نهج السَّلَامَه فی حکم تقبیل الا بهَا مین فی الاقامه

اذان واقامت میں انگوٹھے چومنے کا بیان

تصنیفِ لطیف

امام اہل سنت مجدد اعظم دین وملت
اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں
حنفی قادری
فاضل بریلوی

تقدیم

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم مطلوب شرع اور مقصود اسلام ہے۔ آپ سے بے پناہ عقیدت وعشق بنیاد اسلام ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم، جب اذان میں آپ کا نام نامی اسم گرامی سنتے تو اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے اور درود وغیرہ پڑھتے، لیکن سوال یہ ہے کہ اذان کے علاوہ اقامت میں بھی انگوٹھے چومنے چاہئیں یا نہیں؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں اسی مسئلے کو حل فرمایا ہے، یہ رسالہ صرف اسی مسئلے پر مشتمل نہیں بلکہ آپ اس میں جا بجا اصول حدیث اور اصول فقہ کی قیمتی بحثیں بھی پڑھیں گے۔ درحقیقت اعلیٰ حضرت کے تمام رسائل کا یہی حال ہے کہ اگرچہ وہ کسی ایک مسئلے پر لکھے گئے ہیں مگر جب ان کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو لاتعداد دوسرے مسائل بھی حل ہو جاتے ہیں اور اسی نظر سے آپ کے رسائل کا مطالعہ کیا جانا چاہیئے۔

مرتّب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

مسئلہ:

از اپر برہما، شہر مانڈلے، سورتی مسجد، مرسلہ مولوی احمد مختار صاحب قادری رضوی صدیقی میرٹھی۔

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ

منقول از فتاویٰ امدادیہ معروف بہ فتاویٰ اشرفیہ جلد چہارم صفحہ ۵۷، ۵۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰہِ بولے تو سننے والا، دونوں انگوٹھوں کو چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں؟ اگر رکھتا ہے تو آیا جائز یا مستحب یا واجب یا فرض ہے؟ اور جو شخص اس کا مانع ہووے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر نہیں رکھتا ہے تو آیا مکروہ یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اور جو مرتکب اس فعل کا ہووے اس کا اور جو حکم کرے اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

جدید یہ کہ اذان پر قیاس کر کے تحریر نہ فرماویں بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی معتبر کتاب سے عبارت نقل کر کے تحریر فرما دیں۔

الجواب:

اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں، روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ چنانچہ شامی بعد نقل اس عبارت کے لکھتے ہیں:

۱ وذکر ذلک الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھٰذا شیء انتھٰی (جلد اوّل ص ۲٦۷ باب الاذان) مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے، اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے، یہ عبارت شامی کی ہے:

۲ "ونقل بعضھم ان القھستانی کتب علی ھامش نسخته ان ھٰذا تختص بالاذان و اما فی الاقامة فلم یوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع (جلد اوّل باب الاذان ص ۲٦۷) یہی مفتی صاحب یصح فی المرفوع پر حاشیہ منہیہ لکھتے ہیں۔

۳ قلت و اما الموقوف فانه و ان کان منقولا لکن مع ضعف اسنادہٖ لیس فیه کون ھٰذا العمل طاعة بل ھو رقیة للحفظ عن د مدو العوام یفعلونه باعتقاد کونه طاعة ۱۲ منہ حاشیہ صاحب فتاویٰ اشرفیہ بر عبارت شامی۔

---

۱ اس کو جراحی نے ذکر کیا اور طویل بحث کی، اس سلسلے میں مرفوع روایت صحت کو نہیں پہنچتی ہے۔۱۲

۲ اور ان میں سے بعض نے نقل کیا کہ قہستانی کے نسخے کے حاشیئے پر لکھا کہ یہ اذان کے ساتھ مخصوص ہے اور اقامت میں کامل تلاش کے بعد بھی کوئی دلیل نہیں ملی ۱۲

۳ میں کہتا ہوں، موقوف تو اگرچہ وہ منقول ہے لیکن ضعف سند کے ساتھ ہی کوئی ایسا عمل نہیں جو موجب طاعت ہو بلکہ یہ آشوب چشم کا منتر ہے عوام اس کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں۔۱۲

گذارش و موجب زحمت دہی یہ ہے کہ ہفتہ گذشتہ میں ایک عریضہ دربارہ استفتائے تقبیل الابہامین عند قول المؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابلاغ خدمت کیا ہے۔ آج فتاوائے امدادیہ میں ایک صاحب نے عبارت مرقومۂ بالا دکھائی جو بلفظہٖ ملاحظۂ عالی میں پیش کر کے رفع شکوک کا خواستگار ہوں وھی ہٰذا:

(۱) علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارے میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کر کے لم یصح فی المرفوع یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کیے ہیں، ان سے حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار ہے یا کلیتاً تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچتا۔

مفتی صاحب کی تحریر و حاشیہ خور غور طلب ہے، پھر ان کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں، خود یہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا بہ تعلیم سیدنا خضر علیہ السلام، جامع الرموز نے کنز العباد سے جو عبارت نقل کی ہے اس میں اثبات استحباب ہے۔ مجموعہ فتاویٰ جلد سوم ص ۴۲

طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح مصری ص ۱۱۸ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے، نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً لکھ کر حضرت خضر علیہ السلام سے عملاً روایت بطور تائید بیان کی علیٰ ہذا سادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے۔

اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین مصری ص ۲۴۷ (فقہ شافعی)

وفی الشنوانی ما نصہ من قال حین یسمع قول المؤذن اشہد ان محمد رسول اللّٰہ مرحباً بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن

عبداللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یقبل ابھا میہ و یجعلھما علٰی عینیہ لم یعم ولم یرمد ابداً انتھٰی۔

(اعانۃ الطالبین، فصل فی الاذان والاقامۃ ج۱ ص ۲۳۳، مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت)

شنوانی میں ہے جس نے مؤذن کو اشہد ان محمد رسول اللہ کہتے سنا اور مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے انگوٹھے چومے اور اپنی آنکھوں میں لگائے تو اندھا نہ ہوگا، اور آشوب چشم میں مبتلا نہ ہوگا۔

کفایت الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیر وانی فی مذہب سیّدنا الام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مصری جلد ا ص ۱۶۹ (فائدہ)

نقل صاحب الفردوس ان الصدیق رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ لما سمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ، قال ذالک وقبل باطن انملۃ السبابتین و مسح عینیہ فقال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من فعل مثل خلیلی فقد حلت علیہ شفاعتی قال الحافظ السخاوی ولم یصح ثم نقل عن الخضر انہ علیہ الصلاۃ والسلام قال من قال حین یسمع قول المؤذن اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ مرحبا بحبیبی و قرۃ عینی محمد بن عبداللّٰہ (صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم) ثم یقبل ابھا میہ و یجعلھما علٰی عینیہ لم یعم و لم یرمد ابداً و نقل غیر ذٰلک ثم قال و لم یصح فی المرفوع من کل ھذا شَیْ ءٌ و اللّٰہ تعالٰی اعلم

صاحب فردوس نے نقل کیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب مؤذن کے اس قول کو سنتے کہ اشہد ان محمداً رسول اللہ تو یہ الفاظ کہتے اور

دونوں شہادت کی انگلیوں کا اندرونی حصہ چومتے اور آنکھوں پر لگاتے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرے خلیل کی طرح کیا اس پر میری شفاعت حلال ہوئی۔ حافظ سخاوی نے کہا، کہ صحیح نہیں۔ پھر خضر سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مؤذن کے اس کلمہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ کو سن کر کہا، مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چومے اور وہ اپنی دونوں آنکھوں پر لگائے وہ کبھی نابینا نہ ہوگا اور آشوب چشم میں مبتلا نہ ہوگا۔ اس سلسلے میں مرفوع حدیث ثابت نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

علامۃ الشیخ علی الصعیدی العدوی اسی شرح کے حاشیہ ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں (قولہ ثم یقبل الخ)

لم یبین موضع التقبیل من ابھا مین الا انہ نقل عن الشیخ العالم المفسر نور الدین خراسانی قال بعضھم لقیتہ وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ ابھامی نفسہ و مسح بالظفرین اجفان عینیہ من المآقی الٰی ناحیۃ الصدغ ثم فعل ذٰلک عند کل تشھد مرۃً مرۃً فسالتہ عن ذٰلک فقال کنت افعلہ ثم ترکتہ فرضت عیناى فرأیت صلی اللّٰہ علیہ وسلم منا ما فقال لم ترکت مسح عینیک عند الاذان ان اردت ان عینک فعد الی المسح فاستیقظت و مسحت فبرئتُ و لم یعادونی مرضھما الٰی الآن انتھی. فھذا یدل علٰی ان الاولٰی التکریر والظاھر انہ حیث کان المسح بالظفرین ان التقبیل لھما واللّٰہ

تعالیٰ اعلم.

انگوٹھے چومنے کا مقام بیان نہیں کیا۔ البتہ شیخ عالم مفسر نورالدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ میں ان سے اذان کے وقت ملا تو جب انھوں نے اشہد ان محمدا رسول اللہ سنا تو انھوں نے اپنے دونوں انگوٹھے چومے اوردونوں ناخن آنکھوں کے پپوٹوں کو لگا کے کویوں کی طرف سے کنپٹی کی طرف کیا پھر ایسا ہی ہر تشہد کے موقع پر ایک ایک بار کیا تو میں نے ان سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں یہ کیا کرتا تھا، پھر چھوڑ دیا تو میری آنکھیں خراب ہوگئیں۔ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا، کہ اذان کے وقت آنکھوں کو ہاتھ لگانا کیوں چھوڑ دیا، اگر تم اپنی آنکھیں ٹھیک کرانا چاہتے ہو تو وہ عمل دوبارہ شروع کر دو۔ جب میں بیدار ہوا تو وہی عمل کیا، تو میری آنکھیں ایسی تندرست ہوئیں کہ پھر اب تک بیمار نہ ہوئیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکرار بہتر ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ناخنوں کو لگانے کا حکم آیا ہے اس لئے چومنا بھی ان ہی کا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ان تمام عبارات میں کہیں تقبیل ابہامین پر نکیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحباب کا پتہ الفاظ صریحہ میں ملتا ہے۔ برخلاف اس کے صاحب فتاوائے اشرفیہ عبارت شامی پر حاشیہ لکھ کر (مباح ص ۲ ملاحظہ ہو۔) مان رہے ہیں پھر اس مباح کو بھی بدعت ٹھہرا رہے ہیں۔ اس تضاد و اشکال کو رفع فرما کر قاطع فیصلہ فرمایا جائے۔

صاحب فتاویٰ اشرفیہ عمل مانحن فیہ کو اپنے حاشیہ مذکورہ میں رقیہ مان کر

دعویٰ کرتے ہیں۔

"والعوام یفعلونه باعتقاد الطاعة"

(عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں)

یہاں صرف یہ اشکال ہے کہ اعتقاد قلب سے تعلق رکھتا ہے اس پر مفتی صاحب مذکور کو کس طرح اطلاع ہوئی درصورتیکہ ان کے نزدیک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی باوصف اعلام علّام ما فی الصدور علوم غیبیہ سے بے خبر ہیں۔(معاذ اللہ) وہ بھی عامۂ مومنین کے دلی خیال اور اعتقاد سے اطلاع ہوئی، خواہ وہ ہند میں ہوں یا کابل میں، ایران میں ہوں یا عرب شریف میں، غرض شرق میں ہوں یا غرب میں حیث یقول و العوام یفعلونه باعتقاد الطاعة یہاں بعض الناس نے سخت فتنہ برپا کر رکھا ہے۔

مسترصد[1] کہ جلد تر جواب باصواب سے اعزاز بخشیں۔ اجر کم اللہ تعالیٰ بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و صحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین.

مختار صدیقی

---

[1] منتظر ہوں ۱۲

الجواب:

اس مسئلہ کی تحقیق بالغ وتنقیح بازغ میں بائیس سال ہوئے فقیر نے کتاب "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" لکھی کہ بیس سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر ملک میں مفت تقسیم ہوئی اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اعانت کو بغرض ملاحظہ مرسل ہے۔ ایک نسخہ بھی اور ہوتا تو ہدیہ حاضر کردیتا، بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں، یہ رسالہ باذنہ تعالیٰ دربارہ حدیث وفقہ منکرین کے خیالات باطلہ عاطلہ کی بیخ کنی وصفراشکنی کو بس ہے، لہٰذا ان سے زیادہ تعرض کی حاجت نہیں، صرف بعض امور جہالت فتوائے مذکور اجمالاً گزارش و باللہ توفیق۔

(۱) دعویٰ یہ کہ اذان میں کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور اس پر دلیل شامی کی جراحی سے نقل کہ ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجۂ صحت کو نہیں پہنچی جو خود مشیر ہے کہ اس کی احادیث موقوفہ پر یہ حکم نہیں ورنہ مرفوع کی تخصیص کیوں ہوتی۔ عبارات کتب میں مفہومِ مخالف بلا شبہ معتبر ہے۔ اسی شامی طابع قسطنطنیہ جلد ۵ ص ۵۲ میں ہے:

فان مفاهيم الكتب حجة ولو مفهوم لقب على ما صرح به الاصوليون۔

ترجمہ: عبارات کتب میں مفہوم مخالف حت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لقبی ہو؛ علمائے اصول نے یہی تصریح کی ہے۔ (ت)

نیز جلد اوّل ص ۱۶۷ يفتى به عند السوال لان مفاهيم الكتب معتبرة كما تقدم (سوال کے وقت اسی پر مفہوم ہوگا کیونکہ عبارات کتب میں

مفہوم مخالف حجت ہوتا ہے، جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔)

درمختار بیان سنن وضو میں نہر الفائق سے ہے:

"مفاهيم الكتب حجة بخلاف مفاهيم اكثر النصوص"

احادیث موقوفہ کیا روایت نہیں؟ لاجرم ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں کل ما یروی في هٰذا فلا يصح رفعه البتة (اس سلسلہ میں جو کچھ مروی ہے اس کا مرفوع ہونا کسی طرح بھی صحیح نہیں) لکھ کر فرمایا:

قلت و اذا ثبت رفعه الى الصديق رضى اللّٰه تعالٰى عنه فيكفى العمل به لقوله صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين.

یعنی اگرچہ اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع صحیح نہیں مگر جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے تو اس پر عمل کے لئے کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، تم پر لازم ہے میرا طریقہ اور میرے خلفائے راشدین کا طریقہ۔

(۲) صحیح کی نفی سے معتبر کی نفی جاننا فن حدیث سے جہالت پر مبنی۔ کتب رجال میں ہزار جگہ ملے گا يعتبر به ولا يحتج به (یہ معتبر ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالا جماع کافی، اگرچہ حدیث صحیح بلکہ حسن، بھی نہ ہوں۔

(۳) فقہ میں روایت، روایت فقیہہ بھی ہے۔ بالفرض اگر حدیث معتبر مطلقاً منتفی تو اس سے روایت معتبرہ کی نفی یا جہل محض ہے یا نری غیر مقلدی کہ بے ثبوت حدیث روایت فقیہہ نہ مانی۔

(۴) یہیں یہیں اسی شامی میں قہستانی وفتاویٰ صوفیہ و کنز العباد سے صراحتاً اس کا استحباب منقول اور بصیغۂ جزم بلا تعصب مذکور و مقبول تو شامی سے صرف نسبت حدیث ایک کلام نقل کر لانا اور اسی عبارت میں شامی کے حکم مقرر فقہی کو چھوڑنا صریح خیانت ہے۔

(۵) پھر روایت فقیہہ قصداً بچا کر وہ سالبہ کلیہ کہ "کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں" صاف اغوائے عوام ہے۔ کیا کتب فقہ میں ہزار سے کم اس کے نظائر ملیں گے کہ حکم فقہی پر جو حدیث نقل کی اس میں کلام کر دیا گیا مگر اس سے روایت فقہی نا معتبر نہ ہوئی، ہاں وہی غیر مقلدی کی علت پیچھے ہو تو کیا علاج!

(۶) اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہ ہونے پر شامی کا کلام نقل کیا کہ بعض نے قہستانی سے نقل کیا کہ انھوں نے اپنے نسخے کے حاشئے پر لکھا کہ دربارہ اقامت بعد تلاش کامل روایت نہ ملی اور انہیں شامی کا کلام نہ دیکھا کہ ایسی نقل نقل مجہول اور نقل مجہول محض نا مقبول، جلد دوم ص ۵۱۲ قول المعراج ورأیت فی موضوع الخ (ای معزوا الی المبسوط) لا یکفی فی النقل لجھالت، وہاں بواسطہ مجہول ناقل امام قوام الدین کاکی شارح ہدایہ تھے، یہاں شامی وہاں منقول عنہ بالواسطہ امام الائمہ سرخسی تھے یا خود محرر المذہب امام محمد اور یہاں قہستانی، ع

ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بہ کجا

جب وہ بوجہ جہالت واسطہ مقبول نہ ہوئی تو اس کی کیا ہستی، مگر کیا کیجئے کہ ع

عقل بازار میں نہیں بکتی!

(۷) لم یوجد اور موجود نہیں میں جو فرق ہے عاقل پر مخفی نہیں مگر عقل بھی

ہو، خالی نا یافت کی نقل ہے کہ شہادۃ علی النفی سے زائد نہ ٹھہرے گی۔ آ کد الفاظ فتویٰ منقول اور بوجہ جہالت نامقبول ہوا۔ انھیں علاّمہ شامی کا کلام سنیئے۔ عقود الدّریہ ج ۲ ص ۱۰۹

قال الزيلعي ان الفتوى على قولهما قال الشيخ قاسم في تصحيحه ما نقله الزيلعي شاذ مجهول القائل.

درمختار میں ہے۔

عليه الفتوى الزيلعي و بحر معزياً للمغني لكن رواه العلامه قاسم في تصحيحه بان ما في المغني شاذ لجهول القائل فلا يعول عليه.

(درمختار، باب الاجارۃ الفاسدہ، ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

شامی نے اسے مقرر رکھا۔

(۸) اس پر یہ ادعا کہ اسی واسطے فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا ہے، صریح کذب ہے

(۹) اس پر کہنا کہ یہ عبارت شامی کی ہے بکف چراغی ہے۔ شامی میں قہستانی سے بنقل مجہول یہ منقول کہ اس کی روایت نہ ملی، اگر بفرض غلط یہ نقل مجہول مقبول بھی ہو اور عدمِ وجدانِ روایت عدم وجود روایت بھی تو نفی روایت روایت نفی نہیں، ہذا کا اشارہ جانب نقل ہے نہ جانب حکم، فقہاء نے بالکل انکار کیا، کس کے گھر سے لائے۔

(۱۰) ایں ہم بر علم تو، غایت درجہ یہ کہ قہستانی کا اپنا انکار ہوگا نہ کہ وہ فقہا سے کوئی قول نقل کر رہے ہیں، اور قہستانی کا بہ ایں معنیٰ فقہاء میں شمار کہ ان کا اپنا قول بلا نقل مسلم ہو باطل ہے، بلکہ نقل میں بھی ان کی وہ حالت جو خود

یہی علامہ شامی عقود الدریہ جلد۲ ص ۲۹۷ میں بتاتے ہیں:

القهستانی کجارف سیل و حاطب لیل خصوصاً و استناده الٰی کتب الزاهدی المعتزلی اور کشف الظنون حرف النون میں علامہ عصام اسفرائنی کا قول نہ دیکھنا کہ اس ادعائے باطل کی لگی نہ رکھے گا اور بالکل کشف الظنون بلکہ علاج جنون کر دے گا، ہم نے پتہ بتا دیا، نہ ملے تو پیش بھی کردیں گے انشاءاللہ تعالیٰ۔

(۱۱) یہ بھی سہی تو کیسا ظلم شدید اور تعصب عنید ہے کہ مسئلہ اقامت میں قہستانی کا اپنا قول بلانقل بلکہ صرف روایت نہ پانا سند میں پیش کیا جائے اور اسے انھیں ایک فقیہ نہیں بلکہ فقہا کا انکار ٹھہرا دیا جائے اور یہیں یہیں مسئلہ اذان میں جو یہی قہستانی خاص روایت فقہی نقل فرما کر استحباب بتا رہے ہیں وہ مردود و نامقبول قرار پائے غرض بری امام اپنی ہوائے نفس سے ہے وبس۔

(۱۲) اقامت میں اذان سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے۔یعنی بدعت و بے اصل اذان میں بھی وہی مرض غیر مقلدی ہے کہ فقہا، اگرچہ غیر مستحب، فرمائیں گے مگر ان کا مردود اور بدعت مذمومہ ہونا غیر مسدود۔

(۱۳) نہیں نہیں نری غیر مقلدی نہیں بلکہ اجماع امت کا رد اور غیر سبیل المومنین کا اتباع بد ہے جس پر قرآن عظیم میں **نصلہ جهنم و ساءت مصیرا** (النساء: ۱۱۵) کہ وعید مؤکد ہے احادیث یہاں قطعاً مروی مرفوع بھی اور موقوف بھی اور غایت ان کا، ضعف جس کا بیان قطعی منیر العین ہے جس سے حق کی آنکھیں پر نور اور باطل کی ظلمتیں دور بلکہ خود اسی قدر عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اس میں صرف لم یصح (صحیح نہیں) کہا اور وہ بھی فقط احادیث مرفوعہ کو، اگر سب کو کہتے جب بھی نفی صحت

سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر ضعیف تعدد طرق سے حسن ہو جاتی اور مسائل حلال وحرام میں حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعاً باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف، بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع، مردود ومخذول۔ اربعین امام ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ میں ہے:

[1] قد اتفق العلماء علٰی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال. (شرح متن اربعین نوویہ، قبیل حدیث اوّل، ص ۶، مطبوعہ قطر)

(۱۴) اجماع امت کا خلاصہ وہاں دشوار نہ تھا۔ مصیبت یہ ہے کہ جمہور وہابیہ کی بھی مخالفت ہوئی کہ تخصیص عدم صحت بہ احادیث مرفوعہ نے صحت بتائی، ملا علی قاری کی عبارت گزری تو قرون ثلاثہ میں اصل متحقق ہوئی، پھر بدعت و بے اصل کہنا اصول وہابیت پر بھی چھری پھیرنا ہے۔

(۱۵) سخت تر آفت یہ ہے کہ دیوبندیت کے امام اعظم جناب گنگوہی صاحب سے چل گئی اور وہ بھی بہت بری طرح کہ ان کی سنت، ان کی بدعت ان کی ہدایت ان کی ضلالت، یہ فاعل کو بدعتی، گمراہ ٹھہرائیں وہ ان کو منکر سنت، ضال، بدراہ بتائیں، پھر یہ کیا انھیں چھوڑے دیتے ہیں۔ یہ کہیں گے کہ وہ بدعت وضلالت کو سنت بتا کر سخت گم راہ، بے دین ہوئے کفی اللہ المومنین القتال۔ (لڑائی میں مومنوں کیلئے اللہ تعالیٰ کافی ہے) اس کا مفصل منیر العین افادہ ۳۰ میں ملاحظہ ہو، مجمل یہ کہ یہ احادیث تقبیل گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی، فضائل اعمال کی ہیں کہ اس پر ترغیب ثواب ان میں مذکور ہے۔

مسند الفردوس کی حدیث میں بہ روایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] تحقیق علماء کا اتفاق ہے کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔

ہے کہ انھوں نے اذان میں نام سن کر انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دے کر آنکھوں پر پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من فعل مثل مَا فعل خليلي فقد حلت عليه شفاعتي

جوایسا کرے جیسا میرے اس پیارے نے کیا اس پر میری شفاعت حلال ہو جائے۔

جامع الرّموز و کنز العباد وغیرہما میں ہے:

فانه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يكون له قائداً الى الجنة

(جامع الرموز، باب الاذان، ج۱ ص ۱۲۵)

جو ایسا کرے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اسے جنت میں لے جائیں گے۔

اور یہ تو روایات عدیدہ میں ہے، جو ایسا کرے گا کبھی اندھا نہ ہوگا۔ نہ اس کی آنکھیں دُکھیں۔ یہ کیا فضلیت و ترغیب نہیں۔ بہر حال یہ حدیثیں فضائل اعمال کی ہیں اور گنگوہی صاحب براہین قاطعہ طبع دوم ص ۹۶ میں فرماتے ہیں: ''سب کا مدعا یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے۔'' ظاہر ہے کہ یہاں درست یہاں بہ معنیٰ جائز ہی ہے خصوصاً جبکہ امیر المومنین، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثبوت لیں جیسا کہ عبارت علی قاری میں گزرا۔ جب تو اس مسئلے میں قبول کی بھی حاجت نہ ہوگی کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تقلید کا خود احادیث صحیحہ میں حکم فرمایا۔

حدیث خلفاء کلام قاری میں گزری۔ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اقتدوا بـالّذين مِنْ بَعْدِىْ ابی بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، (جامع

ترمذی، مناقب ابوبکر صدیقؓ)

ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد والی امت ہوں گے۔

رواہ احمد والترمذی وحسنہ و ابن ماجۃ والزرقانی والحاکم و صححہ ابن حبان فی صححہ عن حذیفۃ والترمذی و الحاکم عن ابن مسعود و ابن عدی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنھم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ تقلید عام صحابہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہ کا مذہب ہے بلکہ وہابیہ کے نزدیک تین قرن تک حکم تقلید بلکہ منصب تشریع جدید ہے کما بیناہ فی کتبنا فی الرّد علیھم (جیسے کہ ہم نے اپنی کتب میں ان کا رد کرتے ہوئے واضح کیا ہے) بہرحال اس عمل کی دلیل جواز قرون ثلاثہ میں متحقق ہوئی اور گنگوہی صاحب ص ۲۸ میں کہتے ہیں۔" جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو وہ سب سنت ہے اھ۔ تو روشن ہوا کہ جناب گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا سنت ہے، اور حدیث سے ثابت ہے کہ منکر سنت پر لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ستۃ لعنتھم لعنھم اللّٰہ و کل نبی مجاب (الٰی قولہ) و التارک لسنتی رواہ الترمذی عن ام المومنین والحاکم عنھا و عن علی والطبرانی بلفظ سبعۃ لعنتھم و کل نبی مجاب عن عمرو بن شغوی رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم بسند حسن

کچھ لوگ ہیں جن پر میں نے لعنت کی، اللہ ان پر لعنت کرے، اور ہر نبی کی دعا قبول ہے، ازانجملہ ایک وہ کہ میری سنت کا منکر ہو۔

اب صاحب فتاویٰ اشرفیہ اپنا حکم گنگوہی صاحب سے دریافت کریں یا گنگوہی صاحب کے حق میں خود کوئی حکم فرمادیں۔

(۱۶) اب اقامت کی طرف چلئے، شامی سے بحوالہ مجہول قہستانی کا روایت نہ پانا نقل تو کر لائے اور اس سے یہ نتیجہ کہ فقہا نے اس کا بالکل انکار کیا، حالانکہ خلفائے کرام کا مسلک وہ ہے جو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر ص ۱۴ میں فرمایا عدم النقل لا ینفی الوجود.

(۱۷) عدم نقل کو نقل عدم ٹھہرانے کا رد خود اسی شامی میں جا بجا موجود، ازا نجملہ جلد اوّل ص ۶۰ میں بعد ذکر احادیث فرمایا:

قال العلماء هذه الاحاديث من قواعد الا سلام و هو ان كل من ابتدع شيئا من الخير كان له مثل اجر كل من يعمل به الٰى يوم القيٰمة.

یعنی علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیثیں دین اسلام کے قواعد سے ہیں، ان سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جو شخص کوئی اچھا کام نیا نکالے کہ پہلے نہ تھا، قیامت تک جتنے مسلمان اس پر عمل کریں سب کے برابر ثواب اس ایجاد کرنے والے کو ہو۔

(۱۸) بدعت و بے اصل کی بھی حقیقت سن لیجئے۔ فتح اللہ المعین جلد ۳ ص ۴۰۲ فصل فی الاستبراء وغیرہ

لا اصل لها لا يقتضى الكراهة ولذا قال فى الدر ما قيل انها بدعة اى مباحة حسنة

یعنی، بے اصل ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا اسی لئے درمختار

میں فرمایا کہ اسے جو بدعت کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نوپیدا جائز اچھی بات ہے۔

فرض کرو اگر اس سے بوجہ عدم نقل انکار مطلق ہی مقصود ہو، تو بحال عدم نقل احکام فقہا جن کا نمونہ ہم نے ذکر کیا اس کے معارض ہوں گے اور ترجیح وتوفیق وتوجیہہ وتحقیق کہ ہمارے رسائل وہابیہ میں ہے اس کی مؤنت جناب گنگوہی صاحب نے کم کر دی اور منکرین کو کسی عبارت خلاف سے شبہ ڈالنے کی گنجائش نہ رکھی کہ اس سے غایت درجہ مسئلہ عدم نقل میں اختلاف ثابت ہوگا، اور گنگوہی صاحب براہین ص ۱۳۷ میں فرماتے ہیں:

''اس کی کراہت مختلف فیہ ہوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلا ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔''

یہ وہاں کہی اور اتباع رخص حلال کر دینے کی داد دی ہے جہاں ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اختلاف ہے، تو جہاں خود علمائے حنفیہ کے قول دونوں طرف ہوں تو بدرجہ اولیٰ بلا ضرورت مطلقاً جائز رہے گا اور منکر کے قول کے خلاف سے سند لائے، احمق کج فہم ٹھہرے گا۔

نہیں نہیں فقط یہ نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کے خیال میں وقت اقامت بھی تقبیل مذکور سنت اور تھانوی صاحب کا اس پر انکار گمراہی و ضلالت اور بحکم حدیث موجب لعنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں، اقامت احکام میں مثل اذان ہے۔ سوا مستثنیات کے، بلکہ ہدایہ میں ہے یروی انہ لا تکرہ الاقامۃ ایضاً لانھا احدی الاذانین. ترجمہ: اور یہ مروی ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں کیونکہ یہ بھی ایک اذان ہے اور عند التحقیق تنقیح مناط انتفائے خصوص کرے گی، تو اس کی دلیل جواز بھی متحقق ہوئی اور سنت ٹھہری، یہاں اس کی

جنس یعنی تقبیل اذان خود موجود ہے۔ گنگوہی ص ۲۸ میں ہے "جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو، خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، وہ سب سنت ہے۔"

یہ اس چار سطری تحریر پر تلک عشرۃ کاملۃ ہیں، وہ بھی، بہ نہایت اختصار۔ اب ڈیڑھ سطری منہیہ کی طرف چلئے و باللہ التوفیق۔

(۲۱) علمائے کرام نے کہ نفی صحت میں مرفوع کی تخصیص فرمائی، اس کا مطلب یہ گڑھا کہ اس بارہ میں حدیث موقوف اگرچہ منقول ہے مگر ضعیف الاسناد ہے۔ کیا علماء نے یہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں حدیث مرفوع کوئی منقول ہی نہیں، یا یہ فرمایا تھا کہ جو منقول ہے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے، یا یہ فرمایا تھا کہ ضعیف بھی نہیں بلکہ موضوع ہے۔ انھیں تین صورتوں میں اس اختراعی مطلب پر مرفوع و موقوف کا تفرقہ اور تخصیص کا فائدہ صحیح رہتا مگر ہر ذرا سے فہم والا بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ بہر وجہ علماء پر افترا ہے، علماء نے یہی بتایا ہے کہ اس بارہ میں احادیث مرفوعہ اگرچہ منقول ہیں مگر درجۂ صحت پر نہیں بلکہ ضعیف ہیں۔ یہی اس بے معنی منہیہ نے حدیث موقوف میں کہا تو فرق کیا رہا۔ صراحتاً، تخصیص مرفوع باطل کرنے کو تخصیص مرفوع کا مطلب ٹھہرانا جنوں نہیں تو شدید مکاری ڈھٹائی ہے، مکاری نہیں تو سخت جنون و بے عقلی ہے (۲۲) بفرض باطل یہی مطلب سہی مگر یوں بھی کال نہ کٹا، امام الطائفہ گنگوہی صاحب ایمان لا چکے کہ یہاں مقبول ہے۔ اگر ضعیف حدیث اور طائفہ بھر کا دھرم قرون کی تثلیث، پھر حدیث موقوف وضعیف موجود مان کر، بدعت و بے اصل کہنا کیسا۔

(۲۳) ایک بھاری دیانت یہ دکھائی کہ حدیث سے اس عمل کا طاعت ہونا نہیں نکلتا بلکہ رمد سے بچنے کا ایک منتر ہے۔ الحق حیا و ایمان متلازم ہیں۔ یہ اعتراض اگر چل سکتا تو نہ موقوف وضعیف بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح اگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہوتا، اسے بھی اڑا دیتا۔ حدیثوں میں تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے، اسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے، اور منہیہ کہتا ہے کہ یہ کوئی طاعت ہی نہیں۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جس پر عظیم وجلیل ثواب موعود ہوں وہ سرے سے طاعت ہی نہیں ایک منتر ہے۔

(۲۴) حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے، یوں پڑھے:

رضیت باللہ ربًا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نبیًا۔ (المقاصد الحسنہ، حرف المیم، حدیث ۱۰۲۱، ص ۳۸۴، مطبوعہ بیروت)

حدیث خضر علیہ الصلاۃ والسلام میں ہے، یوں کہے:

مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم. (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۴) اسی طرح حدیث سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے

چوتھی روایت میں ہے، یوں کہے:

صلی اللہ تعالٰی علیک یا رسول اللہ قرۃ عینی بک یا رسول اللہ اللّٰھم متعنی بالسمع و البصر. (جامع الرموز، باب الاذان ج۱ ص ۱۲۵)

پانچویں میں ہے درود پڑھے اور چھٹی میں ہے یوں کہے:

صلی اللّٰہ تعالٰی علیک یا سیّدی یا رسول اللّٰہ یا حبیب قلبی یا نور بصری و یاقرۃ عینی. (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۴)

ساتویں میں ہے یوں کہے:

اللّٰھُم احفظ حدقتی و نورھما ببرکۃ حدقتی محمّد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم و نورھما. (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۵) منہیہ کے نزدیک یہ اللہ و رسول کے ذکر، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، اللہ عزوجل سے دعا کچھ طاعت ہی نہیں، حالانکہ ذکر ہی روح طاعت ہے اور دعا مغز عبادت اور درود کو مسلمان ایمان کا چین، چین کا ایمان سمجھتے ہیں اگرچہ منہیہ منتر مانے۔

(۲۵) اس عمل مبارک کے فوائد میں ایک فائدہ جو یہ فرمایا گیا، کہ جو ایسا کرے گا اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی نہ کبھی اندھا ہو، اس جرم پر وہ ذکر الٰہی و درود و دعا سب طاعت سے خارج ہو کر ردکا منتر رہ گئے۔ نام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس عداوت کی کوئی حد ہے، صدہا حدیثیں ہیں جن میں تلاوت قرآن عظیم و تسبیح و تہلیل و حمد و تکبیر ولا حول وغیرہا اذکار جلیلہ پر منافع جسمانیہ و دنیاویہ ارشاد ہوئے ہیں، جسے شوق ہو صحاح ستہ و ترغیب و ترہیب امام منذری و جوامع امام جلیل سیوطی و حصن حصین امام جزری وغیرہا کتب حدیث مطالعہ کرے۔ منہیہ کے دھرم میں یہ اسلامی ایمانی کلمے اور خود قرآن عظیم سب منتر ہیں جنہیں طاعت سے کچھ علاقہ نہیں اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم.

(۲۶) اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر حکیم سے بڑھ کر حکیم

ہیں، ان کی رعایا میں ہر قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ عالی ہمت کہ اللہ ورسول جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ و رسول کے لئے یاد کریں، اپنی کوئی منفعت دنیوی تو دنیوی اخروی بھی مقصود رکھیں، یہ خالص مخلص بندے ہیں جن کی بندگی میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہیں، ان کے لئے وصل ذات ہے جن کو فرمایا: وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۔(پ۲۱ العنکبوت آیت ۶۹) دوسرے وہ جن کو کسی طمع کی چاشنی ابھارے مگر نفع فانی کے گرویدہ نہیں باقی کی تلاش ہے، قرآن و حدیث میں نعیم جنت کا بیان ان کی نظیر سے ہیں، جن کو فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔(پ۱۱ سورہ التوبۃ آیت ۱۱۱)

یقیناً اللہ نے مومنین سے ان کے نفسوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

تیسرے وہ جن کو نفع عاجل کی امید دلانا زیادہ مؤید ہے جن کو فرمایا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا (پ ۲۹ سورہ نوح آیت ۱۰،۱۱)

تو میں نے ان سے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو وہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا۔

اور فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّ شِفَآءٌ (پ ۲۴ حٰمٓ السجدہ ص ۴۴) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اغزوا تغنموا و صوموا تصحوا و سافروا تستغنوا و فی

حدیث حجوا تستغنوا (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۲۴، باب اغزوا تغنموا، مصنف عبدالرزاق، باب فضل الحج)

جہاد کرو غنیمت پاؤ گے اور روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ گے اور حج کرو غنی ہو جاؤ گے۔

روی الاوّل الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابی هریرة رضی اللّٰہ تعالٰی عنه والاخر عند الرزاق عن صفوان بن سلیم مرسلا ووصله فی مسند الفردوس.

چوتھے وہ پست فطرت، دوں ہمت کہ امید نفع پر بھی نہ سرکیں جب تک تازیانے کا ڈر نہ دلائیں۔ قرآن و حدیث میں عذاب نار کے بیان ان کی نظری سے ہیں، جن کو فرمایا:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَه شَيْطٰنًا فَهُوَ لَه قَرِيْنٌ وَ اِنَّهُمْ ۱ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ط
۲ حَتّٰى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ O
(پ ۲۵ سورہ الزخرف آیت ۳۶ تا ۳۹)

اور جو رحمٰن کے ذکر سے پہلو تہی کرے گا تو ہم اس پر شیطان کو مسلط کر دیں گے اور وہ ان کا ساتھی ہو جائے گا۔
۱ اور وہ یقیناً ان کو راہ راست سے روکتے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔
۲ حتّٰی کہ جب وہ ہمارے حضور آئے گا، کہے گا اے کاش میرے اور تیرے

درمیان مشرقین کا بعد ہوتا تو، وہ برا ساتھی ہے۔ اور آج تم کو نفع نہ ہوگا کیونکہ تم نے ظلم کیا ہے، بے شک تم عذاب میں شریک ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یدع اللّٰہ غضب علیہ. رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن ابی ھریرۃ و بلفظ من لم یسأل اللّٰہ یعضب علیہ احمد و البخاری فی الادب المفرد و الترمذی و ابن ماجۃ و البزار و ابن حبان و الحاکم و صححاہ و للعسکری عنہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فی المواعظ بسند حسن عن النّبی صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قال قال اللّٰہ تعالٰی من لا یدعونی اغضب علیہ. اللّٰھم صل و سلم و بارک علیہ و علٰی اٰلہٖ و صحبہ و ابنہ و حزبہ ابداً اٰمین.

جو اللہ سے دعا نہیں کرتا، اللہ اس پر ناراض ہوتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں ابوہریرہؓ سے روایت کیا۔ (مصنف ج ۱۰ ص ۲۰۰، ف فضل الدعاء، مطبوعہ کراچی)

صاحب منہیہ اللہ عزوجل کی حکمتوں کو باطل کرتا اور طاعت کو صرف قسم اوّل میں منحصر کرنا چاہتا اور حدیث و قرآن کے تمام اذکار جنت و نار ترغیب و ترہیب کو لغو و فضول بلکہ اغوا و اضلال بتاتا ہے کہ بندوں کو مقصود سے دور کر کے منتر جنتر میں لاڈالا وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔ ترجمہ: عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹ کھائیں گے (۲۷) عوام پر غیظ ہے کہ وہ یہ ذکر خدا اور رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ اعتقاد طاعت کرتے ہیں۔ الحمد للہ، مسلمانوں کے عوام آپ جیسے

خواص سے عقل وفہم وفضل وعلم میں بدر جہا زائد ہیں۔ وہ اپنے ربّ عزو جل کے ذکر و دعا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر ومحبت و تعظیم و توسل کو طاعت نہ جانیں تو کیا آپ کی طرح ذکر و تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہر حیلہُ ممکنہ باطل کرنے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح توہینوں کو عبادت مانیں۔ وہ رمد چشم کا عمل ہی سہی، فرض کیجئے ایک شخص اپنی آنکھوں کے علاج کو جالینوس کا شیاف یا ابن سنیا کی سلائی لگاتا ہے اور ایک مسلمان سورۂ فاتحہ و آیۃ الکرسی و اسم الٰہی نور صلاۃ نور سے علاج کرتا ہے، آپ کے دھرم میں دونوں برابر ہیں کہ ایک فعل مباح کر رہے ہیں، طاعت نہ یہ نہ وہ، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ کہاں جالینوس و ابن سینا پر بھروسا اور کہاں کلام اللہ نور ہدیٰ و شفا و اسمائے الٰہیہ سے توسل والتجا بہ ضرور طاعت اور اس کے حسن ایمان کی علامت ہے ولکن النجدیۃ لا یعلمون۔ (لیکن نجدی نہیں سمجھتے) بات یہ ہے کہ وعیدوں یا جسمانی، دنیاوی بلکہ اخروی منفعتوں، ثوابوں کے وعدوں سے بھی حاشا یہ مراد خدا اور رسول نہیں جل و علا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ ان وعیدوں سے بچنا یا ان کا منافع ملنا ہی مقصود بالذات بنا کر اسی غرض ونیت سے ذکر خدا و رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرو کہ یہ تو قلب موضوع وعکس مقصود ہے۔ جو عبادت جنت کی نیت سے کرے کہ وہی اس کی مقصود بالذات ہو ہرگز عابد خدا نہیں، عابد جنت ہے۔

توریت مقدس سے منقول، اس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے، کیا اگر میں جنت و نار نہ بناتا مستحق عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس سے مراد صرف ابھارنا ہے کہ اس طمع وخوف کے لحاظ سے عمل لوجہ اللہ کریں۔ مضرت سے بچنا یا منفعت جسمانی خواہ روحانی، دنیوی

خواہ اخروی کا ملنا مقصود بالغرض ہو جیسے حج میں تجارت، جہاد میں غنیمت، روزے میں صحت، نماز میں کسرت بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے عوام اپنے رب کی مراد سمجھے اور اس عمل میں وہی ان کا مقصود ہوا کہ اپنے رب جل و علا، اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس پر براہ محبت و تعظیم بوسہ دیتے ہیں اور یہ سب قطعاً طاعت و مراد شریعت ہے۔ اس کی برکت، اس کے طفیل، اس کے صدقے سے ہمیں یہ جسمانی فائدہ بھی ملے گا کہ آنکھیں نہ دکھیں گی، اندھے نہ ہوں گے، یہ عین وہی نیت ہے جو شارع کو ایسے وعدوں میں مقصود ہوتی ہے مگر خائب و خاسر، احمق و غادر وہ کہ ایسے وعدوں پھول کر اصل مقصود، خدا اور رسول کو بھول جائے اور ان کے ذکر و تعظیم و محبت کو نرا منتر بتائے نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ (پ۲۸ الحشر: ۱۹)والعیاذ باللہ رب العالمین.

(۲۸) غنیمت ہے کہ رد کا منتر مان کر منتر کے نام سے وہ محض بوجہ عدم روایات یا ضعف مروی بدعت بدعت کا بھوت تو اترا اور یہ عمل مباح ٹھہر ورنہ عدم ورود پر بدعت و بے اصل ہونے کے جو معنی آپ حضرات کے یہاں ہیں ان کا مصداق کسی طرح مباح نہیں ہوسکتا اگرچہ اعتقاد طاعت نہ ہو۔

(۲۹) یہ تو اوپر گزرا کہ اسی فعل کو، اذان میں ہو خواہ اقامت میں، محض مباح جاننا شریعت گنگوہیہ کے بالکل خلاف ہے کہ اس میں یہ عمل سنت ہے، تو عوام ہی ٹھیک سمجھے اور طاعت کے طاعت اعتقاد کرنے کو بدعت بتا کرتمہیں بدعتی بد مذہب ہوئے اگرچہ دیوبندیت کی معراج ترقی فی المروق من الدین کے بعد بدعت کی کیا گنتی ع

ما علی مثلہ بعد الخطاء (بعد از خطا اس کی مثل پر کیا لازم آئے)

مگر یہاں یہ گذارش ہے کہ مباح بمعنی شامل فرض جس طرح امکان عام شامل وجوب ہے قطعاً یہاں مراد نہیں ورنہ فرض کو بھی طاعت سمجھنا گمراہی و بدعت ہو، لاجرم مباح بمعنی مساوی الطرفین نظیر امکان خاص مراد ہے، یعنی وہ فعل کہ محمود نہ مذموم۔ آپ نے اسے رمد چشم کا منتر بنا کر ایسا ہی مباح سمجھا اور یہ شریعت گنگوہیہ سے کفر ہے۔ عالی جناب گنگوہی صاحب* کے دھرم میں کوئی فعل ایسا مباح نہیں، اسی ص ۲۸ پر بولتے ہیں'' جس کے جواز کی دلیل قرون ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا وہ سب سنت ہے، اور جس کے جواز کی دلیل نہیں خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا سب بدعت ضلالت ہے۔''

ظاہر ہے کہ کوئی فعل ہو یا اس کے جواز کی دلیل قرون ثلثہ میں ہوگی یا نہیں، تیسری شق ناممکن ہے کہ یہ حصر عقلی دائرین النفی، والا ثبات ہے اور گنگوہی صاحب دو کلیہ دے گئے کہ شق اول کے سب سنت ہیں اور شق دوم کے سب ضلالت۔ اب وہ کون سا رہا کہ دونوں سے خارج ہو کر نرا مباح ہو بلکہ نہ ایک مباح کہ مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ و مستحب یہ سب احکام شرعیہ یکسر اڑ گئے۔ یہ ہے وہ گنگوہی شریعت کا وہ تازہ جوہر جس پر ص ۲۹ میں یہ ناز ہیں کہ ''اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے، اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورتاً رکھتا ہوں''

کیا نفیس جوہر ہے کہ ادھر تو شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

آدھے احکام اڑ گئے ادھر آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی، جس کا بیان منیر العین افادہ مذکور میں ہے۔ منیر العین نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر بھی تنبہ نہ ہوا اور کیوں ہوتا کہ حضور اقدس عالم ما کان و ما یکون صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحیح حدیث، صحیح بخاری شریف میں فرما چکے ہیں۔ ثم لا یعودون۔

(۳۰) مباح کا اعتقاد طاعت سے بدعت ہوجانا اگر اس سے یہ مراد کہ جو شے مباح محض ہے، جس کے فعل و ترک دونوں شرعاً مساوی، اسے فی نفسہٖ مامور بہ و مطلوب شرع اعتقاد کر دینا اسے بدعت کر دیتا ہے تو منہیہ والے کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ فعل مساوی الطرفین ہے اور عام عوام فی نفسہٖ اس کو مامور بہ یا مطلوب من جہۃ الشرع اعتقاد کرتے ہیں۔ اب یہاں وہ علم غیب کا مسئلہ جانگزائے اہل منہیہ ہوگا جو ہمارے سائل فاضل سلمہٗ نے ایراد کیا۔ اور اگر یہ مراد کہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے بدعت کردیتا ہے تو شریعت مطہرہ پر محض افترا ہے بلکہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے اور ہر قربت طاعت ہے، تو اس میں اعتقاد طاعت ضرور حق اور اسے بدعت بتانا جہل مطلق، اشباہ والنظائر (ج۱ص۳۲) میں ہے۔

اما المباحات فتختلف صفتها باعتبار ما قصدت لا جله فاذا قصدبه التقویٰ علی الطاعات او التوسل الیها کانت عبادة

اور مباحات تو ان کی صفت نیت کے لحاظ سے بدل جاتی ہے، تو اگر اس سے تقویٰ مراد ہے، اور نیکیوں کی طرف توسل مقصود تو یہ عبادت ہوگی۔

غمز العیون (ج۱ص۳۲) میں ہے، کل قربة طاعة ولا تنعکس، یہ اس ڈیڑھ سطری منہیہ پر تلک عشرة کاملة ہیں۔

بالجملہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں اور رادِ عائے بے دلیل سے بدتر کوئی شے ذلیل نہیں۔ دربارہ اذان تو احادیث وارد اور اس کا استحباب کتب فقہ میں مصرح تو انکار نہیں مگر جہل مبین اور دربارۂ اقامت اگر درود نہیں کہیں منع بھی نہیں اور بے منع شرعی منع کرنا ظلم نہیں۔ ادنیٰ درجہ منع کراہت ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افترا و تہمت ہے۔

ردالمحتار جلد ا ص ۲۸۳

ویلزم منہ ان یکون مکروھا اِلاّ بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بدلہ من دلیل

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکروہ ہو۔ ہاں جب خاص نہی تو مکروہ ہوگا کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اور حکم شرعی کے لئے دلیل چاہیئے۔

بحرالرائق، باب العیدین جلد ۲ ص ۱۷۲ "لا یلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ اذا لا بدلھا من دلیل خاص وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لئے ورودِ خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیل خاص کی کچھ حاجت نہ جانیں، اس اوندھی الٹی عقل کا کیا ٹھکانا۔ مگر علت وہی شریعت مطہرہ پر افترا اُٹھانا، ردالمختار کتاب الاشربۃ جلد ۵ ص ۴۵۵ لیس الا حتیاط فی الافترا ء علی اللّٰہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکرھۃ الذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الا صل ۔(ترجمہ: احتیاط نہیں کرتے اللہ تعالیٰ پر افتراء میں حرمت و کراہت ثابت کرنے میں جن کیلئے دلیل کا ہونا ضروری ہے، البتہ اباحت کا قول کرنے میں احتیاط

کرنے میں جو کہ اصل ہے) ظاہر ہے کہ نام اقدس سن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا عرفاً دلیل تعظیم و محبت ہے اور امور ادب میں قطعاً عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر (ج ا ص ۲۴۹، باب صفۃ الصلوۃ) میں فرماتے ہیں:

"یحال علی المعهودِ حال قصد التعظیم، (تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائے گا) اور تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً مامور بہ قال اللّٰہ تعالیٰ لتومنوا باللّٰہ وَرَسُوْلِهٖ وَ تَعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ (پ ۲۶ الفتح: ۹) اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا، جب تک کسی خاص فرد سے منع شرعی نہ ثابت ہو جیسے سجدہ زیادات۔ امام عتابی پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار جلد۵ ص ۳۷۹ میں ہے۔ ان المطلق یجری علیٰ اطلاقه الا اذا قام دلیل التقیدنصا او دلالة فاحفظه فانه للفقیه ضروری۔ (ترجمہ: مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب تقیید پر کوئی صراحۃً یا دلالۃً دلیل قائم ہو، اسے اچھی طرح محفوظ کر لو۔ کیونکہ یہ فقیہ کیلئے ضروری قاعدہ ہے۔) مگر ہے یہ کہ اشقیاء کے نزدیک تعظیم حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً شرک و ظلم ہے۔ شریعت نے برخلاف قیاس بعض مواضع میں خدا جانے کس ضرورت سے ناچاری کو مقرر کر دی ہے لہٰذا مورد پر مقتصر رہے گی، باقی اسی اصل حکم پر شرک و بدعت و حرام ٹھہرے گی، فلہٰذا جہاں وارد ہوئی خدا کا دھرا سر پر قہر درویش بجان درویش ماننی پڑی، وہ بھی فقط ظاہراً نہ دل سے، جیسے التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غائبانہ ندا کرنے کا شریعت نے حکم دیا، خدا جانے شریعت کو کیا ہوگیا تھا

کہ عین نماز میں یہ غیر خدا کی تعظیم اور اس پر دور و نزدیک سے پکارنا رکھ دیا خیر قہراً جبراً التحیات کے لفظ تو پڑھ لو مگر انشائے معنی کا ارادہ نہ کرنا، وہ دیکھو امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم حکم لگا رہے ہیں: کہ صرف ہمت در نماز بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر است از استغراق در خیال گاؤ و خر خود الیٰ آخر الکلمۃ الملعونۃ لعن اللہ قائلہا و قابلہا۔

ترجمہ: "نماز میں اپنے شیخ یا بزرگوں میں سے کسی دوسرے بزرگ حتی کہ رسالت مآب ﷺ کی طرف توجہ صرف کرنا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہو جانے سے کئی درجے بدتر ہے۔" آخر کلام ملعون تک، اللہ تعالیٰ اس کلام کے قائل اور قبول کرنے والے کو اپنی رحمت سے دُور رکھے۔)

ولہٰذا وہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ تشہد میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ برکاتہ سے حکایت لفظ کا ارادہ کرے، قصد معنی نہ کرے، تصریح کرتے ہیں کہ دور سے یا رسول اللہ کہنا شرک ہے، مگر بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان، میں تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عین ایمان ایمان کی جان ہے، اور علی الاطلاق مطلوب شرع تو جو کچھ بھی جس طرح بھی جس وقت بھی جب کبھی، اور جس جگہ بھی، تعظیم اقدس کے لئے بجا لائے خواہ وہ بعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو، سب جائز و مندوب و مستحب و مرغوب و مطلوب و پسندیدہ و خوب ہے جب تک اس خاص سے نہی نہ آئی، جب تک اس خاص میں کوئی حرج شرعی نہ ہو، وہ سب اس اطلاق ارشادِ الٰہی، تعزروہ و توقروہ میں داخل اور امتثال حکم الٰہی کا فضل جلیل اسے شامل ہے، ولہٰذا آئمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب و تعظیم حبیب رب

العالمین جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں زیادہ مداخلت رکھے اسی قدرزیادہ خوب ہے۔

فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنسک ومتوسط وفتاویٰ عالمگیر یہ وغیرہا میں ہے۔

کل ما کان ادخل من الادب والاجلال کان حسنا

(جس قدربھی ادب وتعظیم میں کامل ہوا تھا ہی زیادہ اچھا ہے۔)

امام ابن حجر مکی، جوہر منظّم (الفصل اول ص ۱۲) میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللّٰہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عندہ من نور اللّٰہ ابصارھم.

وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کا نورعطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام وصورتوں کو امرِ مستحسن تصور کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہرگز باری تعالیٰ کے ساتھ شرکت کا کوئی پہلونہیں۔)

تو مسلمان اگر وقت اقامت بھی تقبیل کرے، ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں، اور اسے شرعاً ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر افترا کرتا یا نام واکرام سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام سے جلتا ہے۔ اسی طرح نماز و استماع قرآن مجید و استماع خطبہ جن پر حرکت منع ہے اور ان کے امثال مواضع لزوم ومخدور کے سوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بہ نظر تعظیم ومحبت حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ ہو، جیسا کہ بعض محبان سرکار سے مشہور ہے، بہرحال محبوب و محمود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ، اتم واحکم۔

الفقیر عبدہ المذنب احمد رضاء البریلوی عفی عنہ بمحمد ن المصطفٰی النبی الامی، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و الہٖ وسلم

کتب مآخذ

نام کتاب	نام مصنف
(۱) جامع الرموز	
(۲) طحطاوی شرح مراقی الفلاح	
(۳) اعانۃ الطالبین	
(۴) کفایت الطالب الرمانی	ابو زید قیروانی
(۵) فتاویٰ شامی	
(۶) عقود الدریہ	
(۷) اربعین	ابو زکریا نووی
(۸) مسند الفردوس	
(۹) کنز العباد	
(۱۰) براہین قاطعہ	
(۱۱) فتح القدیر	
(۱۲) فتح اللہ المعین	
(۱۳) مصنف	ابن ابی شیبہ
(۱۴) الاشباہ والنظائر	حموی
(۱۵) غمز العیون	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قمر التّمام فی نفی الظلّ عن سیّد الانام

حضور ﷺ کے بعض خصائص کا تذکرہ اور سایہ نہ ہونے کا ذکر

تصنیفِ لطیف

امام اہل سنت مجدد دین و ملت
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام
احمد رضا خاں
فاضل بریلوی

تقدیم

حضور پر نور علیہ السلام کو قرآن نے نور کہا ہے۔ امت مسلمہ کے عقیدے کے مطابق آپ نور ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستو دہ صفات کو سراپا معجزہ بنایا تھا، آپ کی ذات سے کچھ احوال و کیفیات بشریت کے تقاضوں کے مطابق سرزد ہوتے تھے اور کچھ نورانیت کے تقاضوں کے مطابق، آپ کا سایہ نہ ہونا، یہ آپ کی نورانیت کی وجہ سے تھا۔

احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہ آفتاب کی روشنی میں تھا اور نہ ماہتاب کی روشنی میں۔

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم وتقویٰ کو سب ہی مانتے ہیں، آپ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ "سایہ، سایہ والی چیز سے لطیف ہوا کرتا ہے اور اللہ نے عالم خلق بلکہ عالم امر میں بھی کوئی مخلوق آپ سے زائد لطیف نہیں پیدا کی تو پھر آپ کا سایہ کیونکر ہوسکتا تھا۔

اس مسئلے کی توضیح و تشریح رسالہ نفی الفئ میں کی جا چکی ہے، مزید صراحت کے لئے "قمر التمام" کا مطالعہ فرمائیں جو اسی مسئلے سے متعلق ہے۔

مرتب

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

استفتا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ تھا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وَمِنَ اللّٰہِ تَوْفِیْقُ الصِّدْقِ وَالصَّوَابِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلَی السِّرَاجِ الْمُنِیْرِ الشَّارِقِ وَالقمر الزَّاھر البَارق وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

بے شک اس مہر سپہر اصطفا، ماہ منیر اجتبا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا۔ اور یہ امر احادیث واقوال آئمہ کرام سے ثابت، اکابر آئمہ و علماء فضلاء کہ آج کل کے مدعیانِ خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ ان کے کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہیں، خلفاً، سلفاً دائماً اپنی تصانیف میں اس معنی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل باہرہ و حجج قاہرہ قائم جن پر مفتی عقل و قاضی نقل نے باہم اتفاق کر کے ان کی تاسیس وتشید کی۔ آج تک کسی عالم دین سے اس کا انکار منقول نہ ہوا، یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین میں ابتداع اور نیا مذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ سبب اس سوء رنجس کے جو ان کے دلوں میں اس رؤف رحیم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے تھی، ان کے محو فضائل ورد معجزات کی فکر میں پڑے، حتی کہ معجزہ شق القمر جو بخاری ومسلم کی احادیث صحیحہ بلکہ خود قرآن عظیم و وحی حکیم

کی شہادت ھقہ اور اہل سنت و جماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگواروں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیاوی سمجھا ہے۔

اے عزیز، ایمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات ان کی الفت پر منوط[1]، جو ان سے محبت نہیں رکھتا واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام[2] تک نہ آئی۔ وہ خود فرماتے ہیں۔

لَایُوْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی فصل)

ترجمہ: تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و تکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی و تعریف کی سنتا ہے، کیسی خوشی و طیّب خاطر سے اظہار کرتا ہے۔ سچّی فضیلتوں کا میٹنا اور شام و سحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا کام دشمن کا نہ دوست کا۔ جانِ برادر تو نے کبھی سنا ہے، کہ جس شخص کو تجھ سے الفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے، اور پھر محبوب بھی کیسا جان ایمان و کانِ احسان، جس کے جمال جہاں آرا کا نظیر کہیں نہ ملے گا۔

[1] منحصر ہے [2] ناک

اور خامۂ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا۔ کیسا محبوب جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اُٹھا لیا۔ کیسا محبوب جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور وہ تمہاری بخشش کے لئے شب و روز گریاں وملول، شب کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لئے بنائی۔ اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہیں، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے۔ ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے۔ بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بینوا ہے اس کے بھی پاؤں دوگز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک دامان، عصمت پناہ اپنی راحت و آسائش کو چھوڑ، خواب و آرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانۂ، عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی میری امت سیاہ کار ہے درگزر فرما اور ان کے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔ جب وہ جان راحت کان رافت پیدا ہوا، بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا، اور رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ فرمایا۔ جب قبر شریف میں اتارا، لب جان بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ، نے کان لگا کر سنا۔ آہستہ آہستہ اُمّتی فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں۔ حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا۔ عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا۔ مجرمان بے یار دامِ آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اذھبوا الیٰ غیری کچھ جواب نہ پائیں گے۔ اس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا۔ قفل شفاعت اس کے

زور بازو سے کھل جائے گا۔ عمامہ سر اقدس سے اتاریں گے، اور سربسجود ہو کر "اُمتی" فرمائیں گے۔ وائے بے انصافی، ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور اس کی مدح وستائش ونشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اس روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔ مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانئے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مضرت نہ پہنچے، اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسّر، نہ دنیا وعقبیٰ میں کہیں ٹھکانا متصور، پھر اگر اس کے حسن واحسان پر والہ وشیدا نہ ہو تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز، چشم خرد میں سرمۂ انصاف لگا۔ اور گوش قبول سے پنبۂ نکال۔ پھر تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر کہ عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے، اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، آیا نشر فضائل وتکثیر مدائح اور ان کی خوبی سن کر باغ باغ ہو جانا، جامے میں پھولا نہ سمانا، یا ردّ محاسن، نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا۔ اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضی، نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے میٹے نہ مٹیں گی۔

جانِ برادر، اپنے ایمان پر رحم کر۔ خدائے قہار جبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ۔ وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا۔

وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ: یعنی ارشاد ہوتا ہے، اے محبوب ہمارے ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہوگی تمہارا بھی چرچا ہوگا، اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہوگا۔ آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس میں اور واعظین اپنے منابر پر، ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے۔ اشجار و احجار، آہو وسوسمار و دیگر جاندار و اطفال شیر خوار و معبودانِ کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبان فصیح وبیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے۔ چار اکناف عالم میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا غلغلہ ہوگا۔ جزا شقیائے ازل ہر ذرہ کلمۂ شہادت پڑھتا ہوگا۔ مُسَبِّحَان مُلاء اَعلٰی کو ادھر اپنی تسبیح و تقدیس میں مصروف کروں گا، ادھر تمہارے محمود درود مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش وکرسی ہفت آسمان اوراق سدرہ، قصور جناں جہاں اللہ لکھوں گا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه بھی تحریر فرماؤں گا۔ اپنے پیغمبروں اوراولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہروقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا اس میں تمہاری مدح وستائش اور جمال صورت وکمال سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اُٹھے گی۔ ایک عالم اگر تمہارا دشمن ہو کر تمہاری تنقیص شان اور محو فضائل میں مشغول ہو تو میں قادر مطلق ہوں۔ میرے ساتھ کسی کا کیا بس چلے گا۔ آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہا برس سے اپنی کتابوں سے ان

کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہل ایمان اس بلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے، بیساختہ کلمۂ شہادت پکارے اُٹھے، لاکھوں بے دینوں نے ان کے محو فضائل پر کمر باندھی مگر مٹنے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بہ روز مترقی رہی، پھر ایسے مقصود سے تو یاس و نا امیدی کر لینا مناسب ہے، ورنہ بربِّ کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالاخر ایک دن تو نہیں تیرا ایمان نہیں۔

اے عزیز، سلف صالح کی روش اختیار کر اور ان کے قدم پر قدم رکھ، آئمہ دین کا وطیرہ ایسے معاملات میں دائما تسلیم و قبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کر دیا اسے مرحبا کہہ کر لیا اور حبیب جان میں بہ طیب خاطر جگہ دی۔ یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی قصور اپنی نظر کا جانا، یہ کبھی نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں، نہ یہ ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے اور کیوں نہ ہو۔ مقتضی عقل سلیم کا یہی ہے کہ

فائدہ جلیلہ: جب ہم اسے ثقہ معتمد علیہ مان چکے اور وقوع ایسے معجزے کا یا اختصاص ایسے خاصہ کا ذات پاک سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعید نہیں کہ اس سے عجیب تر معجزات بہ تواتر حضور سے ثابت اور ان کا رب اس سے زیادہ پر قادر اور ان کے لئے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا اور ان کی شان اس سے بھی ارفع و اعلیٰ، پھر انکار کی وجہ کیا ہے، تکذیب میں تو اس راوی سے ثقہ معتمد

علیہ ہونا ثابت ہو چکا اور وثوق و اعتماد اس کا بتاتا ہے، کہ
اگر من عند نفسہٖ کہہ دیتا خدا اور رسول پر مفتری ہوتا وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ افتریٰ عَلَی اللّٰہِ کَذِبا، ان وجوہ پر نظر کر
کے سمجھ لیجئے، کہ بالضرور اس نے حدیث پائی گو ہماری
نظر میں نہ آئی۔ ہر چند کہ فقیر کا یہ دعویٰ اس شخص کے
نزدیک بالکل بدیہی ہے جو خدمت حدیث و سیر میں رہا
اور اس راہ میں روش علماء کو مشاہدہ کیا۔ مگر ناواقفوں کے
افہام اور منکروں پر الزام کے لئے چند مثالیں بیان کرتا
ہوں۔

اوّلاً: جسم اقدس ولباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا، علامہ ابن سبع نے خصائص میں ذکر فرمایا۔ علمائے نے تصریح کی، اس کا راوی معلوم نہ ہوا۔ اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔ شفائے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

کَانَ الذُّبَابَ لَا یقَعَ عَلٰی جَسَدِہٖ وَلَا ثِیَابِہٖ
مکھی آپ کے جسم اقدس اور لباس اطہر پر نہیں بیٹھتی تھی۔

امام علامہ جلال الدین سیوطی خصائص کبریٰ میں فرماتے ہیں:

بَابٌ ذُکْرِ القَاضِیُ عَیَاض فِیُ الشِفآ وَالْعِرَاقِیُ فِیُ مَوْلِدِہٖ اِنَّ مِنْ خَصَائِصِہٖ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ اَنَّہ کَانَ لَا یَنْزِلُ عَلَیْہِ الذُّبَابُ وَ ذَکَرَہٗ ابْنُ السَّبُعِ فِیُ الْخَصَائِصِ بِلَفْظِ اَنَّہ لَمْ یَقَعْ عَلٰی ثِیَابِہ ذُبَابٌ قَطُّ وَ زَادَانَّ مِنِ خصائصِہٖ اَنَّ الْقُمَّلَ لَمْ یَکُنْ یُوْذِیْہِ

قاضی عیاض نے شفا میں اور عراقی نے اپنے مولد میں ذکر کیا کہ حضور کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔

ابن سبع نے خصائص میں ان لفظوں سے ذکر کیا کہ آپ کے کپڑوں پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور یہ بھی زیادہ کیا کہ جوئیں آپ کو نہیں ستاتی تھیں۔

شیخ ملّا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں:

وَنَقَلَ الْفَخْرُ الرَّازِیُ اَنَّ الذُّبَابَ کَانَ لَا یَقَعُ عَلٰی ثِیَابِہٖ وَ اَنَّ الْبَعُوضَ لَا یَمْتَصُّ دَمَہ

رازی نے نقل کیا کہ مکھیاں آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھیں اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں علماء کا وہ قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا، نقل کیا اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہ، تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا کی اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے، اور بعض علمائے عجم نے اسی بنا پر کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کے سب حروف بے نقطہ ہوتے ہیں، ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم مبارک پر مکھی نہ بیٹھتی لہٰذا یہ کلمۂ پاک کلی نقطوں سے محفوظ رہا کہ وہ شبیہہ مکھیوں کے ہیں۔ پھر اسی مضمون پر دوسری عبارت:

عبارتہ برمتہ و من دلائل نبوتہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الذباب کان لا یقع علٰی ثیابہ ھذا ممّا قالہ ابن الا فھم قالوا لا یعلم من روی ھذہ والذباب و احدہ ذبابۃ قیل انہ سمی بہ لانہ کلما آب ای کلما طرد رجع ومما اکرمہ اللّٰہ بہ لانہ طھر اللّٰہ

وھو مع استقذارہ قد یحییٰ من مستقذر قیل و قد نقل مثلھا عن ولی اللّٰہ العارف بہ الشیخ عبدالقادر الگیلانی ولا بعد فیہ لان معجزات الانبیاء قد تکون کرامۃ لاولیاء امتہ وفی رباعیۃ لی ۔

من اکرم مرسل عظیم صلا
لم تدن ذبابۃ اذا ما خلا
ھٰذا عجب ولم یذق
فی الموجودات من حلاہ اصلاً ۔

و تصرف بعض علماء العجم فقال محمد رّسول اللّٰہ لیس فیہ نقطۃ لان النقط تشبہ الذباب عن اسمہ و نعتہ کما قلت فی مدحہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔

لقد ذب الذباب فلیس یعلو.
رسول اللّٰہ محمود محمّد
و نقطا الحرف یحکیہ بشکل
لذا ک الحظ عنہ عن قد تجرد.

ان کی مکمل عبارت یہ ہے، آپ کے دلائل نبوت سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ کے نہ تو ظاہری جسم پر بیٹھتی تھی اور نہ لباس پر، یہ ابن فہم نے کہا، محدثین نے کہا کہ اس کا راوی معلوم نہیں۔ ذباب کا واحد ذبابتہ ہے، کہتے ہیں اس کا یہ نام اس لئے ہے کہ اس کو جب بھی بھگایا جاتا ہے واپس آ جاتی ہے، یہ کرامت آپ کو اس لئے عطائی ہوئی کہ اللہ نے آپ کو پاک رکھا تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے

اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز نبی کا معجزہ ہوتی ہے وہ بطور کرامت ولی کے ہاتھ سے سرزد ہو جاتی ہے۔ اور میں نے (خفاجی) ایک رباعی کہی ہے:

آپ بزرگ ترین رسول ہیں، آپ پر بڑی رحمتیں نازل ہوں، جب آپ تنہائی میں جاتے ہیں تو کوئی مکھی آپ کے قریب تک نہیں آتی۔ یہ عجیب بات ہے کہ مخلوق میں کسی نے آپ کی مٹھاس کو نہ چکھا۔

اور بعض عجمی علماء نے کہا کہ محمد رسول اللہ میں کوئی نقطہ نہیں ہے اس لئے کہ نقطہ مکھی کے مشابہ ہوتا ہے۔ عیب سے بچانے کے لئے اور آپ کی تعریف کے لئے میں نے آپ کی مدح میں کہا ہے:

بلاشبہ اللہ نے مکھیوں کو آپ سے دور کر دیا تو آپ پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے۔ اللہ کے رسول محمود و محمد ہیں اور حروف کے نقطے جو شکل میں مکھی کی طرح ہیں ان سے بھی اللہ نے اس لئے آپ کو محفوظ رکھا۔

ثانیاً: ابن سبع نے حضور کے خصائص میں کہا، جوں آپ کو ایذا نہ دیتی۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس طرح ابن سبع سے نقل کیا اور برقرار رکھا کما مر اور ملّا علی قاری شرح شمائل میں فرماتے ہیں: ومن خواصہ ان ثوبہ لم یقمل اور:

ثالثاً۔ ابن سبع نے فرمایا: جس جانور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوار ہوتے عمر بھر ویسا ہی رہتا اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔ علامہ سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں:

باب: قال ابن سبع من خصائصہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ان کل دابة رکبها بقیت علی القدر الذی کانت علیه

ابن سبع نے کہا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ تھا، کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے تو وہ عمر بھر ویسا ہی رہتا۔

رابعاً۔ امام عبد الرحمٰن بقی بن مخلد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر اعیان نامہ ثالثہ سے ہیں، حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہما سے حکایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا روشنی میں دیکھتے ویسا ہی تاریکی میں۔ اس حدیث کو بیہقی نے موصولاً مسند روایت کی اور علامہ خفا جی نے اکابر علماء مثل ابن بشکوال و عقیلی و ابن جوزی و سہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی یہاں تک کہ ذہبی نے تو ''میزان الاعتدال'' میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بہ ایں ہمہ خود علامہ خفا جی فرماتے ہیں جیسا بقی بن مخلد وغیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا۔ اور حضور والا کی شان سے بعید نہیں تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے:

وهذا نصه ملتقطا و حکی بقی بن مخلد ابو عبد الرحمن القرطبی مولده فی رمضان سنة احدی وما ئتین و توفی سنة ست و سبعین و مأیتین عن عائشه رضی اللّٰه تعالٰی عنها انها قالت کان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم یری فی الظلمة و فی روایته کما یری فی النور ولا شک انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان کامل الخلقة قوی الحواس فوقوع مثل هذا منه غیر بعید وقد رواه الثقات فلا وجه لا نکاره.

بقی بن مخلد ابو عبدالرحمٰن قرطبی نے کہا (رمضان ۲۰۱ھ تا ۲۷۶ھ) عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تاریکی میں دیکھا کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے۔ ''جس طرح کہ روشنی میں دیکھتے تھے۔'' اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل الخلقت قوی الحواس تھے تو آپ سے اس کیفیت کا وقوع بعید نہیں پھر اس کو ثقات نے روایت کیا ہے لہٰذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

خامساً. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اس سب سے زیادہ یہ ہے کہ باوجود حدیث کے شدید الضعف وغیر متماسک ہونے کے احیاء والدین، وسعت و قدرت و عظمتِ شان رسالت پناہی پر نظر کر کے گردن تسلیم جھکائی اور سوا سلمنا و صدقنا کچھ بن نہ آئی۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ جب عقبہ حجون پر گزر ہوا، حضور اشکبار و رنجیدہ و مغموم ہوئے، پھر تشریف لے گئے، جب لوٹ کر آئے چہرہ بشاش تھا اور لب تبسّم ریز۔ میں نے سبب پوچھا۔ فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا، اور خدا سے کیا کہ انھیں زندہ کر دے، وہ قبول ہوئی اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

اخرج الخطیب عن عائشه رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت حج بنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم عقبة الحجون وهو حزین مغتم ثم ذهب و عاد و هو فرح متبسم فسألته فقال ذهبت الٰی قبر امیّ فسالت اللّٰه ان یحیها فآمنت بی الیه

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ حجون پر پہنچے تو رو رہے

تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے جب واپس آئے تو مسرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے، فرماتی ہیں میں نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر انتقال فرما گئیں۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں، اس کی سند میں مجاہیل ہیں اور سہیلی نے ام المومنین سے احیائے والدین ذکر کر کے کہا، اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض، فــــی مـجـمـع بـخـار الانوار روح احياء ابوى النبى صلى اللّٰه تعالیٰ علیه وسـلـم حتى امنا به قال فى اسـنـاده مجاهيل و انه ح منكر جد ايعارضه ما ثبت فى الصحيح. بایں ہمہ اسی مجمع البحار میں لکھتے ہیں:

۱ وفى المقاصد الحسنة وما احسن ما قال۔

لِلنبى مزيد فضل علىٰ فضل و كان به رؤفا

فاحيى امّه و كذا اباه لايمان به فضلا لطيفا

لنعلم فالقديم بذا قدير و ان كان الحديث به ضعيفا

حاصل یہ کہ مقاصد میں ہے اور کیا خوب کہا، خدا نے نبی کو فضل پر فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو ان پر ایمان لانے کے لئے زندہ کیا، اپنے فضل لطیف سے ہم تسلیم کرتے

---

۱ نبی کے لئے فضیلت بالائے فضیلت ہے اور اللہ آپ پر مہربان تھا۔ اس نے آپ کے والدین کو زندہ کیا تاکہ وہ آپ پر ایمان لا کر فضیلت حاصل کریں، تاکہ ہم جان لیں، اللہ اس پر قادر ہے۔ اگرچہ روایت اس سلسلے میں ضعیف ہے۔

ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے، اگر چہ جو حدیث اس معنی میں وارد ہوئی ضعیف ہے۔

اے عزیز، سنا تو نے یہ ہے طریقہ اراکین دین متین و اساطین شرع متین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ و خاصہ حضور کا احادیث صحیحہ سے ثابت اور اکابر علماء برابر اپنی تصانیف معتبرہ مستندہ میں جن کا اعتبار و استنا د آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے، بلانکیر و منکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں اور اس کے ساتھ عقل سلیم نے ان پر وہ دلائل ساطعہ قائم کی ہوں جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے باایں ہمہ اس سے انکار کیجئے اور حق ثابت کے رد پر اصرار حالانکہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سقم مقبول و جرح معقول میدارد نہ ان آئمہ کے مستند با دلائل معتمد ہونے میں کلام کرسکو، پھر اس مکابرہ کج بحثی اور تحکم و زبردستی کا کیا علاج، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے، چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات، آخرتم جو انکار کرتے ہو تو تمہارے پاس بھی کوئی دلیل ہے، یا فقط اپنے منہ سے کہہ دینا۔ اگر بفرض محال جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں، نا معتبر ہوں اور جن جن علماء نے اس کی تصریح فرمائی انھیں بھی قابل اعتماد نہ مانو اور جو دلائل قاطعہ اس پر قائم ہوں، وہ بھی صالح التفات نہ کہی جائیں تاہم انکار کا کیا ثبوت اور وجود سایہ کا کس پر، اگر کوئی حدیث اس بارے میں آئی ہو تو دکھاؤ یا گھر بیٹھے تمہیں الہام ہوا ہو تو بتاؤ، مجرد ما و من پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے۔ ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف و احسن، وہ انسان ہیں

مگر ارواح و ملائکہ سے ہزار درجہ الطف، وہ خود فرماتے ہیں۔ لَسْتُ کَمِثْلِکُمْ، میں تم جیسا نہیں، رواہ الشیخان وَ یروی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ، میں تمہاری ہیئت پر نہیں وَ یروی اَیُّکُمْ مِثْلِی، تم میں کون مجھ جیسا ہے، آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا، آپ کا بشر ہونا نور درخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر سمجھے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ پھر اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کے سایہ ہوتا ہے، ان کے بھی ہوگا، تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل و ایمان سے کس درجہ دور پڑتا ہے۔

مُحَمَّد بشر لَا کَالْبَشَر بَلْ هُوَ یَاقُوْتَ بَیْنَ الْحَجر

صَلَّی اللّٰه تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ

القائے جواب: ایقاظ دفع بعض اوہام و امراض میں، اس مقام پر باوجودیکہ قلب بحمد اللہ غایت اطمینان و تسلیم پر تھا مگر مرتبہ کاوش و تنقیح میں بوسوسہ ایک خدشہ ذہن ناقص میں گزرا تھا، یہاں تک کہ حق جل و علا نے اپنے کرمِ عمیم سے فقیر کو اس کا جواب القا فرمایا۔ جس سے چشم تصور کو نور اور دل منتظر کو سرور حاصل ہوا۔ الحمد للّٰه علیٰ ما اولیٰ والصلاۃ والسلام علیٰ ھذا المولیٰ فاقول و باللّٰه التوفیق

احادیث صحیحہ سے ثابت کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، حضور رسالت میں نہایت ادب وقار سے سر جھکائے آنکھیں نیچے کیے بیٹھے۔ رعب جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا کہ اوپر نگاہ اُٹھانا ممکن نہ تھا:

خ عن مسور بن مخرمة و مروان بن الحکم فی حدیث

طویل فی قصۃ الحدیبیۃ ثم ان عروۃ جعل یرمق اصحاب النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بعینیہ قال فواللّٰہ ما تنخم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم ندلک بھا وجھہ و جلدہ و اذا امرھم ابتدروا امرہ و اذا توضأ کادو یقتتلون علٰی وضوئہ و اذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ و ما یحدون الیہ النظر تعظیما لہ فرجع عروۃ اِلٰی اصحابہ فقال ای قوم واللّٰہ لقد و فدت علی الملوک و وفدت علٰی قیصر و کسریٰ والنجاشی واللّٰہ ان رایت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم محمداً

مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم حدیبیہ کے طویل مقدمے میں ذکر کرتے ہیں کہ عروہ اصحاب نبی کو گھور رہا تھا، اس نے کہا کہ بخدا رسول اللہ نے جب بھی ناک سنکی تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑی اور اس نے اپنے چہرے پر ملی اور اپنے جسم پر لگائی، جب آپ نے حکم دیا تو انھوں نے ماننے میں جلدی کی، جب آپ وضو فرماتے تو وہ وضو کا پانی لینے پر لڑنے کے قریب ہو جاتے، اور جب گفتگو فرماتے تو صحابہ اپنی آوازیں پست کر لیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نگاہ نہ کر پاتے تھے، تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہا، میں قیصر و کسریٰ و نجاشی کے درباروں میں آیا مگر ایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی ایسے کرتے ہوں جیسی محمد کی ان کے صحابی کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد ہیں، کہ

وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے بلکہ نظر اوپر نہ اُٹھاتے۔ کما سیاتی۔ بلکہ اس معنی میں کسی حدیث کے ورود کی بھی حاجت کیا تھی۔ عقل سلیم خود گواہی دیتی ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ نوابوں اور والیوں کے حاضرین دربار ان کے ساتھ کس ادب سے پیش آتے ہیں۔ اگر کھڑے ہیں تو نگاہ قدموں سے تجاوز نہیں کرتی۔ بیٹھے ہیں تو زانو سے آگے قدم نہیں رکھتی۔ خود اس حاکم سے نگاہ چار نہیں کرتے، پس و پیش یا دائیں بائیں دیکھنا تو بڑی بات ہے، حالانکہ اس ادب کو صحابہ کرام کے ادب سے کیا نسبت۔ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حضوری ان کے نزدیک ملک السمٰوٰت والارض کا سامنا، اور کیوں نہ ہوتا کہ خود قرآن عزیز نے انھیں صدہا جگہ کان کھول کھول کر سنا دیا کہ ہمارا اور ہمارے محبوب کا معاملہ واحد ہے، اس کا مطیع ہمارا فرماں بردار اور اس کا عاصی ہمارا گنہگار۔ ان سے الفت ہمارے ساتھ محبت اور ان سے رنجش ہم سے عداوت، ان کی تکریم اور ہماری تعظیم اور ان کے ساتھ گستاخی، ہماری بے ادبی۔ لہٰذا جب ملازمت والا حاصل ہوئی، قلب ان کے خوف خدا سے ممتلی اور گردنیں خم اور آنکھ نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہو جاتے۔ ایسی حالت میں نظر این و آں کی طرف کب ہو سکتی ہے، جو سایہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے، اور بالضرور ایسے سراپا ادب ہمہ تن تعظیم لوگوں کی نگاہ اپنے عرش پائے گاہ کی طرف بے غرض مہم نہ ہوگی۔ اس حالت میں نفس کو اس مقصود کی طرف توجہ ہوگی۔ مثلاً نظارہ جمال باکمال یا حضور کا مطالعہ افعال و اعمال تاکہ خود ان کا اتباع کریں۔ اور غائبین تک روایت پہنچائیں، کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملّت اور حاضری دربار اقدس سے ان کی غرض اعظم یہی تھی۔ جب نگاہ اس رعب و ہیبت اور

اس ضرورت و حاجت کے ساتھ اُٹھی تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں ادھر ادھر دھیان نہیں جائے گا، کہ قامت اقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا، آخر نہ سنا کہ ایک ان کا نماز میں مصروف ہوتا تکبیر کے ساتھ، دونوں جہان سے ہاتھ اُٹھاتا، کوئی چیز سامنے گزرے اطلاع نہ ہوتی اور کیسا ہی شور و غوغا ہو کان تک آواز نہ جاتی، یہاں تک کہ مسلم بن ...... ایک صحابی کہ تابعین میں ہیں نماز پڑھتے تھے، مسجد کا ستون گر پڑا، لوگ جمع ہوئے، شور و غوغا ہوا، انھیں مطلق خبر نہ ہوئی، یہی حالت صحابہ کی، حضور رسالت میں تھی اور دربار نبوت میں بارگاہ عزت باری۔

اے عزیز، زیادہ خوض بے کار ہے، تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالم رعب و ہیبت میں تیر گزر ہوا ہو، وہاں جو کچھ پیش آتا ہے اسے بھی اچھی طور پر ادراک کامل نہیں کر سکتا۔ نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جائے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والیٔ ملک سے ایسی ضرورت پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا و مافیہا پر مقدم ہو اور اس کے دربار تک رسائی کر کے اپنا عرض حال کرے تو تجھے اول تو رعب سلطانی دوسرے اپنی اس ضرورت کی طرف قلب کو نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے، پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو، وہاں دیواروں میں سنگِ موسیٰ تھا یا سنگِ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ، ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا، بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کے سایہ تھا یا نہ تھا، تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لئے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنے سے جواب نہ دے سکے گا۔

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو اول روز ملازمت سے تا

آخر حیات جو کیفیت رعب و ہیبت کی طاری رہی ہماری عقول ناقصہ اس کی مقدار کے ادراک سے بھی عاجز ہیں۔ پھر ان کی نظر اُٹھ سکتی اور چپ و راست دیکھ سکتی کہ سائے کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

ثم اقول۔ اپنے نفس پر قیاس کر کے گمان کرنا چاہیئے کہ بعد مرورِ زمان و تکرر حضور کے ان کی اس حالت میں کمی ہو جاتی، بلکہ بالیقیں روز بہ روز زیادہ ہوتی کہ باعث اس پر دو امر ہیں۔ ایک خوف کہ اس عظمت کے تصور سے پیدا ہو جو اس سلطانِ دو عالم کو، بارگاہِ ملک السمٰوٰت والارض جل جلالہ، میں حاصل ہے، دوسری محنت ایمانی کہ مستلزم خشوع کو اور منافی جرأت و بے باکی اور یہ ظاہر کہ جس قدر دربار والا میں حضوری زائد ہوتی یہ دونوں امر جو اس پر باعث ہیں بڑھتے جاتے، حضور کے اخلاق و عادات اور رحمت و الطاف معائنے میں آتے حسن و احسان کے جلوے ہر دم لطف تازہ دکھاتے، قرآن آنکھوں کے سامنے نازل ہوتا۔ اور طرح طرح سے اس بارگاہ کے آداب سکھاتا کہ:

آدابِ بارگاہ:

ہمارا ان کا معاملہ واحد ہے، جو ان کا غلام ہے وہ ہمارا قائد ہے۔ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل حبط ہو جاتے ہیں۔ انھیں نام لے کر پکارنے والے سخت سزائیں پاتے ہیں۔ اپنے جان و دل کا انھیں مالک جانو، حضور زندہ بدست مردہ ہوجاؤ۔ ہمارا ذکر ان کی یاد کے ساتھ ہے۔ ان کا ہاتھ بعینہٖ ہمارا ہاتھ ہے، ان کی رحمت ہماری مہر، ان کا غضب ہمارا قہر۔ جس قدر ملازمت زیادہ ہوتی، حضور کی عظمت و محبت ترقی پاتی اور وہ حال مذکور

یعنی خشوع وخضوع ورعب، ہیبت روز افزوں کرتی قال تعالٰی زادتھم ایماناً۔اور ایمان حضور کی تعظیم ومحبت کا نام ہے، کما لایخفٰی۔

مقدمہ ثانیہ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پُر ظاہر کہ آدمی بلاوجہ کسی بات کے درپئے تفتیش نہیں ہوتا اور جو بات عام و شامل ہوتی ہے اور تمام آدمی اس میں یکساں، کسی شخص خاص میں بالقصد اس کی طرف غور نہیں کرتا، مثلاً ہر ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہونا ایک امر عام ہے، لہٰذا بلا سبب کسی آدمی کی انگلیوں کو کوئی شخص اس مقصد خاص سے نہیں دیکھتا کہ اس کی انگلیاں پانچ ہیں یا کم، ہاں اگر پہلے سے سن رکھا ہو کہ زید کی انگلیاں چار ہیں، یا چھ، تو اس صورت میں البتہ بقصد مذکور نظر کی جائے گی۔ اسی طرح سایہ ایک امر عام شامل ہے، اگر بعض آدمیوں کا سایہ پڑتا اور بعض کا نہیں تو البتہ بیشک خیال جانے کی بات تھی، کہ دیکھیں حضور کے بھی سایہ ہے یا نہیں، نہ اس سے کوئی امر دینی مثل اتباع و اقتدا کے متعلق تھا کہ اس کے خیال سے بالقصد اس طرف لحاظ کیا جاتا۔ ہاں ایسی صورت میں ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ بے قصد و توجہ خاص نظر پڑ جائے اور وہ صورت بعد تکرر مشاہدہ ذہن میں منقش اور مثل مربیات قصدیہ کے خزانہ خیال میں مخزون ہو جائے مثلاً زید کہ ہمارا دوست ہے، ہم اپنے مشاہدے کی رو سے بتا سکتے ہیں کہ اس کے ہر ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں۔ اگرچہ ہم نے کبھی اس قصد سے اس کے ہاتھوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر ہم نے اس کے ہاتھوں کو بارہا دیکھا ہے وہ صورت خزانہ میں محفوظ ہے، نفس اسے اپنے حضور حاضر کر کے بتا سکتا ہے لیکن ہم مقدمی اولیٰ میں ثابت کر آئے کہ یہ طریقہ

ادراک وہاں معدوم تھا کہ رعب و ہیبت اور امور مہمہ کی طرف توجہ اور حضور کے استماع اقوال و مطالعہ افعال ہمہ تن صرف ہمت اور نگاہ کا بسبب غایت ادب و خوف الٰہی کے اپنے زانو و پشت پا سے تجاوز نہ کرنا، اس ادراک بلا قصد سے مانع قوی تھا، علی الخصوص کسی شے کا عدم کہ وہ تو کوئی امر محسوس نہیں جس پر بے ارادہ بھی نگاہ پڑ جائے اور نفس اسے یاد رکھے، یہاں تو جب تک خیال نہ کیا جائے، عدم علم عدم حاصل نہ ہوگا۔ آدمی جب ایسے مقام رعب و ہیبت اور قلب کی مشغولی و مشغوفی میں ہوتا ہے تو کسی چیز کی عدم رویت سے اس کے عدم پر استدلال نہیں کرتا اور جب اذہان میں بنا بر عادت اس کا عموم و شمول متمکن ہوتا ہے، تو برخلاف عادت اس کے معدوم ہونے کی طرف خیال نہیں جاتا بلکہ اس سے اگر تفتیش کی جائے، اور اس امر کی طرف خیال دلایا جائے تو خواہ مخواہ اس کا گمان اس طرف مسارعت کرتا ہے، کہ جب یہ امر عام ہے تو ظاہراً یہاں بھی ہوگا۔ میرا نہ دیکھنا کچھ نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ میری نظر میں نہ آنا، اس وجہ سے تھا کہ اول میری نگاہ ادھر ادھر نہ اُٹھتی تھی اور جو اُٹھی بھی تو ہزار رعب و ہیبت اور نفسی کے امور دیگر کی طرف صرف ہمت کے ساتھ، ایسی حالت میں کیسے کہہ سکوں گا کہ تھا کہ نہ تھا۔

ثم اقول. یہ کیفیت تو اس وقت کی تھی جب صحابۂ کرام حضور سے ملاقی ہوتے اور جو ہمراہ رکاب سعادت انتساب ہوتے تو وہاں باوجود ان وجوہ کے ایک وجہ اور بھی تھی کہ غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا، اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔ ترمذی نے شمائل کی حدیث طویل میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ یسوق اصحابہ، یعنی، حضور والا صحابۂ کرام کو اپنے آگے چلاتے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

مَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ یَطَاءُ عَقَبَہ عقب رُجُلَانِ۔

حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

کَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْشُوْنَ اَمَامَہٗ وَ یَکُوْنُ ظھرَہ الْمَلٰئِکَۃِ

اصحاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آگے چلتے اور پشت اقدس فرشتوں کے لئے چھوڑتے۔

دارمی نے بہ اسناد صحیح مرفوعاً روایت کیا کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: خلُّوا ظھری للملٰئکۃِ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے چھوڑ دو۔

بالجملہ ہماری اس تقریر سے جو بالکل وجدانیات پر مشتمل ہے، کوئی شخص اگر مکابرہ نہ کرے، بالیقیں اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر گواہی دے۔ بخوبی ظاہر ہوگیا کہ ظاہراً اکثر صحابۂ کرام کا خیال، اس طرف نہ گیا اور اس معجزے کی انھیں اطلاع نہ ہوئی، اور اگر بر سبیل تنزل ثابت و مبرہن ہو جانا نہ مانیئے تو ان تقریروں کی بنا پر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاع کا احتمال قوی ہے۔ قوت بھی جانے دو۔ اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہوگیا، پھر یہی استدلال سن کہ اگر ایسا ہوتا تو مثل حدیث ستون حنانہ مشہور و مستفیض ہوتا، کب باقی رہا۔ خصم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بہ سبب عدم اطلاع کے ہو کما ذکرنا و باللّٰہ التوفیق۔

مقدمہ ثالثہ۔ ہماری تنقیح سابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزے پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے، صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جرائتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اسی طریقہ سے جو ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا، ادراک کر سکتے ہیں، اسی سبب سے اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشتہر ہوئیں، نہ اکابر صحابہ سے۔

ترجمہ ابن ابی ہالہ میں فرماتے ہیں:

وَ كَانَ رَبِيبُ رَسُوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمُ اَخَا لِفَاطِمَةَ وَ خَالَ الْحَسَنَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ فَكَانَ بصغره يتسع من النَّظْرِ لرسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم و يديهم النظر بِوَجْهِهٖ لَكونه عِنْدَه دَاخِلُ بَيْتِهٖ فلذا اَشْهَرَ وَصْفَ النَّبِىُّ صَلى اللّٰه تعالٰى عَلَيْه وَسَلَّمْ عَنه دُوْنَ غَيْرِهٖ من كِبَار الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَاَنَّهُمْ لِكِبْرهم كَانُوْا يَهَابُونَ اطَالَةَ النَّظْرِ اِلَيْه صَلىَ اللّٰه تعالٰى عليه وَسَلَّمْ فَاحَاطَ بِهٖ نَظْره اِحَاطَةِ الهَالَةِ بِالْقَمَرِ وَالاَكْمَام بالثَّمْرِ هنئاً له مع قاله قطره۔ اور ہر ذی علم جانتا ہے کہ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوت میں صغیر السن تھے اور ان کا شمار بہ اعتبار عمر اصاغر صحابہ میں ہے۔ اگرچہ یہ برکت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علم و فقاہت میں اکثر شیوخ صحابہ پر مقدم تھے۔

وعلٰی تفنن و اصفیه بوصف یغنی الزمان و فیه ما لم یوصف
صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم

مقدمہ رابعہ۔ صحابۂ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنہیں طول صحبت

نصیب نہ ہوا اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سوائے مجامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ کے گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے، ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا، اور کسی شخص خاص کی نسبت امتیاز کرنا کہ اس کے لئے ظل ہے یا نہیں دشوار ہوتا ہے۔ علاوہ بریں یہ کس نے واجب کیا کہ ان اوقات پر حضور والا دھوپ یا چاندنی میں جلوہ فرما ہوں، کیا مدینہ طیبہ میں سایہ دار مکان نہ تھے یا مسجد شریف کہ اکثر وہیں تشریف رکھتے بے سقف تھی۔ احادیث سے ثابت کہ سفر میں صحابہ کرام حضور کے لئے سایہ دار پیڑ چھوڑ دیتے اور جو کہیں سایہ نہ ملا تو کپڑے وغیرہ کا سایہ کر لیا، جیسا کہ روز قدومِ مدینہ طیبہ، سیدنا ابی بکر صدیق اور حجۃ الوادع میں واقع ہوا اور قبل از بعثت تو ابر سایہ کے لئے متعین تھا ہی، جب چلتے ساتھ چلتا اور جب ٹھہرتے ٹھہر جاتا۔ اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے غلام میسرہ نے فرشتوں کو سر اقدس پر سایہ کرتے دیکھا۔ اور سفر شام میں آپ کسی حاجت کو تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے پیڑ کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور دھوپ میں بیٹھ گئے، سایہ حضور پر جھک گیا۔ بحیرا عالمِ نصاریٰ نے کہا، دیکھو سایہ ان کی طرف جھکتا ہے، اور بعض اسفار میں ایک درخت خشک و بے برگ کے نیچے جلوس فرمایا، فوراً زمین حضور کے گرد کی سبزہ زار ہوگئی اور پیڑ ہرا ہوگیا، شاخیں اسی ساعت بڑھ گئیں اور اپنی کمال بلندی کو پہنچ کر سائے کے لئے حضور پر لٹک آئیں۔ چنانچہ یہ سب حدیثیں

کتب سیر میں تفصیلاً مذکور ہیں۔ اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنہیں طول صحبت روزی نہ ہوا ور حضور کو آفتاب یا ماہتاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہمسائیگی سایہ سے دور ہے، اور ظاہر ہے کہ ان سب کا احساس و انکشاف جن لوگوں کے لئے ہوا ہے وہ بہت کم ہیں، جن کے واسطے نہ ہوا، پھر اس طائفہ قلیلہ سے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص یا اکثر اس معجزے کو روایت کرے۔ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مجرد خرق عادت باعث تو فرد داعی و نقل جمیع اکثر حاضرین ہے خادم حدیث پر کالشمس فی نصف النہار روشن کہ صدہا معجزات قاہرہ حضور سے غزوات و اسفار و مجامع عامہ میں واقع ہوئے کہ سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے ان پر اطلاع پائی مگر ان کی ہم تک نقل صرف احاد سے پہنچی۔ واقعہ حدیبیہ میں انگشتان اقدس سے پانی دریا کی طرح جوش مارنا اور چودہ پندرہ سو آدمی کا علیٰ اختلاف الرّ وایات اسے پینا اور وضو کرنا اور بقیہ توشہ کو جمع کر دعا فرمانا اور اس سے لشکر کے سب برتن بھر دینا اور اسی قدر باقی بچ رہنا، ایسے معجزات میں ہیں اور بالضرور چودہ پندرہ سو آدمی سب کے سامنے اس کا وقوع ہوا اور سب نے اس پر اطلاع پائی مگر ان میں سے چودہ نے بھی اسے روایت نہ فرمایا۔

فقیر نے کتب حاضرۂ احادیث خصوصاً وہ کتابیں سیر و فضائل کی جن کا موضوع ہی اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہے مانند شفائے قاضی وشرح خفا جی ومواہب لدنیہ وشرح زرقانی و مدارج النبوۃ و خصائص کبریٰ علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہا مطالعہ کیں، پانچ سے زیادہ راوی اس واقعے کے

نہ پائے۔ اسی طرح ردِ شمس یعنی غروب ہو کر سورج کا لوٹ آنا اور مغرب سے عصر کا وقت ہو جانا جو غزوۂ خیبر میں مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے لئے واقع ہوا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ عدم ظل کو اس سے اصلاً نسبت نہیں اور اس کا وقوع بھی ایک غزوہ میں ہو، کما ذکرنا، اور تعداد لشکر خیبر کی بالضرور یہ سب حضرات اس پر ہوں گے کہ ہر نمازی مسلمان خصوصاً صحابۂ کرام کو بہ غرض نماز آفتاب کے طلوع و غروب زوال کی طرف لاجرم نظر ہوتی ہے۔

توریت میں وصف اس امت مرحومہ کا رعاۃ الشمس کے ساتھ وارد ہوا۔ کما رواہ ابو نعیم عن کعب الاحبار عن سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام، یعنی آفتاب کے نگہبان کہ اس کے تبدل احوال اور شروق و افول و زوال کے جویان و خبر گیراں رہتے تھے جب آفتاب نے غروب کیا ہوگا بالضرور تمام لشکر نے نماز کا تہیہ کیا ہوگا۔ دفعتاً شام سے دن ہوگیا، اور خورشید اُلٹے پاؤں آیا۔ کیا ایسے عجب واقعہ کو دریافت نہ کیا اور نہ معلوم نہ ہوا ہوگا کہ اس کے حکم سے لوٹا ہے جسے قادر مطلق کی نیابت مطلقہ اور عالم علوی میں دست بالا حاصل ہے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیکن ...... کے سوا اگر، کسی صاحب کو معلوم ہو کہ اتنی بڑی جماعت سے دو چار آدمیوں نے اور بھی اس معجزے کو روایت کیا تو نشان دیں۔

بالجملہ یہ حدیث واہیہ ہے، جس کی بنا پر ہم عقل و نقل و اتباع حدیث و علماء کو ترک نہیں کر سکتے، کیا یہ اکابر اس قدر نہ سمجھتے تھے یا انھوں نے دیدہ و دانستہ خدا اور رسول پر افترا گوارا کیا لا حول ولا قوۃ الا باللہِ

العلی العظیم ۔ بلکہ جب ایک راوی اس حدیث عدم ظل کے ذکوان ہیں۔ اور وہ خود صالح سمان زیارت ہوں یا ابوعمرو مدنی مولائے صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تردد فیہ الزرقانی ۔ بہر تقدیر تابعی ثقہ، معتمد علیہ ہیں۔ کما ذکرہ ایضاً و...... اور تابعین و علماء ثقات ، اہل ورع و احتیاط سے مظنون یہی ہے کہ غالب حدیث کو مرسلاً اسی وقت ذکر کریں گے جب انھیں شیوخ و صحابہ کثیر ین سے اسے سن کر مرتبہ قرب و یقین حاصل کرلیا ہو۔ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ درصورت اسناد صدق و کذب سے اپنے آپ کو غرض نہ رہی جب ہم نے کلام کو اس کی طرف نسبت کر دیا جس سے سنا ہے، تو ہم بری الذمہ ہوگئے، بخلاف اس کے کہ اس کا ذکر ترک کریں اور خود لکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا ایسا فرمایا۔ اس صورت میں بار اپنے سر پر رہا تو عالم ثقہ متورع محتاط بے کثرت و سماع و اطمینان کلّی قلب کے ایسی بات سے دور رہے گا۔ اس طور پر تو ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ ہونا بہت صحابہ نے دیکھا اور ان سب سے ذکوان کو سماع حاصل ہوا، اگرچہ ان کی روایات ہم تک نہ پہنچیں۔

ھکذا ینبغی ان یفھم المقام و ینقح المرام واللّٰہ ولی الفضل التوفیق والانعام ھذا و قد بقی بعدخبا یا فی زوایا الکلام لعلھا یفوز بھا فکر و ھذا کلہ و قد وجہ ممّا الھمنی ربی بفضل منہ و نعمۃ لا یجد من قلبی ان ربی لذو فضل عظیم انہ ھو الرّؤف الرحیم وَلا حول ولا قوّۃ اِلّا باللّٰہِ العزیز الحکیم وظنی الی بحمد ربی الجلیل قدأتیت فی المسئلہ ما یشفی العلیل و یروی الغلیل

ولا یـخل بالکثیر ولا بالقلیل واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل انـہ حسبـی و نـعم الوکیل اسالہ ان یجبنی بھا و کل من زل زلۃ و یـجعلھا ظلا ظلیلا علٰی رؤسنا یوم لا ظل الّٰی ظلہ و ان یصلی علی ابھـی اقـمـار الـرسـالۃ و ابھرھا و اسنٰی شـموس الکرامۃ و انورھا الـذی لـم یـکـن لہ ظل فی شـمـس ولا قمر و فدیات و صلہ و علٰی صـحبـہ والـہ متـظـلـلـیـن باذیا لہ والداعین الٰی نعم اظلالہ و علینا مـعھم اجمعین برحمۃ انہ روف رحیم وَ اٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمینo

ختم شد

کتب ماخذ

نام کتاب	نام مصنف
(۱) شفاء شریف	قاضی عیاضؒ
(۲) خصائص کبریٰ	جلال الدین سیوطی
(۳) شرح شمائل ترمذی	ملّا علی قاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بدر الانوار

جلد (2)

بزرگانِ دین کے تبرکات کا اسلام میں کیا مقام ہے

تصنیفِ لطیف

امامِ اہلِ سنّت مجددِ اعظم دین و ملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تقدیم

انبیائے کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رضی اللہ عنہم کے جسم اقدس سے تعلق رکھنے والی ہر چیز متبرک ہے۔ بنیادی طور پر اسلام میں بزرگان دین کے آثار و تبرکات کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو ان کی تعظیم و تکریم اس لئے کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ یہ تمام چیزیں بالآخر خدا کی یاد اور اس کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ قرآن نے ان تبرکات کو ''شعائر اللہ'' اور ''آیات اللہ'' سے تعبیر کیا ہے۔ صفا اور مروہ دو مشہور پہاڑ ہیں، جن پر حاجی صاحبان دورانِ حج چڑھتے ہیں اور ان کے درمیان سعی کرتے ہیں، اس تمام تگ و دو کی حقیقت تاریخی طور پر صرف اتنی ہے کہ اللہ کی ایک نیک بندی ہاجرہ علیہا السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی طلب میں اس مقام پر دوڑتی تھیں اور ان پہاڑیوں پر چڑھتی تھیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند آئی کیونکہ اس میں تلاش مقصود کے لئے جس لگن کا اظہار تھا اور اس کے لئے جو عملی کاوش تھی وہی عبد مومن میں پیدا ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو پہاڑیوں کو جنھیں اللہ کی نیک بندی سے ایک گونہ تعلق ہوگیا تھا ''شَعَائِرِ اللّٰہِ'' سے تعبیر فرمایا، ارشاد ہوا،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہ (پ۲ البقرہ آیت ۱۵۸)

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

پھر فرمایا:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ o (پ۱۷ الحج آیت ۳۲)

اور جو بھی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے گا تو یہ (تعظیم) دلوں کی

پرہیزگار کی وجہ سے ہے۔

قرآن کریم نے بیت اللہ اور اس کے چپہ چپہ کو اپنی کھلی ہوئی نشانیوں کا مرکز قرار دیا ہے، جب ہم تاریخ کے آئینے میں ان تمام نشانیوں کو دیکھتے ہیں، جنہیں اللہ کی نشانیاں قرار دیا گیا ہے، تو یہ سب کی سب اللہ کے نیک بندوں سے کوئی نہ کوئی نسبت رکھتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فِيهِ ايٰتٌ ، بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيمَ (پ۴ ال عمران آیت ۹۷)

اس میں (بیت المقدس) واضح ہیں (مثلاً) مقامِ ابراہیم ہے۔

اس آیت میں پوری وضاحت سے بتا دیا گیا کہ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی، وہ بھی ''آیہ بیّنہ'' ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بزرگانِ دین کے تبرکات اسلام میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں، اور ان کی تعظیم و تکریم کسی طرح بھی شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے، اور خدا کی عظمتِ شان کی معرفت کا زینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اس امت کے بزرگان دین کے تبرکات بھی اب تک موجود ہیں، اور انکار کرنا ایسا ہے جیسا کہ بعض لوگ احادیث کا انکار کرتے ہیں، اگر کچھ ضعیف حدیثیں ہیں تو اس کا مطلب یہ کب ہوا کہ تمام احادیث پر ضعف کا حکم بہ یک مشت تھوپ دیا جائے، اور اگر کہیں کچھ جعلی تبرکات ہیں، تو حقیقی آثار و تبرکات کے انکار کی کیا وجہ ہے؟ اس اجمال کی تفصیل اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ بدر الانوار فی اداب الآثار، (۱۳۲۶ھ) میں ملاحظہ ہو،

رسالے کے نام کا ترجمہ یہ ہے:

آثار (نشانات) کے آداب میں انوار کا چاند۔

مرتّب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

فصل اوّل

مسئلہ:

از اجمیر شریف درگاہ معلّٰی، مرسلہ حضرت سید حبیب اللہ قادری، دمشقی، طرابلسی، شامی، ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ ماقولکم، دام فضلکم۔

ایک شخص اپنے وعظ میں صاف انکار کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور حضور کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلاً[1] باقی نہیں، نہ صحابہ کے پاس تبرکات شریفہ سے کچھ تھا نہ کبھی کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا۔ امید کہ اس کا جواب بحوالہ احادیث و کتاب ارشاد ہو۔ بینوا توجروا.

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للہ حمد ایکا فئنی فضلہ و انعامہ و یحلنا برضاہ دارالمقامۃ داراذات برکۃ و سلامۃ لا مخافۃ فیھا ولا سامۃ والصلوٰۃ والسلام علٰی نبی التھامۃ خیر من لبس الجبۃ والنعل والعمامۃ و علٰی الہٖ و صحبہ ذوی الکرامۃ الناصحین لامتہ المبلغین احکامہ المعظمین اثارہ بعدہ و امامہ صلاۃ تَنمِیۡ وَ تُنمِیۡ الٰی یوم القیٰمۃ،

[1] بالکل ۱۲

امابعد۔ یہ فتاویٰ ہیں متعلق تبرکات شریفہ و آثار لطیفہ کہ ان کا ادب کیسا ہے اور ان کے ثبوت میں کیا دیکھا ہے، اور بے سند ہوں تو کیا چاہیئے۔ اور زیارت پر نذرانہ لینے، دینے، مانگنے کے مسئلے جن کا فقیر سے سوال ہوا، اور مجموع کا بدر الانوار فی آداب الاثار نام ٹھرا والحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ علی المولی و اٰلہ اجمعین.

ایسا شخص آیات و احادیث کا منکر اور سخت جاہل، خاسر یا کمال گم راہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہوتو ضرور گم راہ، بد دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

دلیل (۱):

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ فِیۡہِ اٰیٰتٌ ۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰھِیۡمَ (پ۴ آل عمران آیت ۹۶،۹۷)

بے شک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا ہے، اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔

جس پر کھڑے ہوکر انھوں نے کعبہ معظمہ بنایا اور ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا۔ اجلہ محدثین عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ارزقی نے امام اجل مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کی۔

قال اثر قدمیہ فی المقام اٰیۃ بینۃ.

فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے دونوں قدم پاک کا اس

پتھر میں نشان ہو جانا یہ کھلی نشانی ہے جسے اللہ عزوجل آیت بیّنت فرما رہا ہے۔

تفسیر کبیر (تحت آیت ۳/۹۶) میں ہے:

الفضیلة الثانیة لھذا البیت مقام ابراھیم وھو الحجر الذی وضع ابراھیم قدمه علیه فجعل اللّٰه ما تحت قدم ابراھیم علیه الصلٰوة والسلام من ذلک الحجر دون سائر اجزائه کالطین حتی غاص فیه قدم ابراھیم علیه الصلٰوة والسلام وھذا ممالا یقدر علیه الا اللّٰه تعالٰی ولا یظھره الا علٰی انبیاۂ ثم لما رفع ابراھیم علیه الصلوة والسلام قدمه عنه خلق فیه الصلابة الحجریة مرة اخری ثم انه تعالٰی ابقی ذلک الحجر علٰی سبیل الاستمرار و الدوام فھذه انواع من الاٰیٰت العجیبة والمعجزات الباھرة اظھرھا اللّٰه تعالٰی فی ذلک الحجر۔ (ج۸ص ۱۵۵،مطبوعہ مصر)

یعنی، کعبہ معظّمہ کی دوسری فضیلت مقام ابراہیم ہے۔ یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا، تر مٹی کی طرح نرم ہوگیا۔یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر[1] گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزۂ انبیاء ہے۔ پھر جب ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے قدم اُٹھایا، اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کر دی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا، پھر اسے حق سبحانہ نے مدت ہا مدت باقی رکھا، تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

---

[1] دھنس گیا ۱۲

ارشاد العقل السلیم (ج۲ ص۹۶۳) میں ہے:

ان کل واحد من اثر قدمیه فی صخرة صماء غوصه فیها الی الکعبین وَ اِلانةُ بعض دون بعض وبقائه دون سائر ایات الانبیاء علیه الصلواة والسلام و حفظه مع کثرة الاعداء الوف سنة اٰیة مستقلة.

یعنی، اسی ایک پتھر کو مولیٰ تعالیٰ نے متعدد آیات فرمایا۔ اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان قدم ہو جانا ایک۔ اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا، دو۔ اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہو جانا باقی کا اپنے حال پر رہنا، تین۔ اور معجزات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں اس معجزے کا باقی رکھنا، چار۔ اور باوصف کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا، پانچ۔ یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت اور ایک معجزہ ہے۔

☆☆☆☆

دلیل (۲)

مولیٰ سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں

تمہارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسیٰ و ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اُٹھا کر لائیں۔ بے شک اس میں تمہارے لئے عظیم نشانی ہے، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وہ تبرکات کیا تھے؟ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہ، ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسّل کرتے اجابت دیکھتے۔

ابن جریر (تحت آیت ۲/ ۲۴۸) و ابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

وبقية مما ترك ال موسٰى عصاه ورضاض الالواح.

(تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۶۶، مصر)

تابوت سکینہ میں تبرکات موسویہ سے ان کا عصا تھا، اور تختیوں کی کرچیں۔

وکیع بن الجراح وسعید بن منصور وعبد بن حمید و ابن ابی حاتم (حدیث ۲۴۸۵، ۲۴۸۶) و ابو صالح تلمیذ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال كان فى التابوت عصا موسٰى و عصا هٰرون و ثياب موسٰى و ثياب هٰرون و لوحان من التورٰة والمن و كلمة الفرج لا اله الا اللّٰه الحليم الكريم و سبحٰن اللّٰه رب السمٰوٰت السبع و رب العرش العظيم والحمد للّٰه رب العٰلمين. (۲/ ۴۷۰)

تابوت میں سے موسیٰ و ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عصا اور دونوں

حضرات کے ملبوس اور توریت کی دو تختیاں اور قدرے من[1] کہ بنی اسرائیل پر اترا۔ اور یہ دعائے کشائش لا الہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم الخ

معالم التنزیل (تحت آیت ۲/۲۴۸) میں ہے:

کان فیه عصا موسیٰ و نعلاه وعمامة هٰرون و عصاه(ج ا ص ۲۵۷، مصر)

تابوت میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ وعصا۔

دلیل (۳)

صحیح بخاری وصحیح مسلم (کتاب الحج، باب بیان ان السنۃ یوم) میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

اَنَّ النَّبی صَلَی اللّٰه تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ دَعَا بِالْحَلَّاقِ وَ نَاوَلَ الْحَالِقَ شَقَّهُ الْاَیْمَنَ فَحلَقَه ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَةَ الاَنْصَارِیْ فَاَعْطَاه اِیَّاہُ ثُمَّ نَاوَلَ الشِّقِ الاَیْسَرَ فَقَالَ احْلِقْ فَحَلقَه فَاَعْطَاهُ اَبَا طَلْحَةَ فَقَالَ اَقْسِمْهُ بَیْنَ النَّاسِ۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الحلق، پہلی فصل)

یعنی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا۔ پھر ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر وہ سب بال انھیں عطا فرما دیے، پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابوطلحہ کو دیے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کر دو۔

دلیل (۴)

صحیح بخاری شریف کتاب اللباس میں عیسیٰ بن طہمان سے ہے:

---

[1] من ایک سپید اور میٹھی چیز تھی، جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئی۔ صبح کے وقت کُہر کے مانند گرتی تھی اور پتوں پر آئس کریم کی طرح جم جاتی تھی۔ ۱۲

قَالَ خَرَجَ اِلَيْنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰه تعالٰى عَنْهُ بِنَعْلَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ فَقَالَ ثَابِتُنِ الْبُنَانِيُّ هذه نَعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمُ.(بخارى كتاب اللباس باب قبالان فى نعل و من راى قبالا واحد واسعاً)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے، ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مقدس ہے۔

دلیل (۵)

صحیحین میں ابو بردہ سے ہے:

اَخْرَجَتْ اِلَيْنَا عَائشة رَضِيَ اللّٰه تعالٰى عَنْهَا كِسَاءً ملبدًا وَّاِزَارً غَلِيظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رُوْحُ رسُولُ اللّٰه صَلىَ اللّٰه تعالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمْ فِيْ هٰذَيْنَ۔(بخاری کتاب الباس باب الاکیسیۃ والخصائص، صحیح مسلم کتاب اللباس، باب التواضع فی اللباس)

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک رضائی یا کمبل اور ایک موٹا تہبند ہمیں نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ وقت وصال اقدس، حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ دو کپڑے تھے۔

دلیل (۶)

صحیح مسلم میں حضرت اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

اَنَّهَا اَخْرَجَتْ جُبَّةَ طِيَالِسَةً كِسْرَوَانِيَّةً لَّهَا لِبْنَةُ ديبَاجٍ وَ فَرْجَيْهَا مَكْفُوْفَيْنِ بِالدِّيباجِ وَ قَالَتْ هذَا جُبَّةُ رَسولُ اللّٰه صلىَ اللّٰه تعالٰى عليه

وَسَلَّمَ كَانَتْ عِنْدَ عَائِشَةِ فَلَمَّا قُبِضَتْ قَبَضْتُهَا وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهَا فَنَحْنُ نَغْسِلُهَا لِلْمَرْضٰى نَسْتَشْفِيْ بِهَا

(مشکوٰۃ کتاب اللباس پہلی فصل بحوالہ صحیح مسلم ج۲ ص ۱۹۹)

یعنی، انھوں نے ایک اونی جُبّہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمی تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا، اور کہا، یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا۔ ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

دلیل (۷)

صحیح بخاری (ج۲ ص ۸۷۵، باب یذکر فی الشیب) میں عثمان بن عبداللہ بن موہب سے ہے:

قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى أُمِّ سَلَمَةَ فَاَخْرَجَتْ اِلَيْنَا شَعْرًا مِّنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوْبًا

(مشکوٰۃ کتاب اللباس، باب الترجل تیسری فصل)

میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی۔ اس پر خضاب کا اثر تھا۔

یہ چند احادیث خاص صحیحین سے لکھ دیں اور یہاں احادیث میں کثرت اور اقوال آئمہ کا تواتر بشدت اور مسئلہ خود واضح اور اس کا انکار جہل فاضح ہے، لہٰذا صرف ایک عبارت شفا شریف پر اقتصار کریں، فرماتے ہیں:

ومن اعظامه و اكباره صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم اعظام جميع اسبابه و اكرام مشاهده وامكنتهٖ من مكة والمدينة و معاهده وما لمسه او عرف به و كانت فى قلنسوة خالد بن الوليد رضى اللّٰه تعالٰى عنه شعرات من شعره صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم فسقطت قلنسوته فى بعض حروبه فشد عليها شدة انكر عليه اصحاب النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم كثرة من قتل فيها فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لما تضنمة من شعره صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم لئلا تسلب بركتها و تقع فى ايدى المشركين وُرؤى ابن عمر رضى اللّٰه تعالٰى عنهما واضعايده علٰى مقعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم من المنبر ثم وضعها على وجهه۔ (ج ۲ ص ۴۴، مطبوعہ ملتان)

یعنی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے، کہ جس چیز کو حضور سے کچھ علاقہ ہو، حضور کی طرف منسوب ہو، حضور نے اسے چھوا ہو یا حضور کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو، اس سب کی تعظیم کی جائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے۔ کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی، خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام نے انکار کیا اس لئے کہ اس شدید وسخت حملے میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا، میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ نہ لگیں۔

اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کر کے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیرلیا۔

اللّٰھُمَّ ارزقنا حب حبیبک و حسن الادب معہ ومع اولیائک اٰمین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و بارک وسلم و علیھم اجمعین.

خالد بن ولید کی حدیث ابو یعلے اور عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن سعد نے طبقات میں روایت کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

فصل دُوم

مسئلہ:

از بستی مرسلہ مولوی مفتی عزیز الحسن صاحب ۹ شوال ۱۳۱۰ھ

جناب مولانا سراپا فیض، مجسم علم و حلم، معظم و مکرم دام مجدہم۔ پس از سلام مسنون باعث تکلیف آں جناب یہ ہے ایک شخص برکت آثار بزرگان سے منکر ہے اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کے خرقہ و جبّہ وغیرہ سے کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی۔ چونکہ وہ پڑھے لکھے ہیں، یہ امر قرار پایا ہے کہ اگر سو برس سے قبل کے کسی عالم نے اپنی کتاب میں اس برکت کو تحریر کیا ہو، تو میں مان لوں گا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کے جبّہ وغیرہ میں گفتگو نہیں ہے۔ والسلام۔

الجواب:

برکت آثار بزرگان سے انکار آفتاب روشن کا انکار ہے۔ معہذا جب برکت آثار شریفہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلم اور یہ ظاہر کہ اولیاء و علماء حضور کے ورثاء میں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی کہ آخر وارث برکات و وارث ایراث برکات ہیں۔ فقیر غفرلہ، تعالیٰ کہ اتمام حجت کے لئے چند عبارات آئمہ و علماء کہ وہ سب آج سے سو برس پہلے اور بعض پانسو چھ سو برس پہلے کے تھے، حاضر کرتا ہے۔ کتب مطبوعہ کا نشان جلد وصفحہ بھی ظاہر کر دیا جائے گا، کہ مراجعت میں آسانی ہو۔

ا۔ امام اجل ابو زکریا نووی جن کی ولادت باسعادت ۶۳۱ھ اور

وفات شریف ۶۷۶ھ میں ہوئی، شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، انی احب ان تاتینی و تصلی فی منزل فاتخذه مصلی فرماتے ہیں۔

فی هذا الحدیث انواع من العلم و فیه التبرک بآثار الصالحین و فیه زیارة العلماء والصلحاء الکبار و اتباعهم و تبریکهم ایاهم. (ج ۱ صفحہ ۲۴۷ نیز:)

اس حدیث میں علم کی کئی اقسام ہیں، اس سے صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، علماء وصلحاء کی زیارت کرنا، ان کی اتباع کرنا اور ان سے تبرک حاصل کرنا۔م

۲۔ اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان فی هذا فوائد کثیرة منها التبرک بالصالحین واثارهم والصلاة فی المواضع الّتی صلوابها و طلب التبریک منهم (ج ۱ صفحہ ۲۳۳)

عتبان کی اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں، منجملہ ان کے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، ان مقامات میں نماز پڑھنا جن میں انھوں نے نماز پڑھی ہو اور ان سے طلب تبرک کرنا۔م

۳۔ اسی میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فخرج بلال بوضوئه فمن نائل وناضح فرمایا فیه التبرک بآثار الصالحین و استعمال فضل طهورهم و طعامهم و شرابهم و لباسهم. (ج ۱ صفحہ ۱۹۶)

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے وضو کا پانی لے کر نکلے تو کوئی اسے لیتا تھا (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۴۳) اور کوئی ملتا تھا، اس کی شرح میں ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیکوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا، ان کے بچے ہوئے پانی، کھانے پینے کی چیز اور لباس سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔م

۴۔ اسی میں زیر حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

مَا يُؤْتِي بِاِنَاءٍ اِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهَا (مسلم ج ۲ ص ۲۵۶)

فرمایا، فیه التبرک باثارا الصالحين (ج ۲ صفحہ ۲۵۶)

جو برتن بھی آپ کے پاس لایا جاتا تھا آپ اس میں ہاتھ ڈبوتے تھے، فرمایا، اس سے نیکوں کے آثار سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے۔م

۵۔ اسی میں زیر حدیث ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اكل منه و بعث بفضله اليّ : قال العلماء في هذه انه يستحب للاكل و الشارب ان يفضل مما ياكل و يشرب فضلة ليواسي بها من بعده لا سيما ان كان ممن يتبرك بفضله: (ج ۲ ص ۱۸۳)

اس میں سے کھایا اور پس خوردہ بھیج دیا، فرمایا، علماء کا کہنا ہے، کہ اس سے معلوم ہوا کھانے پینے والے کیلئے مستحب ہے کہ کھانے پینے کی چیز میں سے کچھ بچا دے تا کہ بعد والوں کو بھی کچھ مل جائے، بالخصوص اگر یہ شخص ایسا ہو کہ اس کے پس خوردہ کو تبرک سمجھا جاتا ہو۔ (م)

۶۔ اسی میں زیر حدیث:

سأل عن موضع اصابعه فتتبع موضع اصابعه، فرمایا: فیه

التبرک باٰثار الخیر فی الطعام وغیرہ (ج ۱، صفحہ ۱۸۳)

آپ کی انگلیوں کی جگہ کے بارے میں دریافت کیا اور آپ کی انگلیوں کی جگہ کو تلاش کیا، فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ کھانے وغیرہ میں آثار خیر سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔ م

۷۔ ایضاً، امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهٖ،(بخاری کتاب الصلوۃ، باب السترۃ بمکۃ وغیرھا) فرماتے ہیں، استنبط منه التبرّک لما یلا مس اجساد الصالحین ج ۱ صفحہ ۳۸۱

تو لوگ آپ کے وضو کے پانی کو ملنے لگے، فرمایا، اس سے ثابت ہوا کہ جو چیز بھی نیکوں کے اجسام سے مس کرے اس سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔ م

۸۔ اسی میں زیر حدیث:

انّی وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُه لا لبسها انما سألته لتكون كَفَنِیْ فرمایا، فیہ التبرک باٰثار الصالحین قال اصحابنا لا یندب ان یعد لنفسه کفنا الا ان یکون من اثر ذی صلاح فحسن اعداده کما هنا انتهی ملخصاً(ج ۲ صفحہ ۳۲۴)

بے شک، بخدا، میں نے اسے پہننے کے لئے طلب نہیں کیا تھا بلکہ میں نے اسے اپنا کفن بنانے کے لئے طلب کیا تھا۔ فرمایا، اس سے نیکوں کے آثار سے تبرک ثابت ہوتا ہے، ہمارے اصحاب نے فرمایا، کسی شخص کے

لئے اپنے لئے کفن تیار کر رکھنا جائز نہیں ہاں اگر وہ نیکوں کے آثار والا کفن ہوتو اس کا تیار کر لینا جائز ہے جیسا کہ یہاں ہے۔م

۹۔ مولانا علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث سنن نسائی کے نیچے لکھا کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بقیہ آب وضوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور سے مانگ کر اپنے ملک کو لے گئے، یہ فائدہ لکھ کر کہ:

فیه التبرک بفضله صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم و نقله الی البلاد نظیر ماء زمزم. فرمایا، ویؤخذ من ذلک ان فضلة وارثیه من العلماء والصلحأ کذالک

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے بچے ہوئے پانی سے تبرک حاصل کرنا اور اس کو دوسرے ملکوں میں پہنچانا آب زمزم کی طرح جائز ہے۔ فرمایا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے وارثین علماء وصلحاً کے بچے ہوئے پانی سے بھی یہی برتاؤ جائز ہے۔

مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۲۵ھ نے اشعۃ اللمعات (باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) میں فرمایا۔

"دریں حدیث استحباب تبرک است بہ بقیہ آب وضوئے و پس ماندہ آں حضرت ونقل آں ببلاد ومواضع بعیدہ مانند آب زمزم، و آنحضرت چوں درمدینہ می بود آب زمزم را از حاکم مکہ می طلبید وتبرک می ساخت و فضلہ وارثان او کہ علماء وصلحا اند وتبرک بآثار وانوار ایشاں

ہم بریں قیاس است۔ ج ا صفحہ ۱۷۱

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کے وضو سے
بچے ہوئے پانی و پس خوردہ سے تبرک حاصل کرنا اور اس
کو دور دراز ممالک میں منتقل کرنا آب زمزم کی طرح جائز
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں تھے تو مکہ
کے حاکم سے آب زمزم مانگا اور اس سے تبرک حاصل
کیا، آپ کے وارثین علماء وصلحا کے آثار وتبرکات و انوار
کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔ م

۱۱۔ امام علامہ احمد بن محمد مصری مالکی، معاصر شیخ محقق دہلوی، نے کتاب مستطاب "فتح المتعال فی مدح خیر النعال" میں امام اجل، خاتمہ المجتہدین، ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی شافعی متوفی ۷۵۶ھ کا ایک کلام نفیس تبرک بہ آثار امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدست اسرارہم میں نقل فرمایا:

وھذا لفظہ حکی جماعۃ من الشافعیۃ اِن الشیخ العلامۃ تقی الدین ابا الحسن علیا السبکی الشافعی لما تولی تدریس دارالحدیث بالاشرفیۃ بالشام بعد وفات الامام النواوی احدی من یفتخر بہ المسلمون خصوصاً الشافعیۃ أنشد لنفسہ

وفی دار الحدیث لطیف معنی
الی بسط لھا اصبو واوی
لعلّی ان امس بحر وجھی
مکانا مسہ قدم النواوی

و اذا کان ھذا فی آثار من ذکر فما بالک باٰثار من شرف الجمیع بہ:

اور یہ ہے، ان کا ارشاد شافعیہ کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ تقی الدین سبکیؒ امام نواوی کی وفات کے بعد شام کے دارالحدیث میں درس حدیث کے لئے مقرر کئے گئے (مسلمان بالخصوص شافعیہ یہاں تدریس کو ایک عظیم اعزاز سمجھتے تھے) تو یہ اشعار کہے۔

دارالحدیث میں ایک لطیف خصوصیت ہے، اس کے بچھونوں کی طرف مائل ہوں۔ شاید میری جبین ناز کو اس مقام پر لگنا نصیب ہو جہاں نووی کے قدم لگے ہوں۔

تو جب علماء کے آثار کا یہ حال ہے تو اس ذات کے آثار کا کیا حال ہوگا جن سے تمام کو شرف حاصل ہوا۔

۱۲۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں۔

من اراد ان یحصل لہ ما للملاء السافل من الملئکۃ فلا سبیل الی ذلک الا الاعتصام بالطھارات و الحلول بالمساجد القدیمۃ التی صلی فیھا جماعات من الاولیاء الخ

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اسے وہ مقام حاصل ہو جائے جو فرشتوں کے نچلے طبقہ کا ہے تو اس کے لئے اس کے سوا کچھ چارہ نہیں کہ پاکیزگی کو لازم پکڑے اور پرانی مساجد میں جائے جہاں بزرگان دین نے نمازیں ادا کی ہیں۔ م

۱۳۔ اسی میں ہے، صفحہ ۴۹

ان الانسان اذا صار محبوباً فکان منظور اللحق و للملاء

الاعلٰی عروسا جمیلا فکل مکان حل فیه انعقدت و تعلقت به همم الملاء الاعلٰی و انساق الیه افواج الملئکة و امواج النور لاسیما اذا کانت همته تعلقت بهٰذا المکان و العارف الکامل معرفة و حالا له همة یحل فیها نظر الحق یتعلق باهله وما له و بیته و نسله و نسبه و قرابته و اصحابه یشمل المال و الجاه و غیره و یصلحها فمن ذلک تمیزت ماٰثر الکمل من ماٰثر غیرهم.

انسان جب مقام محبوبیت پر پہنچ جائے تو وہ حضرت حق میں منظور ہوتا ہے اور ملاء اعلیٰ کے لئے دلہن کی مانند ہوتا ہے پھر ہر وہ جگہ جس میں وہ اترے گا، اس کے ساتھ ملا اعلیٰ کی ہمتیں وابستہ ہوں گی، فرشتوں کی فوجیں اور نور کی موجیں اس کی طرف متوجہ ہوں گی، بالخصوص جب اس کی ہمت اس مکان سے متعلق ہوگی، اور وہ عارف جو معرفت اور حال میں کامل ہوتا ہے اس کی ہمت میں حق تعالیٰ کی ایسی نظر ہوتی ہے جو اس کے، اس کے اہل، مال، گھر، نسل، نسب، قرابت، دوست، مال و جاہ وغیرہ سب ہی کا احاطہ کر لیتی ہے اور ان تمام چیزوں کی اصلاح کرتی ہے۔ اس لئے کاملین کے آثار دوسروں کے آثار سے ممتاز ہوئے۔

۱۴۔ اسی میں ہے، صفحہ ۵۷:

ان قام المعرفة لروحه تحدیق و عنایة بکل شئی من طریقةو مذهبه و سلسلة و نسبه و قرابته و اکل ما یلیه و ینسب الیه وعنایته هذه یختلط بها عنایة الحق.

جب وہ مقام معرفت پر فائز ہوتا ہے تو اس کی روحانی عنایت اس کی

ہر چیز کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اس کے طریقے، اس کے مذہب، سلسلے، نسب قرابت، غرضکہ ہر اس چیز کی طرف ہو جاتی ہے جسے اس سے تعلق ہوتا ہے، اور اس کی عنایت کے ساتھ عنایت الٰہیہ بھی مل جاتی ہے۔ م

۱۵۔ یہی شاہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں۔

ازیں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن دصدقہ دادن برائے ایشاں واعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار و اولاد و منتسبان ایشاں۔

اس سے معلوم ہوا کہ پابندی سے مشائخ کا عرس منانا، ان کی قبروں کی پابندی سے زیارت کرنا، فاتحہ، صدقہ، اوران کے آثار، اولاد اور نسبت رکھنے والوں سے مکمل توجہ کا برتاؤ کرنا۔ م

۱۶۔ انھیں شاہ صاحب کی انفاس العارفین میں ہے: در حرمین، شخصے از بزرگان خود کلاہ حضرت غوث الثقلین تبرک یافتہ بود۔ شبے در واقعہ حضرت غوث الاعظم را دید کہ می فرمانید کہ ایں کلاہ بہ ابو القاسم اکبر آبادی برساں۔ آں شخص برائے امتحان یک جبہ قیمتی ہمراہ آں کلاہ کردہ گفت کہ ایں ہر دو تبرک حضرت غوث الاعظم ہستند، حکم شد کہ بہ شمار سانم۔ حضرت شاں بسیار خوش شدہ گرفتند، آں شخص گفت کہ برائے شکر حصول ایں تبرک اہل شہر راد عوت کنید، فرمودند کہ وقت صبح بیائید، مردمان بسیار بوقت صبح آمدند و طعام ہائے خوب خوردند و فاتحہ خواندند بعد ازاں پرسیدند کہ شما مرد فقیر ہستید ایں قدر طعام از کجا آمد، فرمود کہ جبہ را فرد

ختم و تبرک را نگاہ داشتم، ہمہ گفت کہ للہ الحمد کہ تبرک بہ مستحق رسید۔(انفاس العارفین مترجم اُردو ص ۷۷، اسلامک بک فاونڈیشن لاہور)

حرمین میں ایک شخص (جو اپنے ہی بزرگوں میں سے تھا) کے پاس غوث الثقلین کی ٹوپی تھی۔ ایک رات اس نے خواب میں غوث الاعظم کو دیکھا، فرما رہے تھے، یہ ٹوپی ابو القاسم اکبر آبادی کو پہنچا دو، اس شخص نے بطور آزمائش ایک قیمتی جبہ بھی اس ٹوپی کے ہمراہ کر دیا، اور کہا یہ دونوں تبرکات آپ کو غوث اعظم نے بھجوائے ہیں۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ اس شخص نے کہا، ان تبرکات کے ملنے کی خوشی میں اہل شہر کی دعوت کیجئے۔ فرمایا، صبح آنا، صبح بہت لوگ آئے اور خوب کھانے کھائے، اور فاتحہ پڑھی، اس کے بعد دریافت کیا، آپ تو فقیر منش لوگ ہیں، اتنا کھانا کہاں سے آیا، فرمایا، تبرک تو میں نے حفاظت سے رکھا اور جبہ فروخت کر کے دعوت کی۔ وہ شخص بولے، خدا کا شکر ہے، تبرک مستحق کو پہنچا۔ م

اسی طرح صدہا عبارات ہیں، جن کے حصر و استقصا[1] میں محل طمع نہیں۔ یہ سب ایک طرف، فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہ حدیث سے ثابت کرے کہ خود حضور پر نور سید یوم النشور افضل صلوات اللہ تعالیٰ و اجل تسلیماتنا علیہ وعلیٰ ، وذریاۃ آثار مسلمین سے تبرک فرماتے وللہ الحجۃ البالغہ۔ طبرانی معجم اوسط اور ابو نعیم حلیہ میں حضرت سیدنا و ابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

---

[1] مکمل طور پر بیان ۱۲۔م

قال کان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یبعث الی المطاهر فیوتی بالماء فیشربه یرجوبه برکته ایدی المسلمین

(المعجم الاوسط، حدیث ۷۹۸، ۱/۲۴۳، ریاض)

یعنی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طہارت گاہوں، مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کیا کرتے پانی منگا کر نوش فرماتے اور اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت لینا چاہتے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی الہ وصحبہ و بارک وکرم۔

علامہ عبدالرؤف مناوی، تیسیر ج ۲ صفحہ ۲۶۹ پھر علامہ علی ابن احمد عزیزی، سراج المنیر ج ۳ صفحہ ۱۴۷ شروح جامع صغیر میں اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں بہ اسناد صحیح۔ علامہ محمد حنفی اپنی تعلیقات علی الجامع (ج ۳ ص ۱۵۱) میں فرماتے ہیں:

یرجوابه برکة الخ لانهم محبوبون للّٰہ تعالٰی بدلیل ان اللّٰہ یحب التوابین و یحب المطهرین

یعنی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیہ آب وضوئے مسلمین میں اس وجہ سے امید برکت رکھتے کہ وہ محبوبان خدا ہیں،، قرآن مجید میں فرمایا۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے طہارت والوں کو۔

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر اللّٰہ اعلٰی واجل اکبر۔

یہ حضور پرنور سید المبارکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کی خاک نعلین پاک تمام جہان کے لئے تبرک، دل و جاں و سرمہ چشم دین و ایماں

ہے، وہ اس پانی کو جس میں مسلمانوں کے ہاتھ دھلے تبرک ٹھہرائیں اور اسے منگا کر بہ غرض حصولِ برکت نوش فرمائیں، حالانکہ واللہ مسلمانوں کے دست و زبان و دل و جان میں جو برکتیں ہیں سب انھیں نے عطا فرمائیں، انھیں کے نعلین پاک کے صدقے میں ہاتھ آئیں۔ یہ سب تعلیم امت و تنبیہ مشغولان خواب غفلت کے لئے تھا، کہ یوں نہ سمجھیں تو اپنے مولیٰ و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل سن کر بیدار اور برکت آثار اولیاء و علماء کے طلب گار ہوں، پھر کیسا جاہل و محروم وہ فافہم ملوم کہ محبوبان خدا کے آثار کو تبرک نہ جانے اور اس سے حصول برکت نہ مانے ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سید المرسلین محمد و الہ و صحبہ و اولیائہ و علمائہ و امتہ و حزبہ اجمعین امین. واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل سوم

مسئلہ غرہ[1] ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں، علمائے دین اس مسئلے میں کہ تبرک آثار شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیسا اور اس کے لئے ثبوت یقینی درکار ہے، یا صرف شہرت کافی ہے، اور نعلین شریفین کی تمثال[2] کو بوسہ دینا کیسا ہے اور اس سے توسل جائز ہے یا نہیں، اور بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ تمثال نعل شریف کے اوپر بعد بسم اللہ کے لکھتے ہیں اللّٰھم ارنی برکۃ صاحب ھٰذین النعلین الشریفین اور اس کے نیچے، دعائے حاجت لکھتے ہیں، یہ کیسا ہے بینوا توجروا۔

[1] ربیع الاوّل کی پہلی تاریخ م   [2] تصویر۔ م

الجواب:

فی الواقع آثار شریفہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک سلفاً و خلفاً زمانۂ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک بلا نکیر رائج و معمول اور بہ اجماع مسلمین مندوب و محبوب، بکثرت احادیث صحیحہ و صحیح بخاری و مسلم وغیرہما صحاح وسنن و کتب حدیث اس پر ناطق جن میں بعض کی تفصیل فقیر نے کتاب البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ میں ذکر کی اور ایسی جگہ ثبوت یقینی یا سند محدثانہ کی اصلاً حاجت نہیں، اس کی تحقیق و تنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم و تبرک سے باز رہنا سخت محرومی و کم نصیبی ہے۔ آئمہ دین نے صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے اس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے۔ امام قاضی عیاض شفا شریف (ج۲ص۴۴، مطبوعہ ملتان) میں فرماتے ہیں:

من اعظامه و اكباره صلى الله تعالٰى عليه وسلم اعظام جميع اسبابه واكرام مشاهده وامكنته من مكة والمدينة و معاهده وما لمسه عليه الصلاة والسلام او عرف به:

آپ کی تعظیم کا ایک طریقہ یہ بھی کہ آپ کے تمام متعلقات، اور آپ سے متعلق تمام مقامات مکہ، مدینہ اور تمام ان چیزوں کی تعظیم کی جائے جن کو آپ نے مس کیا ہوا یا جن کا تعلق آپ سے معروف ہو۔ م

اسی طرح طبقہ فطبقۃً، شرقاً غرباً، عجماً عرباً، علمائے دین و آئمہ معتمدین نعل مطہر حضور سید البشر علیہ افضل الصلاۃ و اکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے، اور انھیں بوسہ دینے، آنکھوں سے

لگانے، سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفع امراض وحصول اغراض میں اس سے توسل فرمایا کئے اور بفضل الٰہی عظیم وجلیل برکات وآثار اس سے پایا کئے۔ علامہ ابو الیُمن ابن عساکر وشیخ ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علمائے نے اس باب میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور علامہ احمد مقّری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف سے ہے۔ محدث علامہ ابوالربیع، سلیمان بن سلیم کلاعی وقاضی شمس الدین ضعیف اللہ رشیدی وشیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقّری وسید محمد موسیٰ حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح وشیخ محمد بن فرج سبتی وشیخ محمد بن رشید فہری سبتی وعلامہ احمد بن محمد تلمسانی، موصوف وعلامہ ابو الیمن ابن عساکر وعلامہ ابو الحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی وامام ابوبکر احمد ابن امام ابو محمد عبداللہ بن حسین انصاری قرطبی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے نقشۂ نعل مقدس کی مدح میں قصائد عالیہ تصنیف فرمائے ان سب میں اسے بوسہ دینے، سر پر رکھنے کا حکم واستحسان مذکور اور یہی مواہب لدنیہ امام علامہ احمد قسطلانی وشرح مواہب علّامہ زرقانی وغیرہما کتب جلیلہ میں مسطور وقـــد[1] اکثر ذلک فی کتابنا المذکور.

علماء فرماتے ہیں جس کے پاس یہ نقشۂ متبرکہ ہو ظلم ظالمین وشر شیاطین وچشم زخم حاسدین سے محفوظ رہے، عورت دردِ زہ کے وقت اپنے داہنے ہاتھ میں لے، آسانی ہو۔ جو ہمیشہ پاس رکھے نگاہ خلق میں معزز ہو، زیارت روضۂ مقدس نصیب ہو یا خواب میں زیارتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہو۔ جس لشکر میں ہو نہ بھاگے جس قافلے میں ہو نہ لٹے، جس

[1] اور ہم نے اس کے اکثر کا خلاصہ اپنی مذکورہ کتاب میں کر دیا ہے۔ م

کشتی میں ہو نہ ڈوبے، جس مال میں ہو نہ چرے، جس حاجت میں اس سے توسل کیا جائے پوری ہو۔ جس مراد کی نیت سے پاس رکھیں حاصل ہو۔ موضع درد و مرض پر اسے رکھ کر شفائیں ملی ہیں۔ مہلکوں، مصیبتوں میں اس سے توسل کر کے نجات و فلاح کی راہیں کھلی ہیں۔

اس باب میں حکایاتِ صلحاء و روایاتِ علماء بکثرت ہیں کہ امام تلسمانی وغیرہ نے فتح المتعال وغیرہ میں ذکر فرمائیں، اور بسم اللہ شریف اس پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعل مقدس قطعاً تاج فرق اہل ایمان ہے مگر اللہ عزوجل کا نام و کلام ہر شے سے اجل و اعظم و ارفع و اعلیٰ ہے یوں ہی تمثال میں بھی احتراز چاہیئے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نام الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور کے نعل اقدس پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے، مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالت استعمال و تمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت بدیہی ہے، اور اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانوران صدقہ کی رانوں پر حُبِس[1] فی سبیل اللہ داغ فرمایا تھا، حالانکہ ان کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں بلکہ سنن دارمی شریف (ج ا ص ۱۰۵) میں ہے۔

اخبر نا مالک بن اسمٰعیل ثنا مندل بن علی الغزی حدثنی جعفر بن ابی المغیرۃ عن سعید بن جبیر قال کنت اجلس الٰی ابن عباس فاکتب فی الصحیفۃ حتیٰ تمتلے ثم اقلب نعلی فاکتب فی ظھورھما واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم.

---

[1] اللہ کی راہ میں روکے ہوئے۔ م

مالک بن اسمٰعیل نے اپنی سند سے سعید بن جبیر سے روایت کی، انھوں نے فرمایا، میں حضرت ابن عباس کے بیٹھتا تھا اور صحیفہ پر لکھتا تھا، جب وہ پر ہو جاتا تھا تو میں اپنی جوتی پلٹ کر اس کی پشت پر لکھ لیتا تھا واللہ تعالیٰ اعلم۔م

فصل چہارم

مسئلہ: مسئولہ حضرت سیّد حبیب اللہ زعبی دمشقی طرابلسی جیلانی وارد حال بریلی۔ ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جو لوگ تبرکات شریف بلا سند لاتے ہیں، ان کی زیارت کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اور اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج کل مصنوعی تبرکات زیادہ لئے پھرتے ہیں، یہ ان کا کہنا کیسا ہے اور جو زائر کچھ نذر کرے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص خود مانگے اس کا مانگنا کیسا ہے۔؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار و تبرکات شریفہ کی تعظیم دین مسلمان کا فرض عظیم ہے۔ تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآنِ عظیم میں ہے، جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے اس میں کیا تھا۔

بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ ط(رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ)

موسیٰ و ہارون علیہما الصلاۃ والسلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور حضرت

ہارون علیہ الصلاۃ والسلام کا عمامہ وغیرہا و لہٰذا تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا، صحابہ و تابعین و آئمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔ اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی، کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔ شفا شریف و مواہب لدنیہ و مدارج شریف وغیرہا میں ہے۔

من اعظامه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم اعظام جميع اسبابه و ما لمسه او عرف به صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم(۲/۴۷،۴۸)

یعنی، رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جن کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو اور جنہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور کے نام پاک سے مشہور ہوں۔

یہاں تک کہ برابر آئمہ دین و علمائے معتمدین نعل اقدس کی شبیہ و مثال کی تعظیم فرماتے رہے اور اس سے صدہا عجیب مددیں پائیں، اور اس کے باب میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جب نقشے کی یہ برکت و عظمت ہے تو خود نعل اقدس کی عظمت و برکت کو خیال کیجئے پھر[1] ردائے اقدس وجُبّہ مقدسہ و عمامۂ مکرمہ پر نظر کیجئے۔ پھر ان تمام آثار و تبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم واعلیٰ و اکرم و اولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ یہ سب ملبوسات تھے اور وہ جزء بدن والا

[1] چادر شریف

ہے اور اس سے اجل و اعظم و ارفع و اکرم حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا موئے[1] مطہر ہے۔ مسلمان کا ایمان گواہ ہے کہ ہفت آسمان و زمین ہرگز اس ایک موئے مبارک کی عظمت کو نہیں پہنچتے اور ابھی تصریحات آئمہ سے معلوم ہو گیا کہ تعظیم کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اس شے کا اشتہار کافی ہے۔ ایسی جگہ بے ادراک سند تعظیم سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل پر آزار دل جس میں نہ عظمتِ شانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروجہ کافی نہ ایمان کامل۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

اِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُه، وَ اِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُکُمْ (پ۲۴ المومن آیت ۲۸)

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر اور اگر وہ سچا ہے تو تمہیں پہنچ جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

اور خصوصاً جہاں سند بھی موجود ہو پھر تو تعظیم و اکرام و تکریم سے باز نہیں رہ سکتا۔ مگر کوئی کھلا کافر یا چھپا منافق والعیاذ باللہ تعالیٰ، اور یہ کہنا کہ آج کل اکثر لوگ مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں، اگر یوہیں مجمل بلا تعیین شخص ہو، یعنی کسی شخص پر اس کی وجہ سے الزام یا بدگمانی مقصود نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں اور بلا ثبوت شرعی کسی خاص شخص کی نسبت حکم لگا دینا کہ یہ انھیں میں سے ہے جو مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں، ضرور ناجائز و گناہ و حرام ہے، کہ اس کا منشا صرف بدگمانی ہے اور بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] بال شریف ۔ م

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث (بخاری کتاب الوصایا ج۱ص۳۸۴، مسلم کتاب البر والصلۃ، ۲/۳۱۶)

بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

آئمہ دین فرماتے ہیں:

انما ینشوء الظن الخبیث من القلب الخبیث

خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

تبرکات شریفہ جس کے پاس ہوں ان کی زیارت کرنے پر لوگوں سے اس کا کچھ مانگنا سخت شنیع ہے۔ جو تندرست ہو، اعضا صحیح رکھتا ہو، نوکری خواہ مزدوری اگرچہ ڈلیا ڈھونے کے ذریعے سے روٹی کما سکتا ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی (مسند امام احمد بن حنبل، ج۲ص۱۹۲، بیروت)

غنی یا سکت والے تندرست کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

علماء فرماتے ہیں:

ما جمع السائل بالتکدی فھو الخبیث

(ردالمحتار کتاب الکراہیۃ)

سائل جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے۔

اس پر ایک تو شناعت یہ ہوئی، دوسری شناعت سخت تر یہ ہے کہ دین کے نام سے دنیا کماتا ہے اور یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِیْ ثَمَناً قَلِیْلًا ط کی قبیل میں داخل ہوتا ہے۔ تبرکات شریفہ بھی اللہ عزوجل کی نشانیوں سے عمدہ نشانیاں

ہیں، ان کے ذریعے سے دنیا کی ذلیل قلیل پونجی حاصل کرنے والا دنیا کے بدلے دین بیچنے والا ہے۔ شناعت سخت تر یہ ہے کہ اپنے اس مقصد فاسد کے لئے تبرکات شریفہ کو شہر بہ شہر، در بہ در لئے پھرتے ہیں اور ہر کس و ناکس کے پاس لے جاتے ہیں۔ یہ آثار شریفہ کی سخت توہین ہے۔

خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دارالہجرۃ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ﷺ درخواست کی تھی، کہ ان کے یہاں جا کر خلیفہ زادوں کو پڑھا دیا کریں۔ ارشاد فرمایا کہ میں علم کو ذلیل نہ کروں گا، انھیں پڑھنا منظور ہے تو خود حاضر ہوا کریں، عرض کی وہیں حاضر ہوں گے مگر اور طلباء پر ان کو تقدیم دی جائے۔ فرمایا یہ بھی نہ ہوگا، سب یکساں رکھے جائیں گے۔ آخر خلیفہ کو یہی منظور کرنا پڑا۔ یونہی امام شریک نخعی سے خلیفۂ وقت نے چاہا تھا کہ ان کے گھر جا کر شہزادوں کو پڑھا دیا کریں۔ آپ نے انکار کیا۔ خلیفہ نے کہا، آپ امیر المومنین کا حکم ماننا نہیں چاہتے۔ فرمایا، یہ نہیں بلکہ میں علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

رہا یہ کہ بے اس کے مانگے زائرین کچھ اسے دیں اور یہ لے اس میں تفصیل ہے۔ شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے[1] **المعھود عرفا کالمشروط لفظاً** جو لوگ تبرکات شریفہ شہر بشہر لئے پھرتے ہیں ان کی نیت و عادت قطعاً معلوم کہ اس کے عوض تحصیل زر و جمع مال چاہتے ہیں۔ یہ قصد نہ ہو تو کیوں دور دراز سفر کی مشقت اُٹھائیں، ریلوں کے کرائے دیں۔ اگر کوئی ان میں زبانی کہے بھی کہ ہماری نیت فقط مسلمانوں کو زیارت سے بہرہ مند کرنا ہے تو ان کا حال ان کے قال کی صریح تکذیب کر رہا ہے ان میں علی العموم وہ لوگ ہیں، جو ضروری ضروری طہارت و صلوٰۃ سے بھی آگاہ نہیں۔ اس فرض قطعی کے حاصل کرنے کو کبھی دس پانچ کوس یا شہر ہی کے کسی عالم کے

---

[1] جو چیز عرفاً طے شدہ ہوتے ہے وہ لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ م

پاس گھر سے آدھ میل جانا پسند نہ کیا۔ مسلمانوں کو زیارت کرانے کے لئے ہزاروں کوس سفر کرتے ہیں۔ پھر جہاں زیارتیں ہوں اور لوگ کچھ نہ دیں، وہاں ان صاحبوں کے غصے دیکھئے۔ پہلا حکم یہ لگایا جاتا ہے، کہ تم لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ محبت نہیں، گویا ان کے نزدیک محبت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ایمان اسی میں منحصر ہے کہ حرام طور پر کچھ ان کی نذر کر دیا جائے ،پھر جہاں کہیں ملے بھی مگر ان کے خیال سے تھوڑا ہو، ان کی سخت شکایتیں اور مذمتیں ان سے سن لیجئے، اگرچہ وہ دینے والے صلحاء وعلماء ہوں اور مال حلال سے دیا ہو۔ اور جہاں پیٹ بھر کے مل گیا، وہاں لمبی چوڑی تعریفیں لے لیجئے، اگرچہ وہ دینے والے فساق، فجار بلکہ بد مذہب ہوں اور مال حرام سے دیا ہو، تو قطعاً معلوم ہے کہ وہ زیارت نہیں کراتے مگر لینے کے لئے اور زیارت کرانے والے بھی جانتے ہیں کہ ضرور کچھ دینا پڑے گا، تو اب یہ صرف سوال ہی نہ ہوا بلکہ بحسب عرف زیارت شریفہ پر اجارہ ہوگیا، اور وہ بہ چند وجہ حرام ہے۔ اولاً زیارت آثار شریفہ کوئی ایسی چیز نہیں جو زیر اجارہ داخل ہو سکے:

کما صرح بہ فی ردالمختار وغیرہ ان ما یوخذ من النصاریٰ علیٰ زیارت بیت المقدس حرام و ھذا اذا کان حراما اخذہ من کفار دور الحرب کالروم و غیرہ ھم فکیف من المسلمین ان ھو الا ضلال مبین.

جیسے درمختار وغیرہ میں ہے کہ بیت المقدس کی زیارت کے سلسلے میں نصاریٰ سے جو لیا جاتا ہے وہ حرام ہے، تو جب دارالحرب کے کافروں سے،

جیسے رومی وغیرہم سے لینا حرام ہے تو مسلمانوں سے لینا کیسے جائز ہو، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

ثانیاً اجرت مقرر نہیں ہوتی۔ کیا دیا جائے گا۔ اور جو اجارے شرعاً جائز ہیں، ان میں بھی اجرت مجہول رکھی جانا اسے حرام کر دیتا ہے نہ کہ جو سرے سے حرام ہے کہ حرام در حرام ہوا اور یہ حکم جس طرح گشتی صاحبوں کو شامل ہے، مقامی حضرات بھی اس سے محفوظ نہیں جبکہ اسی نیت سے زیارت کراتے ہوں، اور ان کا یہ طریقہ معلوم و معروف ہو۔ ہاں اگر کسی بندۂ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انھیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض لوجہ اللہ اسے زیارت کرا دیا کرے، کبھی کسی معاوضے، نذرانے کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں، باقی گشتی صاحبوں کو عموماً اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف و مشہور ہیں، شرعام جواز کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، مگر ایک وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ ان کو توفیق دے نیت اپنی درست کریں اور شرط عرفی کے رد کے لئے صراحۃً اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانوں یہ آثار شریفہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز و مکرم کے ہیں، کہ محض خالصاً لوجہ اللہ تمہیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے، ہرگز ہرگز کوئی بدلا یا معاوضہ مطلوب نہیں اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ میں ہے: [1] ان الصریح یفوق الدلالۃ

---

[1] بیشک صریح دلالت سے بالاتر ہے۔

اور اس کی صحت نیت پر دلیل یہ ہوگی کہ کم پر ناراض نہ ہو، بلکہ اگر جلسے گزر جائیں، لوگ فوج فوج زیارتیں کر کے یونہی چلے جائیں اور کوئی پیسہ نہ دے جب بھی اصلا دل تنگ نہ ہو اور اسی خوشی اور شادمانی کے ساتھ مسلمانوں کو زیارت کرایا کرے۔ اس صورت میں یہ لینا دینا دونوں جائز و حلال ہوں گے اور زائرین[۲] و مزدور دونوں اعانت مسلمین کا ثواب پائیں گے۔ اس نے سعادت و برکت دے کر ان کی مدد کی، انھوں نے دنیا کی متاع قلیل سے فائدہ پہنچایا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَنْفَعهُ. رواه مسلم فی صحیحه عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالیٰ عنهما (ج ۲ ص ۲۲۴، باب استحباب الرقية من العين الخ)

تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے تو اسے چاہئے کہ نفع پہنچائے: (مشکوۃ کتاب الطّب والرّقی پہلی فصل)

اور فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

الله فی عون العبد ما دام العبد فی عون اخيه:

(صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء، درباب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن)

اللہ اپنے بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدعد میں ہے۔ (رواہ الشیخان)

علی الخصوص جب یہ تبرکات والے حضرات سادات کرام ہوں تو اب ان کی خدمت اعلیٰ درجے کی برکت و سعادت ہے۔ حدیث میں ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور

---

[۲] زیارات کرانے والا۔م

اس کا صلہ دنیا میں نہ پائے۔ میں بہ نفس نفیس روز قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا۔"

اور اگر زیارت کروانے والے کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والے کو چاہیئے کہ خود ان سے صاف صراحۃً کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی۔ خالصاً لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں، کرائیے۔ اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں، ہرگز زیارت نہ کرے، کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام۔ کسی مستحب شے کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کر سکتے۔ اشباہ و نظائر (۱/۱۸۹) وغیرہا میں ہے۔[1] ما حرم اخذہ حرم اعطاؤہ۔ درمختار میں ہے۔[2] الاخذ و المعطی اثمان۔ اسی درمختار میں تصریح ہے کہ جو تندرست ہو اور کسب پر قادر ہو اسے دنیا حرام ہے، کہ دینے والے اس سوال حرام پر اس کی اعانت کرتے ہیں، اگر نہ دیں خواہی نخواہی عاجز ہو اور کسب کرے اور اگر اس کی غرض زیارت کرنے والے صاحب نے قبول کر لی تو اب سوال و اجرت کا قدم درمیان سے اُٹھ گیا، بے تکلف زیارت کرے، دونوں کے لئے اجر ہے، اس کے بعد حسب استطاعت ان کی نذر کر دے۔ یہ لینا دینا دونوں کے لئے حلال اور دونوں کے لئے اجر ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ فقیر کا یہی معمول ہے اور توفیق خیر اللہ تعالیٰ سے مسئول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

---

[1] جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔ م [2] دینے اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں۔ م

فصلِ پنجم

مسئلہ بتاریخ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ

جناب من ایک نئی بات سنی گئی ہے، اس کی بابت عرض کرتا ہوں۔ اطمینان فرمائیے۔

سوال: نقل روضۂ منورہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور نقل روضۂ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تعزیئے میں کیا فرق ہے، شرعاً کس کی تعظیم کم و بیش کرنا چاہیئے، اعنی[1] کون افضل ہے۔ اور زیارت کرنا نقل روضۂ منورہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا درست ہے یا نہیں، یعنی نقل روضۂ منورہ کو جو مقبول حسین خاں کے یہاں ہے، بعض لوگ یوں کہتے ہیں، کہ کاریگر کی کاریگری دیکھ لو، لفظ زیارت کا کہنا اور وقت زیارت درود شریف پڑھنا اور مثل اصل کے تعظیم کرنا نا درست ہے، ہرگز نہیں چاہیئے۔ اتنا کہنا تو مثل کی نسبت درست کہتے ہیں، الاّ بالکل تعظیم کرنا محض برا بتاتے ہیں اور ایسے کرنے والے کو مثل ہنود کے جانتے ہیں۔ اس کا کیا جواب ہے۔

الجواب:

روضۂ منورہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل صحیح بلاشبہ معظمات دینیہ سے ہے۔ اس کی تعظیم و تکریم بروجہ شرعی ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضائے ایمان ہے۔

ع اے گل بتو خورسندم تو بوئے کسے داری

---

[1] میری مراد یہ ہے۔ م

اس کی زیارت بہ آدابِ شریعت اور اس وقت درود شریف کی کثرت ہر مومن کی شہادت قلب و بداہت عقل سے مستحب ومطلوب ہے۔ علامہ تاج فاکہانی فجر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلک ان من لم یمکنه زیارة الرّوضة فلیذر مثالها فلیستلمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل کما قد ناب مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع والخوص لشهادة التجربة الصحیحة و لذا جعلوا له من الاکرام والاحترام ما یجعلون للمنوب عنه.

یعنی، روضۂ مبارک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نقل میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضۂ اقدس کی زیارت نہ ملے، وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے، کہ یہ نقل اسی اصل کی قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ گواہ ہے، وہ لہٰذا علمائے دین نے اس کی نقل کا اعزاز و اکرام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

اسی طرح دلائل الخیرات و مطالع المسرات وغیرہما معتبرات میں ہے۔ اس بحث کی تفصیل جمیل فقیر کے رسالہ "شفاء الوالہ فی صور الحبیب ۱۳۱۵ھ و مزارہ و نعالہ میں ہے۔ یہاں لفظ زیارت کی ممانعت محض جہالت ہے۔ اور معاذ اللہ درود شریف کی ممانعت اور سخت حماقت اور صراحۃً شریعت مطہرہ پر افترا وتہمت ہے۔ علامہ طاہر فتنی، مجمع البحار میں اپنے استاذ حضرت عارف باللہ سیّدی علی متقی مکی، وہ اپنے استاد امام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں۔

من استيقظ عند اخذ الطيّب وشمه الٰى ما كان عليه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم من محبته للطيب و عليه و سلم لما وقر فى قلبه من جلالته و استحقاقه علٰى كل امته ان يلحظوا بعين نهاية الاجلال عند روية شئى من اثاره او ما يدل عليها فهواتٍ بما له فيه اكمل الثواب الجزيل و قد استحبه العلماء لمن رأى شئيا من اثآره صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم، ولا شك ان من استحضر ما ذكرته عند شمه للطيب يكون كالرائى بشى من اثاره الشريفة فى المعنى فليس به الاكثار من الصلاة و السلام عليه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم حيئذٍ اھ مختصرا۔ (مجمع بحار الانوار ج۵ ص ۲۴۷)

جس شخص نے خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت حضور کی خوشبو سے محبت کو یاد کیا اور آپ پر درود و سلام پڑھا، کیونکہ اس کے دل میں آپ کی عظمت و وقار کا جذبہ تھا اور اسی وجہ سے وہ آپ کے اثار شریفہ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، تو اس نے بڑے ثواب کا کام کیا اور درود شریف کو علمائے نے اس کے لئے مستحب قرار دیا ہے، جو آپ کے آثار شریفہ میں کسی کا ملاحظہ کرے، اور ظاہر ہے کہ خوشبو سونگھتے وقت حضور کی یاد کرتا ہے وہ معنی آپ کے اثار شریفہ کا ملاحظہ کرتا ہے اس لئے اسے اس وقت بہ کثرت درود شریف پڑھنا چاہیئے۔م

اسی ارشاد جمیل میں صاف تصریح جلیل ہے کہ تمام امت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ سے کوئی چیز دیکھیں یا وہ شے دیکھیں، جو حضور کے آثار

شریفہ سے کسی چیز پر دلالت کرتی ہو، تو اس وقت کمال ادب و تعظیم کے ساتھ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصور لائیں اور درود شریف کی کثرت کریں، ولہٰذا جو خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت یاد کرے کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے دوست رکھتے تھے، وہ بھی گویا معنی آثار شریفہ کی زیارت کر رہا ہے اسے اس وقت درود پڑھنے کی کثرت مسنون ہونی چاہیئے، تو نقل روضہ مبارک صاف صاف ما یدل علیہا میں داخل ہے، اس کی زیارت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور حضور پر درود و تسلیم کیوں نہ مستحب ہوگی۔ ایسی تعظیم کرنے والے کو معاذ اللہ کفار و مشرکین کے مثل بتانا سخت ناپاک کلمۂ بے باک ہے۔ قائل جاہل پر توبہ فرض ہے، بلکہ از سر نو کلمۂ اسلام کی تجدید کرکے، اپنی عورت سے نکاح دوبارہ کرے کہ اس نے بلا وجہ مسلمانوں کو مثل کفار بتایا۔

رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْکُفْرِ وَ قَالَ عَدُوَّ اللّٰہِ وَ لَیْسَ کَذٰلِکَ اِلاَّ جَارَ عَلَیْہِ: رواہ الشیخان عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ متفق علیہ، (مشکوۃ کتاب الاداب باب حفظ اللسان، پہلی فصل)

جس نے کسی شخص کا کافر کہا اور دشمن خدا کہا اور وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کلمہ اس پر جاری ہوگا۔ اسے شیخین نے ابوذر سے روایت کیا۔ م

یوں ہی اگر روضۂ شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہید ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیٰ جدہ الکریم و علیہ کی صحیح نقل بنا کر محض بہ نیت تبرک بے آمیزش منکرات شرعیہ مکان میں رکھتے تو شرعا کوئی حرج نہ تھا، مگر حاشا تعزیہ

ہرگز اس کی نقل نہیں، نقل ہونا درکنار، بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں۔ ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت۔ پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بے ہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ و دشت بہ دشت اشاعتِ غم کے لئے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی، ماتم سازشی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل و نقل سے کٹی چھنی۔ کوئی ان پھپچیوں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدے میں گرا ہے، کوئی اس مایہ بدعات کو معاذ اللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا ہے، منتیں مانتا ہے، عرضیاں باندھتا، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے باجے تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بے ہودہ کھیل ان سب پر طرّہ ہیں۔ غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بے ہودہ رسموں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا، کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریا و تفاخر اعلانیہ ہوتا ہے، پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے مٹی ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے، مگر نام تو ہو گیا، کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں۔ اب بہار عشرہ کے پھول کھلے۔ تاشے باجے بجتے چلے۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ۔ یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا، یہ ساختہ ڈھانچہ بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں۔

ع اے مومنو اُٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے وہاں کچھ نوچ اتار باقی توڑتاڑ دفن کر دیئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثنا کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے آمین۔

تعزیہ داری کہ اس طریقۂ نا مرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔ ان خرافات کے شیوع نے اصل مشروع کو بھی اب محذور مخظور کر دیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے۔ وما یؤدی الیٰ مخطور مخطور. حدیث شریف میں ہے:

اتقوا مواضع التهم، (تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرو) لہٰذا دربارہ کربلائے معلٰی اب صرف کاغذ پر صحیح نقشہ لکھا ہوا محض بہ قصد تبرک بے آمیزش منہیات پاس رکھنے کی اجازت ہوسکتی ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدی واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ

عبدالمذنب احمد رضاالبریلوی

عفی عنہ باالنبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِتْیَانُ الْاَرْوَاحِ لِدِیَارِہِمْ بَعْدَ الرَّوَاحِ

مؤمنین کی رُوحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں

تصنیفِ لطیف

امامِ اہلسنت مجددِ اعظم دین و ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام **احمد رضا خاں** رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاضل بریلوی

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے روح کو مرنے کے لئے پیدا نہیں کیا ہے، جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم کے پنجرے سے آزاد ہو جاتی ہے، پھر سعید روحیں تو علیین میں چلی جاتی ہیں اور وہ وہاں مقید نہیں ہوتی ہیں بلکہ یہ مقام ان کے لئے دار کرامت ہے، وہ جب چاہتی ہیں بہ اذن الٰہی جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں ، اور کفار کی ارواح خبیثہ اگرچہ قفس عنصری سے رہائی پا جاتی ہیں مگر سجین میں مقیّد کر دی جاتی ہیں۔ ان مسائل کا تعلق ظاہر ہے کہ نہ تو مشاہدات سے ہے اور نہ ہی عقلیات سے، یہ تمام مسال علوم غیبیہ سے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے بتائے بغیر ہم کو معلوم ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ زیر نظر رسالے میں اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل فرمایا ہے۔

مرتب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مسئلہ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۱ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلے میں کہ جس وقت روح انسان کی اپنے جسم سے پرواز کر جاتی ہے، بعد اس کے پھر بھی کبھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر روح اپنے مکان پر آتی ہے تو کس کس دن آیا کرتی ہے؟ اور اس سے منکر (یعنی روحوں کے آنے سے انکار کرنے والا) گنہگار ہے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہے تو کس گناہ میں شامل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

"مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تاہفت روز، تصدق از میت نفع می کند اورا بے خلاف میان اہل علم و وارد شدہ است در آں احادیثِ صحیحہ خصوصاً آب وبعضے از علماء گفتہ اند کہ نمی رسد بہ میت را مگر صدقہ و دعا و در بعضے روایات آمدہ است کہ روحِ میت می آید خانۂ خود را شب جمعہ پس نظر می کند، کہ تصدق می کنند از وے یا نہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(اشعۃ اللمعات، باب زیارۃ القبور، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ج۱ ص ۷۱۶)

میت کے دنیا سے رخصت ہونے کے سات روز بعد تک اس کی جانب سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میت کی طرف سے صدقہ کرنا بہ اتفاق اہل علم، نفع بخش ہے۔ اس سلسلے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں، خصوصاً پانی، اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ میت کو صدقہ اور دعا کے سوا کچھ نہیں پہنچتا ہے، اور بعض روایات میں آیا ہے کہ میت کی روح اپنے گھر میں جمعہ کی رات کو آکر دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہیں؟ واللہ اعلم، م

شیخ الاسلام کشف الغطاء عما للموتی علی الاحیاء فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

در غرائب و خزانہ نقل کردہ، کہ ارواحِ مؤمنین می آیند خانہائے خود را ہر شب جمعہ، و روز عید، و روز عاشورہ و شب برأت، پس ایستادہ می شوند بیرونِ خانہائے خود و ندامی کنند ہر یکے بہ آواز بلند اندوہگیں۔ اے اہل و اولاد من، و نزدیکان من مہربانی کنید برما بصدقہ الخ (فصل احکام دعا وصدقہ، ص ٦٦)

"غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں اپنے گھروں پر ہر جمعہ کی رات، عید کے دن، عاشورے کے دن اور شب برأت کو آتی ہیں اور اپنے گھروں کے باہر غمگین حالت میں کھڑی ہوتی ہیں اور ہر ایک کو بہ آواز بلند و اندوہ ناک پکار کر کہتی ہیں اے میرے اہل و اولاد! اور میرے قریبی رشتہ دارو! مجھ پر برائے مہربانی صدقہ کرو۔

اسی میں ہے:

شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، درشرح الصدور
احادیث شتّی در اکثر ازیں اوقات آوردہ، اگرچہ اکثرے
خالی از ضعف نیست" (فصل احکام دعا وصدقہ، ص ٦٦)

اس عبارت میں اکثر کا لفظ صریح دلالت کر رہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں، یعنی بعض ضعیف نہیں۔ تو صاحب "مایۃ مسائل" کا مطلقاً اس کی طرف نسبت کرنا کہ "ایں روایات را ضعیف ہم فرمودہ اند" کذب و افترا ہے، یا جہل و اجتراء اور استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر جیسا کہ صاحب مأتہ مسائل سے یہاں واقع ہوا جہل شدید و سفہ بعید ہے۔ حدیث حسن بھی بالا جماع حجت ہے۔ غیر عقائد احکام حلال و حرام میں حدیث ضعیف بھی بالا جماع حجت ہے۔ ہمارے آئمہ کرام حنفیہ و جمہور آئمہ کے نزدیک ہے۔ مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طلبۂ علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم حدیث کے ابجد خوانوں پر بین ومبرہن ہے، طرفہ یہ کہ خود صاحب مأتہ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگانِ خاندانِ دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب و شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں تو وہ وہ روایات غیر صحاح و رویاتِ طبقہ رابعہ اور ان سے بھی نازل تر سے استناد کیا ہے، جیسا کہ ان کتب کے ادنیٰ مطالعہ سے واضح ومبین ہے۔

امام اجلّ عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بہ سند صحیح حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً راوی:

وھذا لفظ ابن المبارک: قال

انّ الدنیا جَنّةُ الکافر وَ سَجن المؤمِن و انما مثل المؤمن حین تخرج نفسه' کمثل رُجلٍ کان فی سِجنٍ فاخرج منه فجعل یتقلّب فی الارض و یتفسح فیھا۔ (کتاب الزہد لابن المبارک، باب فی طلب الحلال، حدیث ۵۹۷، ص ۲۱۱، بیروت)

یعنی بے شک دنیا کافر کے لئے بہشت اور مسلمان کے لئے قید خانہ ہے۔ جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قید خانے میں تھا، اب اس سے آزاد کر دیا گیا، پھر زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔

ابوبکر کی روایت یوں ہے:

فاذا ما ت المؤمن یخلی به بسرح حیث شاء

(مصنف ابن ابی شیبة، کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷۱، ۱۳/۳۵۵ ادارۃ القرآن کراچی)

جب مومن مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

ابن ابی الدنیا وبیہقی سعید بن میتب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، حضرت سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما باہم ملے۔ ایک

نے دوسرے سے کہا، کہ اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا؟ تو پوچھا، کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ تو جواب دیا:

نعمْ امّا المؤمنون فانّ ارواحهم فی الجنّة و هی تذهب حیث شاء ت (شعب الایمان، باب التوکل والتسلیم ، حدیث ۵۵، ۲/۱۲۱ بیروت)

یعنی، ہاں مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں، انہیں اختیار ہوتا ہے۔ جہاں چاہتی ہیں، جاتی ہیں۔

ابن المبارک کتاب الزّہد اور ابوبکر ابی الدنیا و ابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

قال انّ ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاء ت و نفس الکافر فی سجّین

(کتاب الزہد لابن مبارک، باب ما جاء فی التوکل ، حدیث ۴۲۹، ص۱۴۴)

یعنی بے شک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں، جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافروں کی روحیں سجّین میں مقید ہیں۔

ابن ابی الدنیا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے راوی:

قال بلغنی انّ ارواح المومنین مرسلة تذهب حیث شاء ت

(شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا، باب مقر الارواح ص ۹۸)

یعنی مجھے حدیث پہنچی ہے، کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں، جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور (ص ۱۰۵) میں فرماتے ہیں:

راجح ابن البرانّ ارواح الشهداء فی الجنة و ارواح

غیرھم علی افنیۃ القبور فتسرح حیث شآء ت

امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں، اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہتی ہیں آتی جاتی ہیں۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

انّ الروح اذا انخلعت من ھذا لھیکل و انفکّت من القیود بالموت تجول الٰی حیث شآء ت

(تیسیر شرح جامع صغیر، تحتِ حدیث ان روح المومنین الخ ج ا ص ۳۳۰، الریاض)

بے شک جس وقت روح قالب (بدن) سے جدا ہوتی ہے اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہو جاتی ہے تو پھر جہاں چاہتی ہے، جو لاں (گردش) کرتی ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب بھی ''تذکرۃ الموتی'' میں لکھتے ہیں:

''ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسراہم) از زمین و آسماں و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند۔ (تذکرۃ الموتی والقبور، اُردو ترجمہ مصباح النور، نوری کتب خانہص ۷۵، ۷۶)

یعنی، اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کی روحیں، زمین آسمانوں اور بہشت سے جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں، یعنی آزاد پھرتی ہیں۔

خزانۃ الرّوایات میں ہے:

عن بعض العلماءِ المحققین ان الارواح یتخلّص لیلۃ الجمعۃ و تنتشر فجاء وا الٰی مقابرھم ثمّ جاء و افی بیوتھم

یعنی بعض علمائے محققین سے روایت ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی ہیں اور پھیلتی (پھرتی) ہیں۔ پہلے وہ اپنی قبروں پر آتی ہیں، پھر اپنے گھروں میں آتی ہیں۔

دستور القضاۃ مستند صاحب مائۃ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے:

اِنّ ارواح المومنین یأتون فی کل لیلۃ الجمعۃ و یوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کلّ و احد منھم بصوتٍ حزین یا اھلی و یا اولا دی و یا اقربأ ئی اعطفوا علینا بالصدقۃ و اذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی الخ

یعنی، بے شک مومنوں کی روحیں ہر شب جمعہ اور جمعہ کے دن، اپنے گھروں میں آتی ہیں اور دروازے کے پاس کھڑی ہوکر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ "اے میرے گھر والو! اے میرے بچو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقے سے مہر کرو۔ ہمیں یاد کرو اور ہمیں بھول نہ جاؤ۔ ہماری غربت میں ہم پر ترس کھاؤ اور رحم کرو۔

نیز خزانۃ الرّوایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشورآء اولیلۃ النصف من الشعبان تأتی ارواح الاموات و یقومون علٰی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احدٍ یذ کرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احدیذکر غربتنا الحدیث.

یعنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، جب عید، یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برأت ہوتی ہے، اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں

کے دروازوں پر کھڑی ہوتی ہیں اور کہتی ہیں "ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے! الحدیث

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الرّوضہ امام زندویسی سے منقول۔

یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے احکام حلال وحرام کا۔ ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس (کافی) ہوتی ہیں، نہ کہ اس قدر کثیر و وافر۔

امام جلال الملۃ والدّین سیوطی مناہل الصفانی تخریج احادیث الشفاء زیر رثاء امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لم اجده فی شیئ من کتب الاثر لکنّ صاحب اقتباس الانوار و ابن الحاجّ فی مدخله ذکراه فی ضمن حدیث طویلٍ و کفٰی بذٰلک سندً المثلہٖ فانه لیس مّما یتعلّق بالاحکام

یعنی، میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی کتاب "مدخل" میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کے لئے اتنی ہی سند کافی ہے، کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔

باقی رہا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا یہ قول کہ ارواح کا اپنے گھروں میں آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے، اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے۔ قطعیات کا اعتبار ہے، نہ ظنیاتِ صحاح کا۔ یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی بھی صحیح وصریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں تو وہ حدیثیں بھی ان کے نزدیک مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے، اور تسلیم بھی کر لئے تو فقط عمل ہے، نہ فضل عمل۔ براہین قاطعہ لِما امر اللّٰہ به ان

یوصل میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ پھیلا ہوا ہے۔

اقول۔ اگرچہ ہر جملہ خبر یہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو، اگرچہ اسے نفیاً یا اثباتاً کسی طرح عقائد میں دخل نہ ہونا نافی یا مثبت کسی پر اس نفی و اثبات کے سبب حکم ضلالت و گمراہی متحمل نہ ہو، سب باب عقائد میں داخل ٹھیرے جس میں احادیث بخاری و مسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نا مقبولِ ٹھیریں، تو اوّلاً سیر ومغازی و مناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد[1] و دریا برد ہو جائیں حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح در کنار، ضعاف بھی مقبول۔ سیرت انسان العیون میں ہے:

لا یخفٰی انّ السّیر تجمع الصحیح و السّقیم و الضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والعضّل دون الموضوع و قد قال الامام احمد وغیرہ من الائمّة اذا روینا فی الحلال والحرام شدّدنا و اذا روینا فی الفضائل و نحوھا تساھلنا

(انسان العیون، خطبۃ الکتاب مصطفے البابی مصر، ۱/۴،۳)

یہ بات مخفی نہ رہے کہ سیرت کی کتابیں، صحیح، سقیم بلاغ، مرسل، منقطع، معضل پر مشتمل ہوتی ہیں۔ ان میں موضوعات نہیں ہوتی ہیں۔ امام احمد وغیرہ آئمہ نے فرمایا کہ جب ہم حلال وحرام کی روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور فضائل وغیرہ میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ملاحظہ ہو۔ یہیں دیکھئے رثائے مذکور امیر المومنین کیا فضائل

---

[1] گائے نے کھائے اور دریا میں غرق ہوئے۔ م

اعمال سے تھا۔ وہ بھی باب علم سے ہے جس میں خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔ ثانیاً علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے، نہ عمل۔ وفضلِ عمل تو غیر قطعیات سب باطل و مہمل۔ ثالثاً دو تہائی سے زائد بخاری و مسلم کی حدیثیں محض باطل و مردو د قرار پائیں۔ رابعاً عقائدِ اعمال میں تفرقہ جس پر اجماع آئمہ ہے، ضائع جائے، کہ احکام حلال وحرام میں کیا اعتقاد حلّت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے، تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لئے بخاری و مسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلال وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں، اس سے کیوں بچیں۔ خامساً بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی خود مقبول مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے۔ اس پر یہ ثواب، یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔ سادساً اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی، کہ حدیث صحیح مرفوع متصل المسند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری و مسلم بھی مردود کر دیں۔ جب تک قطعیات نہ ہوں، کچھ نہ سنیں گے۔
ع قدمِ عشق پیشتر بہتر۔ سابعاً ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے۔ اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ ان بہ یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا، تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دال ہیں، مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو ایک محض بے اصل و بے سند حکایت سے سند لائے کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ "مجھ کو دیوار کے پیچھے کا

بھی علم نہیں۔" حالانکہ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ہرگز روایت نہ کیا بلکہ اعتراضاً ذکر کر کے صاف فرمادیا تھا کہ:

این سخن اصلے نہ دارد وروایت بداں صحیح نشدہ است

یہ بات بے اصل ہے اور اس کی روایت پایۂ صحت تک نہیں پہنچی ہے۔م

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے فضائل ماننے کو تو جب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذ اللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لئے بے اصل و بے سند، بے سروپا حکایت مقبول ومحمود۔ اور پھر دعوائے ایمان و امانت و دین و دیانت بدستور موجود۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ○ کذٰلک یطبع اللہ علیٰ کلّ قلبِ متکبّر جبّارٍ

بالجملۃ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے ہے، نہ باب احکام حلال و حرام سے۔ اسے جتنا ماننا چاہیے اس کے لئے اتنی سندیں کافی و وافی۔ منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم و یقین نہیں تو ٹھیک ہے۔ اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پا سکتے۔ اور اگر دعوائے نفی کرے، یعنی کہے، مجھے معلوم و ثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں، تو پھر وہ جھوٹا اور کذّاب ہے۔ بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی، تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم اور بے دلیل عدم ادّعائے عدم محض تحکم وستم۔ آنے کے بارے میں تو اتنی کتب اور علماء کی عبارات ہیں، مگر نفی و انکار کے لئے کون سی روایت ہے۔ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل و غلط ہے تو ادعائے بے دلیل محض باطل و ذلیل۔ یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر روایات موجود، صرف بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف سے نہ روایت کا نام و نشان اور

ادعائے نفی کا بلند نشان۔ روحوں کا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً و اثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا اور دعوائے نفی کے لئے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود۔

وَصَلّی اللّٰہ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَاٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اٰمین o و اللّٰہُ تعالٰی اعلم و علمہ جلّ مجدہ و اتمّ و اَحکم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی عفی عنہ

بمحمد ن المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَرَکَاتُ الْاِمْدَادِ لِاَھْلِ الْاِسْتِمْدَادِ

خدا کے بندگانِ خاص سے مدد طلب کرنا

تصنیفِ لطیف

امامِ اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں
فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تقدیم

انبیائے کرام و اولیائے عظام اللہ سے تقرب خاص رکھنے کی وجہ سے ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہ مدد روحانی بھی ہوسکتی ہے اور جسمانی بھی، زندگی میں بھی اور بعد از وفات بھی۔ بزرگانِ دین کا اپنے متوسلین کو مدد دینا بحکم الٰہی ہوتا ہے، وہ اللہ کی اذن کے بغیر کچھ نہیں کرتے ہیں۔ ان کا نہ تو اللہ پر زور چلتا ہے اور نہ زبردستی، بلکہ اللہ کا ان پر سراسر فضل اور عین عنایت ہے کہ ان کے طفیل دوسروں کی مرادیں برآتی ہیں۔ بزرگانِ دین سے مدد طلب کرنا درحقیقت اللہ ہی سے مدد طلب کرنا ہے کیونکہ وہ "من دُون اللہ" نہیں ہیں بلکہ ولی اللہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے کو پوری شرح کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ م

برکاتُ الامداد لاھل الاستمداد

۱۱......ھ......۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

مسئلہ از سہسوان محلّہ شہباز پورہ مرسلہ احمد نبی خان

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیت وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے معنی ایک شخص یوں بیان کرتا ہے کہ استعانت غیرحق سے شرک ہے۔

دیکھ حصر نستعین اے پاک دیں استعانت غیر سے لائق نہیں
ذات حق بیشک ہے نعم المستعان حیف ہے گر غیرحق کا ہو دھیان

اور علماء صوفیائے کرام کا عقیدہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی یہی ایمان تھا کہ۔

ندارِیم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

اور حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی دعا میں عرض کرتے تھے۔

بزرگا بزرگی دہا بے کسم
توئی یاوری بخش و یاری رسم

اے بزرگ! بزرگی عطا فرما کہ میں بے کس ہو، تو ہی حمایت کرنے والا ہے اور میری مدد کو پہنچنے والا ہے۔

اور حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قصہ دلچسپ و عبرت انگیز بیان کرتا ہے جو تحفۃ العاشقین میں لکھا ہے، کہ ایک روز آپ نماز

پڑھتے تھے، جب نستعین پر پہنچے، بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش آیا تو فرمایا۔ جب رب العالمین اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ فرمائے اور میں غیر حق سے مدد مانگوں ، مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا۔ دوسری آیت شریف جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کی کہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ (الانعام ص ۷۹) ہے بیان کرتا ہے اور بہت سی آیاتِ شریفہ اور احادیث پاک اور قول علماء وصوفیاء بتاتا ہے۔ لہٰذا متدعی خدمت عالی ہوں کہ تردید اس کی مرحمت ہو کہ اس شخص سے بیان کروں۔ جواب قرآن کا قرآن سے حدیث کا حدیث سے، اقوال کا اقوال سے ارشاد فرمایئے گا اور معنی لفظی ہوں۔ بیّنوا توجروا.

(راقم: نیاز مند، احمد نبی خاں از سہسوان)

الجواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ بِہٖ نَسْتَعِیْنُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی اَعْظَمِ غَوْثٍ وَ اَکْرَمِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ○

الحمد للہ، آیاتِ کریمہ تو مسلمان کی ایمان ہیں۔ اور حضرت مولانا سعدی ومولانا نظامی قدس سرّہما السامی کے جو اشعار نقل کئے وہ بھی حق ہیں مگر یہ شخص حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے، جو ہرگز نہ ہوگا۔

آیۂ کریمہ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ (الانعام: ۷۹) کو تو اس مقام سے کوئی علاقہ ہی نہیں، اس میں توجہ بہ قصد عبادت کا ذکر ہے کہ میں اپنی عبادت سے اسی کا قصد کرتا ہوں جس نے پیدا کئے آسمان وزمین، نہ یہ کہ

مطلق توجہ کا جس میں انبیاء اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استعانت بھی داخل ہو سکے۔ جلالین شریف میں آیتِ کریمہ کی تفسیر فرمائی۔

قالوا له ما تعبد قال انّي وجّهت وجهي قصدت بعبادتي

(تفسیر جلالین تحت آیۃ ۶/۷۹)

یعنی کافروں نے سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا۔ تم کسے پوجتے ہو؟

فرمایا، میں اپنی عبادت سے اس کا قصد کرتا ہوں جس نے بنائے آسمان و زمین۔

آیت میں اگر مطلق توجہ مراد ہو تو کسی کی طرف منہ کر کے باتیں کرنا شرک ہو۔ کہ قبلہ بھی غیر خدا ہے۔ خدا نہیں اور رب العزّت جل و علا کا ارشاد:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَه‘

(پ۲ البقرہ آیت ۱۴۴)

جہاں کہیں ہو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو۔

معاذ اللہ شرک کا حکم دینا ٹھیرے۔ مگر وہابیہ کو عقل کم ہے۔ کریمہ و اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ و مناجات سعدی و نظامی میں استعانت و فریاد رسی و یاوری و یاری کا حضرت عزّت جل و علاء میں حصر ہے، نہ مطلق کا اور بلاشبہ حقیقت ان امور بلکہ ہر کمال بلکہ وجود و ہستی کی خاص بجناب احدیت عزوجل ہے۔

استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات و مالک مستقل و غنی و بے نیاز جانے، کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا

ہے۔ اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔ نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے بلکہ واسطۂ وصولِ فیض و ذریعہ و وسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق ہے۔ خودرب العزت تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا:

وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ (پ ٦ المائدہ آیت ۳۵)

اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو

یہ ایں معنی استعانت بالغیر ہرگز اس حصرِ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کے منافی نہیں جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کئے موجود ہونا خاص بجناب الٰہی تعالیٰ و تقدس ہے، پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک ہوگیا جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد لے۔ حقائق الاشیاء ثابتة پہلا عقیدہ اہل سلام کا ہے یوں ہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور تعلیم حقیقی کہ بذاتِ خود بے حاجت بدیگرے القائے علم کرے، اللہ جل جلالہ، سے خاص ہیں، پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے طلب کرنا شرک نہیں ہو سکتا، جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں۔ خود رب العزت تبارک و تعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم و علماء فرماتا ہے اور حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت ارشاد فرماتا ہے یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ یہ نبی انھیں کتاب وحکمت کا علم عطا کرتا ہے۔

یہی حال استعانت وفریاد رسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا ور بمعنی وسیلہ وتوسّل وتوسّط غیر کے ثابت اور قطعاً روا بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لئے خاص ہیں۔ اللہ عزّ وجل وسیلہ وواسطہ بننے سے پاک ہے۔ اس سے

اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا، اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے کہ یہ درمیان واسطہ بنے گا ولہٰذا حدیث شریف میں ہے جب اعرابی نے حضور پرنور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر سخت گراں گزرا اور دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے، پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

ویحک ! انہ لا یستشفع باللّٰہ علٰی احد شان اللّٰہ اعظم من ذٰلک.

ارے نادان! اللہ تعالیٰ کے پاس کسی کو نہیں لاتے ہیں۔ اور تبارک تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے: رواہ ابو داود عن جبیر بن مطعم رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔ (کتاب السنۃ، باب فی الجہمیۃ)

اہل اسلام انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عزّ وجل سے کیجئے تو اللہ اور اللہ کا رسول غضب فرمائیں اور اسے اللہ جلّ و علا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس استعانت کے معنی اعتقاد کر کے جناب الٰہی جلّ و علا سے کرے تو کافر ہو جائے مگر ان حمقاء کی بدعقلی کو کیا کہیئے، نہ اللہ تعالیٰ کا ادب نہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خوف، نہ ایمان کا پاس۔ خواہی نخواہی اس استعانت کو بھی اِیَّاکَ نَستَعِینُ میں داخل کر کے جو اللہ تعالیٰ کے حق میں محال قطعی ہے اسے اللہ تعالیٰ سے خاص کئے دیتے ہیں۔ ایک بے وقوف شخص نے کہا تھا۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے کہا۔

توسّل کر نہیں سکتے خدا سے
اُسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا سے توسّل کر کے اسے کسی کے یہاں وسیلہ و ذریعہ بنایئے۔ اسی وسیلہ بننے کو ہم اولیاء کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطۂ قضائے حاجات ہو جائیں۔ اس بیوقوفی کے سوال کا جواب اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ واسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔ (پ ۵ النساء آیت ۶۴)

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کر کے تیرے پاس حاضر ہوں، پس اللہ سے معافی چاہیں، اور معافی مانگے ان کے لئے رسول۔ تو بے شک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

کیا اللہ تعالیٰ اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی، تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت و نعمت پائیں گے، یہی ہمارا مطلب ہے جو قرآن کریم کی آیت صاف فرما رہی ہے، مگر یہ لوگ تو عقل نہیں رکھتے۔

خدارا انصاف، اگر کریمہ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں مطلق استعانت کا ذات الٰہی جل و علا میں حصر مقصود ہو، تو کیا صرف انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ

والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی، کیا یہی غیر خدا ہیں، اور سب اشخاص و اشیاء ان لوگوں کے نزدیک خدا ہیں۔ یا آیت میں خاص انھیں کا نام لے دیا ہے کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے۔ نہیں نہیں، جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھیری تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی کہ انسان ہوں یا جمادات، احیا ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات افعال ہوں، یا حالات، غیر خدا ہونے میں۔ اب کیا جواب ہے آیۂ کریمہ کا کہ ربّ جلّ و علا فرماتا ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ (پ۲ البقرہ آیت ۱۵۳)

استعانت کرو صبر و نماز سے۔

کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے، کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (پ۶ المائدہ آیت ۲)

آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری میں

کیوں صاحب اگر غیر خدا سے مدد ملنی مطلقاً محال، تو اس حکمِ الٰہی کا حاصل کیا۔ اور اگر ممکن تو جس سے مدد مل سکتی ہے اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔

حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں، بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے کہ صبح کی عبادت سے استعانت کرو، شام کی عبادت سے استعانت کرو، کچھ رات رہے کی عبادت سے۔ استعانت کرو علم کے لکھنے سے۔ استعانت

کروسحری کے کھانے سے، استعانت کرو دوپہر کے سونے سے، استعانت کرو صدقے سے۔ استعانت کروعورتوں کی خانہ نشینی میں انہیں ننگا رکھنے میں۔ استعانت کرو حاجت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو، کیا یہ سب چیزیں کہ ان سے استعانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنئے:

حدیث (۱): البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلمْ اَسْتَعِیْنُوا بِا لْغَدَاوہ والرَّوْحَۃِ وَ شی ءِ من الدّلجَۃِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم سے روایت کرتے ہیں، صبح، شام، اور صبح کے قریب کی عبادت سے مدد چاہو،م (بخاری)

حدیث ۲: الترمذی عن ابی ھریرۃ........... (کتاب الایمان، باب الدین یسر ج ۱ص ۱۰)

حدیث ۳: والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہم عن النبی صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم استعن بِیمِینک علٰی حفظک (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ اپنی یادداشت کی مدد کرو لکھ کر،م (ترمذی)

حدیث ۴: ابن ماجۃ والحاکم (کتاب الصوم) والطّبرانی فی الکبیر والبیھقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن

النّبی صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وسلم، اِستعینوا بطعام السحر علٰی صیام النّھار و بالقیلولۃ علٰی قیَام اللّیل.

ابن ماجہ، حاکم اور طبرانی نے الکبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ سحری سے دن کے روزے پر مدد حاصل کرو اور قیلولہ سے رات کی عبادت پر۔ م (ابن ماجہ ابواب الصیام، باب ما جاء فی السحور ص ۱۲۳)

حدیث ۵: الدّیلمی فی مسند الفردوس عن عبداللّٰہ عن عمر رضی اللّٰہ عنھما عن النّبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، استعینوا علی الرّزق بالصّدقۃ (کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳)

دیلمی نے مسند فردوس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ رزق پر صدقے سے مدد حاصل کرو۔ م (دیلمی)

حدیث ۶: ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالک رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النّبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم، استعینوا علی النّساءِ بالعرٰی فِانّ اِحدٰیھُنَّ اذا کَثُرَتْ ثیابھا و اَحْسنت زینتھا اعجبھا الخروج. (کنز العمال بحوالہ عدعن النس، ۱۶ / ۳۷۲)

ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عورتوں کو (یعنی کپڑے کم پہنا کر۔ زیادہ کپڑے نہ پہنا کر) رکھ کر، مدد چاہو (ان کے گھر بیٹھنے پر) کیونکہ جب کسی عورت کے پاس کپڑے زائد ہو جاتے ہیں اور وہ آرائش و زیبائش زائد کر لیتی ہے تو گھر سے باہر نکلنا اس کو پسند آتا ہے۔

حدیث ۷ تا ۱۰: الطبرانی ۷ فی الکبیر والعقیلی و ابن عدی و ابو نعیم فی الحلیۃ والبیھقی فی الشعب عن معاذ بن جبل والخطیب ۸ عن ابن عباس والخلعی ۹ فی فوائدہ عن امیر المومنین علی ن المرتضٰی والخرائطی ۱۰ فی اعتلال القلوب عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم عن النّبی صلی اللّٰہ تعالٰی عنھم و سلّم، استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان.

طبرانی نے کبیر میں، عقیلی اور ابن عدی اورابونعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے شعب میں حضرت معاذ بن جبل سے اور خطیب نے ابن عباس اور خلعی نے اپنے فوائد میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور خرائطی نے اعتلال القلوب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ مقاصد میں کامیابی پر چھپانے سے مدد حاصل کرو۔م

مذکورہ بالا دس حدیثیں تو افعال سے استعانت میں ہوئیں، اب بیس حدیثیں اشخاص سے استعانت میں لیجئے تاکہ تیس ۳۰ احادیث کا عدد کامل ہو۔

حدیث ۱۱۔ احمد و ابو داوٗد و ابن ماجہ بسند صحیح، حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لا نَستَعِینُ بُمشرکٍ (سنن ابو داوٗد کتاب الجہاد، ۲/۱۹)

ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے۔

اگر مسلمان سے استعانت بھی ناجائز ہوتی، تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی، ولہٰذا امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے

ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا، ارشاد فرماتے:

اَسلِمْ اَستَعِنْ بِکَ عَلٰی اَمَانَةِ الْمُسلِمِیْن

تو مسلمان ہو جا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔

وہ نہ مانتا، تو فرماتے

''ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔''

حدیث ۱۲۔ امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے:

انا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین

(المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ المشرکین)

ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔

ورواہ الامام احمد ایضاً

حدیث ۱۳۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے کہ چند قبائل عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت کی، حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی انّ النّبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم اتاہُ رعل و ذکران و عصیۃ بنو لحیان فزعموا انّھم قد اسلموا و استمدوہ علٰی قومھم فامدّھم النّبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم. الحدیثِ. (صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب العون بالمدد، ۱/۴۲۱، قدیمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت

کرتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں رِعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان آئے اور اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوم پر مدد چاہی، آپ نے ان کی مدد کی۔ م

حدیث ۱۴۔ صحیح مسلم و ابو داؤد و ابن ماجہ و معجم کبیر طبرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، کہ حضور پرنور سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان (ربیعہ کعب اسلمی) سے فرمایا، مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔ عرض کی، میں حضور سے سوال کرتا ہوں، کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بھلا اور کچھ، عرض کی، بس میری مراد تو یہی ہے۔ حضور نے فرمایا، میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود ہے۔

قال کنت اَبیتُ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم فاتیتہ' بوضوئہٖ و حاجتہ. فقال لی سل و لفظ الطبرانی فقال یوماً یا ربیعۃ ! سلنی. فاعطیک رجعنا الٰی لفظ مسلم . قال فقلت. اسئالک مرافقتک فی الجنۃ. قال او غیر ذٰلک. قلت ھو ذاک قال فاعنّی علٰی نفسک بکثرت السّجود۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب فضل السجود والحث علیہ، ۱/۱۹۳، قدیمی)

انھوں نے کہا کہ میں رات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ میں حضور کے وضو اور قضائے حاجت کے لئے پانی لایا، تو آپ نے فرمایا "مانگو" اور طبرانی میں یوں ہے کہ آپ نے ایک دن، فرمایا، اے ربیعہ تم مجھ سے مانگو میں تم کو دوں گا، مسلم میں ہے۔ پھر میں نے عرض کی،

میں جنت میں آپ کی صحبت طلب کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اور کچھ؟ میں نے عرض کی، بس یہی، آپ نے فرمایا، تو تم میری مدد کرو اپنے اوپر کثرت سجود سے۔ م۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعنّی فرمایا، کہ میری اعانت کر، اسی کو استعانت کہتے ہیں۔ یہ درکنار، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطلق طور پر سَلْ ،فرمانا، کہ مانگ کیا مانگتا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے، کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا و آخرت کی سب مرادیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں۔ جبھی تو بلا تقید و تخصیص فرمایا کہ مانگ۔ کیا مانگتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرّہ القوی شرحِ مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث شریف کے نیچے(ج اص ۳۴۶، کتاب الصلوۃ) فرماتے ہیں:

از اطلاق سوال، کہ فرمود، سل، بخواہ وتخصص نہ کرد بہ مطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمّت و کرامت اوست، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، ہرچہ خواہد، و ہر کرا خواہد، باذن پروردگار خود دہد۔

فانّ من جودک الدّنیا و ضرتھا
و من علومک علم اللّوح والقلم

سوال مطلق ہے، سَلْ، مانگ، کسی مطلوب کی تخصیص نہیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ سب کام حضور ہی کی ہمت و کرامت میں ہے، جو کچھ آپ

چاہیں، جس کو چاہیں، بہ اذن الٰہی عطا فرمادیں۔ م

ترجمہ شعر: کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی سخاوت سے ہیں
اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں ایک ہے

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

یؤخذ من اطلاقہٖ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ وسلّم الامر بالسّوال انّ اللّٰہ تعالٰی مَکنّہ' من اعطاءِ کُلَّ ما ارادَ من خزائن الحقِ

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا، اس سے مستفاد ہوتا ہے، کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔

پھر لکھا:

وذکر ابن سبع فی خصائصہٖ و غیرہ انّ اللّٰہ تعالٰی اقطعہ' ارض الجنّۃِ یعطی منھا ما شآء لمن یشاءُ

(مرقات المفاتیح، ج ۲ ص ۶۱۵، مطبوعہ کوئٹہ)

یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاگیر کردی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی، جو ہر منظم، میں فرماتے

ہیں۔

انّہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم خلیفۃ اللّٰہ الّذی جعل خزائن کرمہٖ و موائد نعمہٖ طوع یدیہ و تحتَ اِرادتہٖ یعطی منھا مَن یشآءُ و یمنع من یشآءُ (الفصل السادس، ص ۴۲، مصر)

بے شک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور پر نور کے زیر حکم وارادہ و اختیار کر دیئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔

اس مضمون کی تصریحیں کلمات آئمہ و علماء و اولیاء و عرفاء میں حدِ تواتر پر ہیں، جو ان کے انوار سے دیدۂ ایمان منور کرنا چاہیں فقیر کا رسالہ سلطنت المصطفی فی ملکوت کلّ الواری (۱۲۹۷ھ) مطالعہ کریں۔

حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود حضور اقدس سے جنّت مانگی کہ:

اَسْئَالُکَ مُرَا فَقَتکَ فِی الْجَنَّۃِ

یا رسول اللہ، میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنّت میں رفاقت والا سے مشرف ہو جاؤں۔"

ابھی فقیر غفراللہ تعالیٰ نے بجواب سوال دہلی ایک نفیس رسالہ اکمال الطّامۃ علٰی شرک سوّی بالا امور العامۃ تالیف کیا اور بتوفیقہ تعالیٰ اس میں تین سو ساٹھ آیتوں، حدیثوں سے ثبوت دیا کہ بقول مخالفین حضرات انبیاء و ملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و

آلہ وسلم تک اور خود ربّ العزت جل جلالہ تک معاذ اللہ کوئی شرک سے محفوظ نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلّی العظیم۔

اشراک بمذ ہبے کہ تاحق برسد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

حدیث ۱۵ تا ۲۸۔ چودہ ۱۴ حدیثوں میں ہے، کہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اُطْلُبُوا الخَیرَ عِندَ حِسَانِ الْوُجُوہِ

(التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸، ۱/۱۵۷ مصر)

خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس

وفی لفظ، اطلبوا لخیر و الحوائج من حسان الوجوہ

(المعجم الکبیر، عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰، بیروت)

نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

وفی لفظ، اطلبو الحَاجَاتَ عند حسان الوجوہ

(اتحاف السادۃ، کتاب الصبر والشکر، ۹/۹۱، بیروت)

حاجتیں خوش جمالوں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ، اِذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہِ

جب نیکی چاہو تو خوبرویوں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ، اذا طلبتم الحاجات فاطلبوھا عندہ حسان الوجوہ

جب حاجتیں طلب کرو، تو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ بزیادۃٍ فان قضی حاجتک قضاھا بوجه طلق و ان ردّک ردّک بوجه طلق.

کہ خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشادہ روئی اور اگر تجھے پھیرے گا تو بہ کشادہ پیشانی۔

اخرجه الامام البخاری فی التاریخ و ابوبکر بن ابی الدّنیا فی قضاء الحوائج و ابو یعلی فی مسنده والطبرانی فی الکبیر و العقیلی و ابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان و ابن عساکر [۱۵] عن امّ المومنین الصدیقه و عبد بن حمید فی مسنده و ابن حبان فی الضعفاء و ابن عدی فی الکامل والسلفی فی الطوریات [۱۶] عن عبداللّٰه بن عمر الفاروق و ابن عساکر و کذا الخطیب فی تاریخهما [۱۷] عن انس بن مالک بلفظ التمسوا والطّبرانی فی الاوسط و العقیلی والخرائطی فی اعتلال القلوب و تمام فی فوائده و ابو سهل عبد الصمد بن عبدالرحمٰن لبزار فی جزئه و صاحب المهروانیات [۱۸] عن جابر بن عبداللّٰه والدّارقطنی فی الافراد بلفظ ابتغوا والعقیلی و ابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج والطّبرانی فی الاوسط و تمام و الخطیب فی رواة مالک [۱۹] عن ابی هریرة و ابن النجارفی تاریخه [۲۰] عن امیر المومنین علی المرتضٰی والطبرانی فی الکبیر [۲۱] عن یزید بن خصیفه عن ابیه عن جلدة ابی خصیفة بلفظ التمسوا و تمام فی الفوائد [۲۲] عن ابی

بکرۃ والخطیب و تمام لفظہ التمسوا والبھیقی فی الشعب والطبرانی فی الکبیر ۲۳ عن عبداللہ بن عباس ھذا الاخیر منھم خاصّۃ عن ابن عبّاس باللّفظ الثانی و ابن عدی عن اُمّ المومنین باللفظ الثالث و اخرجہ ابن عدی فی الکامل و البیھقی فی الشعب ۲۴ عن عبداللہ بن خراد باللفظ الرّابع و احمد بن منیع فی مسندہ عن الحجاج بن یزید عن ۲۵ ابیہ یزید القسمٰی باللّفظ الخامس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم اجمعین ھٰذہ کلھا مسندات و ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفۃ ۲۶ عن ابن مصعب الانصاری و عن ۲۷ عطاء و عن ۲۸ الزھری مرسلات

اسے امام بخاری نے تاریخ میں، ابوبکر بن ابی الدنیا نے قضاء حوائج میں، ابو یعلی نے مسند میں، طبرانی نے کبیر میں، عقیلی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن عساکر نے ام المومنین صدیقہ سے اور عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابن احبان نے ضعفاء میں اور ابن عدی نے کامل میں، اور سلفی نے طوریات میں عبداللہ بن عمر فاروق سے اور ابن عساکر و خطیب نے اپنی تاریخوں میں انس بن مالک سے بلفظ "التمسوا" اور طبرانی نے اوسط میں، عقیلی اور خرائطی نے اعتلال القلوب میں، اور تمام نے اپنے فوائد میں، اور ابوسہل عبدالصمد بن عبدالرحمٰن بزار نے اپنے جزء میں اور صاحب مہروانیات نے جابر بن عبداللہ سے اور دارقطنی نے افراز میں بلفظ "ابتغوا" اور عقیلی اور ابن ابی الدّنیا نے قضاء حوائج میں اور طبرانی نے اوسط میں، تمام اور خطیب نے مالک کے راویوں میں ابوہریرہ سے اور ابن نجار

نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین علیؓ سے اور طبرانی نے کبیر میں یزید بن خصیفہ عن ابیہ عن جدہ ابی خصیفہ، بلفظ "التمسوا" اور تمام نے فوائد میں ابوبکرۃ سے اور خطیب و تمام نے بلفظ "التمسوا" اور بیہقی نے شعب میں اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن عبّاس سے، ان میں سے اخیر نے خاص طور پر ابن عبّاس سے دوسرے لفظ سے روایت کی، اور ابن عدی نے ام المومنین سے تیسرے لفظ سے اور اسے ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں عبداللہ بن خراد سے چوتھے لفظ سے اور احمد بن منیع نے اپنی مسند میں حجاج بن زید سے اپنے باپ یزید قاسمی سے پانچویں لفظ سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ سب مُسند حدیثیں ہیں، اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن مصعب انصاری سے اور عطاء سے اور زہری سے، یہ مرسل ہیں۔ م

امام محقق جلال الملۃ والدّین، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الحدیث فی نقدی حسن صحیح

(کشف الخفاء، تحت حدیث ۵۲۷، ۱/۱۶۰ بیروت)

یہ حدیث میری پرکھ میں حسن صحیح ہے۔

قلت و قولہ ھذا لاشک حسن صحیح فقد بلغ حدّالتواتر علی رأی.

. حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسّان بن ثابت انصاری

قارئین نے ان حوالہ جات سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی علمی بصیرت اور محدّثانہ تبحـــر کا ضرور اندازہ کیا ہوگا، کیا آپ نے کسی کتاب میں اتنے مفصّل حوالہ جات ملاحظہ کئے ہیں؟ مرتّب

رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:۔

قد سمعنا نبیّنا قال قولا
هو لمن يطلب الحوائج راحة
اعتدوا واطلبوا الحوائج
ممن زين اللّٰه وجهه بصباحة

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں کیلئے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ صبح کرو، اور حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالیٰ نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔" (رواہ العسکری)

حدیث ۲۹: کہ حضور پرنور صلوٰت اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امّتي تعيشوا في اكنافهم فَاِنَّ فيهم رحمتي (کنز العمال ج ٦ ص ٥١٩، بیروت)

فضل میرے رحم دل امتیوں کے پاس طلب کرو، ان کے سائے میں چین کرو گے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفي لفظ، اُطلبوا الحوائج الى ذوي الرّحمة من امّتي ترزقوا و تنجحوا۔ (کنز العمالج ٦ ص ٥١٨)

اپنی حاجتیں میرے رحم دل امتیوں سے مانگو، رزق پاؤ گے، مرادیں پاؤ گے۔

وفي لفظ قال صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، يقول اللّٰه

عزّوجل اطلبوا الفضل من الرّحماءِ من عبادی تعیشوا فی اکنافهم فَاِنّی جَعَلْتُ فِیهِمْ رَحْمَتِیْ (الضعفاء الکبیر، حدیث ۹۵۷، بیروت)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فضل میرے رحم دل بندوں سے مانگو، ان کے دامن میں عیش کرو گے کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔

رواه باللفظ الاوّل ابن حبان والخرائطی فی مکارم الاخلاق والقضائی فی مسند الشهاب والحاکم فی التاریخ و ابو ابوالحسن الموصلی و بالثّانی العقیلی والطبرانی فی الاوسط و بالثالث العقیلی کلّهم عن ابی سعید ن الخدری رضی اللّٰه عنه.

اسے پہلے لفظ سے ابن حبان اور خرائطی نے مکارم اخلاق میں اور قضائی نے مسند شہاب میں اور حاکم نے تاریخ میں اور ابوالحسن موصلی نے اور دوسرے لفظ سے عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں اور تیسرے لفظ سے عقیلی نے، سب نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ م

حدیث ۳۰: کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اطلبو المعروف من رحماءِ امّتی تعیشوا فی اکنافهم

میرے نرم دل امتیوں سے نیکی و احسان مانگو۔ ان کے ظلِّ عنایت میں آرام کرو گے۔ اخرجه الحاکم فی المستدرک عن علی المرتضٰی کرّم اللّٰه وجهه الاسنیٰ (کتاب الرقاق، ۴/۳۲۱، بیروت)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں، ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں یہ سولہ بلکہ سترہ حدیثیں کیسا صاف صاف واشگاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے، ان سے حاجتیں

مانگنے، ان سے خیر و احسان طلب کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمہاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کریں گے، ان سے رزق مانگو، تو رزق پاؤ گے، مرادیں پاؤ گے، ان کے دامنِ حمایت میں چین کرو گے، ان کے سایۂ عنایت میں عیش اُٹھاؤ گے۔ یا رب۔ مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے؟ اس سے بڑھ کر اور کیا صورتِ استعانت ہوگی؟ پھر حضراتِ اولیاء سے زیادہ کون سا امّتی نیک ورحم دل ہوگا کہ ان سے استعانت حسن ٹھہر کر اس سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائے گا۔

الحمد للہ! حق کا آفتاب بے پردہ و حجاب روشن ہوا۔ جس کی طرف مہربان خدا تعالیٰ کا مہربان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے امتیوں کو بلا رہا ہے۔ ع

گر بر تو حرام است حرامت بادا

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ تیس ۳۰ حدیث کا وعدہ بحمد اللہ پورا ہوا، آخر میں تین حدیثیں اور سُنئے جائیں کہ عدد وتر اللہ عزّ وجل کو محبوب ہے۔

حدیث ۳۱۔ کہ فرماتے ہیں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اذ ضلّ احدکم شیئاً اوار ادعوناً و ھو بارضٍ لیس بھا انیسٌ فلیقل یا عباد اللّٰہ! اعینونی. یا عباد اللّٰہ اعینونی. یا عباد اللّٰہ اعینونی. فان للّٰہ عباداً لا یرھم

(المعجم الکبیر عن عتبہ بن غزوان، حدیث ۲۹۰، بیروت)

جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو، جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہیئے یوں پکارے اے، اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں، جنہیں یہ نہیں دیکھتا، وہ اس کی مدد کریں گے۔ والحمد للہ۔ رواہ الطبرانی عن

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حدیث ۳۲۔ کہ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے تو یوں ندا کرے:

فَلْيُنادِيَا عباد اللّٰه! احبسو (عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۷۰)

ارے اللہ کے بندو، روک دو، عباداللہ اسے روک دیں گے۔

رواہ ابن السنی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حدیث ۳۳: کہ فرماتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یوں ندا کرے:

اَعینوا یا عباد اللّٰه!

مدد کرو! اے اللہ کے بندو!

رواہ ابن ابی شیبۃ (ج ۱۰ ص ۳۹۰ کتاب الدعاء) والبزار عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما.

یہ حدیثیں کہ تین صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت فرمائیں، قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقبول و مجرب ہیں، اس مطلب جلیل کی قدرے تفصیل اور ان حدیثوں کی شوکت قاہرہ ملاحظہ کرنا ہو تو فقیر کا رسالہ انہار الانوار من یم الصّلوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) ملاحظہ ہو اور اس سے زائد حدیث اجلّ و اعظم یا محمد! انّی توجّھتُ بک الٰی ربّی الخ کے حضور ہے کہ، وہ حدیث صحیح و جلیل و مشہور منجملہ اعظم و اکبر احادیث استعانت ہے جس سے ہمیشہ آئمہ دین مسئلہ استعانت میں استدلال فرماتے رہے اس کی تفصیل بھی فقیر کے مذکورہ بالا اسی رسالے میں مسطور ہے کہ یہاں بہ خوف تطویل ذکر نہ کی۔

اقوالِ علماء

صدہا قول علمائے اہل سنّت و آئمہ ملّت کے نہ صرف ایک بار بلکہ بارہا نہ صرف ایک آدھ رسالے بلکہ تصانیف کثیرہ اہل سنّت میں ان حضرات مخالفین کے سامنے پیش ہو چکے، دیکھ چکے، سن چکے، جانچ چکے، جن کے جواب سے آج تک عاجز ہیں اور بحولہٖ تعالیٰ قیامت تک عاجز رہیں گے۔

۱۔ شفاء السقام امام علّامہ مجتہد فہامہ سیّدی تقی الملۃ والدّین علی بن عبدالکافی ۲۔ کتاب الاذکار امام اجل اکمل سیّدی ابوزکریا نووی۔ ۳۔ احیاء العلوم وغیرہ ہا، تصانیف عظیمہ امام الانام حجۃ الاسلام قطب الوجود محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالی ۴۔ روض الرّیاحین ۵۔ خلاصۃ المفاخر ۶۔ نشر المحاسن وغیرہا تصانیف جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہہ محقق عبداللہ بن اسعد یافعی رحمۃ اللہ علیہ ۷۔ حصن حصین امام شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ ۸۔ مدخل امام ابن الحاج محمد عبدری مکّی رحمۃ اللہ علیہ ۹۔ مواہب لدنیہ و منح محمدیہ امام احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۔ افضل القریٰ لقراء ام القری ۱۱۔ جوہر منظم ۱۲۔ عقود الجمان وغیرہ تصانیف ام عارف باللہ سیّد ابن حجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۔ میزان امام اجل عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ ۱۴۔ حرز ثمین ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۔ مجمع بحارالانوار علامہ طاہر فتنی رحمۃ اللہ تعلیہ ۱۶۔ لمعات التنقیح، ۱۷۔ اشعۃ اللعمات ۱۸۔ جذب القلوب۔ ۱۹۔ مجمع البرکات ۲۰۔ مدارج النبوۃ وغیرہا تالیف شیخ الشیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۲۱۔ فتاوی خیریہ علاّمہ خیر الملّت والدّین رملی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲۔ مراقی الفلاح علامہ حسن وفائی شرنبلائی رحمۃ اللہ علیہ ۲۳۔ مطالع المسرات

علامہ فاسی رحمۃ اللہ علیہ ۲۴۔ شرح مواہب علّامہ محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ۲۵۔ نسیم الرّیاض علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہا تصنیف کثیرہ علمائے کرام وسادات اسلام جن کی تحقیق وتنقیح واثبات وتصریح استمداد و اعانت سے زمین و آسمان گونج رہے ہیں، اگر مطالعہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تو کیا تصحیح المسائل وسیف الجبار و بوارق محمدیہ وغیرہا تصانیف نفیسہ عماد السنۃ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی نہ دیکھیں، یہ تو عام فہم زبان اردو و فارسی میں خاص تمہارے ہی مذہب کے ردّ میں تصنیف ہوئیں، اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین وتنبیہ صدور مارقین ہوا کیں، علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواحِ قدس، جس میں خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ ہیں۔

تصانیف فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ سے کتاب (۵) حیات المواتؕ فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ) (۶) رسالہ انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵) (۷) رسالہ انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ (۱۳۴۴ھ) رسالہ (۸) الاھلال لفیض الاولیاء بعدالوصال (۱۳۰۳ھ) و کتاب (۹) الامن و العلی لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا (۱۳۱۱ھ) خصوصاً کتاب مستطاب (۱۰) سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (۱۲۹۷ھ) وغیرہ میں جا بجا بہ کثرت ارشادات و اقوال آئمہ و علماء و اولیائے کرام مذکور۔ یہاں ان کے ذکر سے اطالت کی حاجت نہیں اور خود اسی تحریر میں جو اقوال حضرت شیخ محقق و مولانا علی قاری و امام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالیٰ زیر حدیث ۱۴ مذکور ہوئے دربارۂ استعانت صوفیائے کرام کے اقوال، افعال، احوال اعمال سے دفتر بھرے ہیں، دریا بہہ رہے ہیں، اس دیدے کی صفائی کا کیا کہنا، ذرا آنکھوں

پر ایمان کی عینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ ہو کہ اس مسئلے میں حضرات اولیائے کرام قدست اسرارہم سے کیا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

آں چہ مروی ومحکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح مکمل و استفادہ ازاں خارج از حصر است۔ و مذکور است در کتب و رسائل ایشاں و مشہور است میان ایشاں حاجت نیست کہ آں را ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اور اکلمات ایشاں عافانا اللّٰہ من ذٰلک (اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء فصل اوّل)

کاملین کی ارواح سے استمداد و استفادہ کے بارے میں مشائخ اہل کشف سے جو کچھ مروی ہے، وہ حصر سے خارج ہے اور جو کچھ ان کے رسائل و کتب میں مذکور ہے اور ان کے درمیان مشہور ہے اس کے ذکر کی حاجت نہیں، پھر شاید کہ متعصب اور منکر کو اس سے فائدہ بھی نہ ہو، اور ہمیں تعصب سے محفوظ رکھے۔ م

اللہ اکبر! ان منکرانِ بے دولت کی بے نصیبی یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء و عرفاء کو کلمات حضراتِ اولیائے کرام سے انھیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی، اور فی الواقعہ ایسا ہی ہے، یوں نہ مانئے تو آزما لیجئے، ان ہزار در ہزار ارشادات بے شمار سے امتحاناً صرف ایک کلام پاک فرزند دلبند صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کروں جو بہ تصریح اعاظم اولیاء سیّد الاولیاء و امام الاصفیاء وقطب الاقطاب وتاج الافراد ومرجع الابدال ومقرع

الافراد اور بہ اعتراف اکابر علماء امام شریعت و سردار امّت و محی دین و ملّت و نظام طریقت و بحر حقیقت و عین ہدایت و دریائے کرامت ہے وہ کون؟ ہاں وہ سیّد الاسیاد، داہب المراد، سیدنا ومولانا و ملاذنا و ماؤنٰا وغوثنا وغیثنا حضرت قطب عالم وغوث اعظم سید ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی صلی اللّٰه تعالٰی علٰی جده الاکرام و علیه و علٰی اله و بارک وسلم اور وہ کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا زبانوں پر مشہور ہو، بلکہ اکابر و اجلّہ آئمّہ کرام و علمائے عظام مثل امام اجل، عارف باللہ، سید القراء، ثقہ، ثبت، حجّت، فقیہ، محدّث راویۃ الحضرت العلیۃ القادریہ سیّدنا امام ابوالحسن نورا لدّین علی بن جریر لخمی شطنوفی، پھر امام اکرم، شیخ الفقہاء، فرد االعرفاء، عالم ربانی، حامل لوائے حکمت یمانی سیّدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکّی، پھر فاضلِ اجل فقیہہ اکمل، محدث اجمل، شیخ الحرام المحترم مولانا علی قاری حنفی ہروی مکّی وبقیۃ السّلف، جلیل الشرف، صاحب کرامات عالی و برکات معالی مولانا محمد ابو المعالی مسلمی معالی، پھر شیخ شیوخ، علماء الہند، محقق، فقیہ، عارف نبیہ مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملّت وعظمائے امّت قدست اللّٰه تعالٰی باسرارهم و افاض علینا من برکاتهم و انوارهم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیلہ معتمدہ متندہ مثل بہجۃ الاسرار شریف و خلاصۃ المفاخر و نزہۃ الخاطر الفاتر و تحفہ قادریہ و اخبار الاخیار و زبدۃ الاثار وغیرہا میں ذکر و روایت فرمایا، کہ حضور پرنور، جگر پارۂ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالی علیہ فعلیہ و بارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربةٍ کشفت عنه و من نادنی باسمی

فی شدَّةٍ فرِّجت عنه. ومن توسّلَ بی الی اللّٰه فی حاجة قضیت حاجته. ومن صلّٰی رکعتین یقرءُ فی کلِّ رکُعَةٍ بعد الفاتحة سورةَ الاخلاص اِحدیٰ عشرة مَرَّةً ثُمَّ یصلّی ویسلّم علٰی رسول اللّٰه صی اللّه تعالی علیه وسلمَ بعد السَّلامِ من التَّشهّدِ احدیٰ عشرة مرَّةً و یذکره' ثم یخطوا الٰی جهة العراق احدیٰ عشرة خطوةً و یذکر اسمی ویذکرُ حاجته' فانَّها تقضٰی باذن اللّٰه تعالٰی

(بہجۃ الاسرار، ذکر فضل اصحابہ وبشراھم ص ۱۰۲، مصر)

جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے وہ مصیبت دور ہو، اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دفع ہو، اور جو اللہ عزّ وجل کی طرف کسی حاجت میں مجھے وسیلہ کرے وہ حاجت پوری ہو، اور جو دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بارہ سورۂ اخلاص پڑھے، پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم پر گیارہ بار درود وسلام بھیجے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم کو یاد کرے، پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت ذکر کرے تو بے شک اللہ وتبارک تعالیٰ کے حکم سے وہ حاجت روا ہو۔

یقول العبد صدقت یا سیّدی یا مولایٔ رضی اللّٰه تعالٰی عنک و عن کلّ من کان لک و منک الحمد للّٰه الّذی جعلک وارث ابیک المرسل رحمةً و مولی النّعمة و صلی اللّٰه تعالٰی علٰی ابیک و علیک وعلٰی کل من انتمٰی الیک و بارک وسلّم و شرف و کرم. اٰمین اٰمین یا ارحم الرّاحمین ٥ والحمد للّٰه رب

العالمینo

بندہ (یعنی احمد رضا خاں) کہتا ہے، اے میرے سردار اور آقا! اللہ آپ سے راضی ہو اور ہر اس شخص سے جو آپ کے لئے ہو اور آپ سے ہو، تمام تعریفیں اس خدا کو سزا وار ہیں جس نے آپ کو آپ کے باپ رحمت عالم و آقائے نعمت کا وارث بنایا۔ اللہ رحمتیں نازل فرمائے آپ کے باپ پر اور آپ پر اور ہر اس شخص پر جو آپ کی طرف منسوب ہو اور برکتیں، شرافتیں اور کرامتیں نازل فرمائے۔ آمین آمین، یا ارحم الرّاحمین و الحمد للہ رب العالمین۔م

حضرت ابو المعالی قدس سرّہٗ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ کشفتُ. فرّجتُ. قضیتُ بصیغہٗ متکلم معلوم ہیں۔ وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"عمر بزاز قدس سرّہٗ میگوید، من شنیدہ ام از حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔ دور گرد انم آں کربت استغاثہ کند کشفتُ عنہ۔ دور گردانم آں گربد را ازو۔ و ہر کہ در شدّ تے بنامِ من ندا کند فرّجتُ عنہ خلاص بخشم اور ازاں شدّت۔ و ہر کہ در حاجتے توسّل بمن کند در حضرت جل و عُلا قضیت لہٗ حاجت اور ابر آرم۔"

(تحفہ قادریہ باب دہم فی التوسل)

علامہ علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں:

وَقدْ جُرِّبَ ذٰلِک مِرارًا فَصَحَّ رَضیَ اللّٰہ تعالٰی عنہ

بیشک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اترا، اللہ تعالیٰ کی رضا شیخ پر ہو۔
فقیر غفرلہٗ نے اس نماز مبارک کی ترکیب و بعض نکات و لطائف غریب میں ایک مختصر رسالہ مسمّٰی بہ ازھار الانوار من صباء صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) اور اس کے ہر ہر فعل کے ثبوت کو کافی، ہر ہر جز کے احادیث کثیرہ و اقوال آئمہ وحکم شرعیہ سے اثبات وافی میں ایک مفصّل رسالہ نفیسہ مشتمل بر فوائد جلیلہ مسمّٰی بہ انھار الانوار من یمّ صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵) تصنیف کیا، جس کی خدا داد شوکت قاہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ وللہ الحمد۔ ایمان سے کہنا یہ وہی اولیاء ہیں، جن پر تم یہ جیتا بہتان اُٹھاتے ہو، مگر وہ تو حضرات اولیاء تمہیں منکر، متعصب فرما ہی چکے، تم پر ارشاداتِ اولیاء کا کیا اثر ہو۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ عنانِ قلم روکتے روکتے، سخن طویل ہوا جاتا ہے، چند فوائد ضرور یہ لکھ کر ختم کیا چاہیے۔

فائدہ ضروریہ:

حضرت امام سفیان ثوری قدس اللہ سرّہ النوری کی نقل قول میں مخالف نے ستم کارسازی کو کام فرمایا ہے۔ اصل حکایت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فتح العزیز سے سنیئے۔ لکھتے ہیں:

"شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ در نمازِ شام امامت میکرد۔ چوں اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ گفت، بے ہوش افتاد، چوں بخود آمد، گفتند اے شیخ ترا چہ شدہ بود؟ گفت، چوں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ گفتم، ترسیدم، کہ مرا بگوئیند، کہ اے دروغ گو! چرا از طبیب داروی خواہی۔ و ازا میر روزی و

از بادشاہ یاری می جوئی؟ ولہذا بعضے از علماء گفتہ اند، کہ مرد را باید کہ شرم کند از انکہ ہر روز و شب پنج نوبت در مواجہۂ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد، لیکن در ینجا باید فہمید، کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد و وے وادرا مظہر عونِ الٰہی ندا ند حرام است، و اگر التفات محض بجانب حق است و اور ا یکے از مظاہر عون دانستہ ونظر بہ کارخانۂ اسباب و حکمت او تعالٰی در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید، دور از عرفان نخواہد بود۔ ودر شرع نیز جائز در واست۔ و انبیاء و اولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند و در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست، بلکہ استعانت بحضرت حق است، لاغیر۔

(فتح العزیز، تفسیر سورہ فاتحہ، پارہ الم، ص ۸)

سفیان ثوریؒ نے شام کی نماز میں امامت فرمائی، جب اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ پر پہنچے، بے ہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، اے شیخ! آپ کو کیا ہوگیا تھا؟ فرمایا: جب اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا تو خوف ہوا کہ مجھ سے یہ نہ کہا جائے ”اے جھوٹے“

پھر طبیب سے دوا کیوں لیتا ہے، امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد کیوں مانگتا ہے؟ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کو خدا سے شرم کرنی چاہیئے کہ پانچ

وقت اس کے حضور کھڑا ہو کر جھوٹ بولتا ہے، مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے حرام ہے، اور اگر توجہ حضرت حق ہی کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے، اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ظاہری طور پر غیر سے مدد چاہتا ہے تو یہ عرفان سے دور نہیں اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء اور اولیاء نے ایسی استعانت کی ہے، اور درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں ہے، بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے۔م

مخالف صاحب نے دیکھا کہ حکایت اگر صحیح طور پر نقل کریں تو ساری قلعی کھلی جاتی ہے، طبیبوں سے دوا چاہنی، امیروں سے نوکری مانگنی، بادشاہوں سے مقدمات وغیرہا میں رجوع کرنا سب شرک ہوا جاتا ہے جس میں خود بھی مبتلا ہیں، لہٰذا از طبیب دوا وغیرہ الفاظ کی جگہ یوں بتایا کہ "غیر حق سے مدد مانگوں، مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا۔" تاکہ جاہلوں کے بہکانے کو اسے بہ زور زبان حضرات انبیاء و اولیاء علیہم السلام والثنا سے استعانت پر جمائیں اور آپ حکیم جی سے دوا کروانے، نواب، راجہ کی نوکریاں کرنے، منصف ڈپٹی کے یہاں نالشیں لڑانے کو الگ بچ جائیں۔ سبحان اللہ، کہاں وہ تبتل تام و اسقاط تدبیر و اسباب کا مقام جس کی طرف امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس قول میں ارشاد فرمایا۔ جس کے اہل مریض ہوں، تو دوا نہ کریں۔ بیماری کو کسی سبب کی طرف نسبت نہ فرمائیں۔ عین معرکہ

جہاد میں کوڑا ہاتھ سے گر پڑے تو دوسرے سے نہ کہیں، آپ ہی اتر کے اُٹھائیں، اور کہاں مقام شریعتِ مطہرہ و احکام جواز و منع و شرک و اسلام مگر ان ذی ہوشوں کے نزدیک کمال تبتل و شرک متقابل ہیں، کہ جو اس اعلیٰ درجۂ انقطاع محض وتفویض تام پر نہ ہوا، مشرک ٹھیرایا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ○

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، اسی حکایت کے بعد شاہ صاحب نے کیسی تصریح فرما دی، کہ استعانت بالغیر وہی ناجائز ہے کہ اس غیر کو مظہر عونِ الٰہی نہ جانے، بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک جان کر اس پر بھروسا کرے، اور اگر مظہر عونِ الٰہی سمجھ کر استعانت بالغیر کرتا ہے، تو شرک و حرمت بالائے طاق، مقام معرفت کے بھی خلاف نہیں۔ خود حضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام نے ایسی استعانت بالغیر کی ہے۔

مسلمانو! مخالفین کے اس ظلم و تعصب کا ٹھکانا ہے، کہ بیمار پڑیں تو حکیم کے دوڑیں، دوا پر گریں، کوئی مارے پیٹے، تو تھانے کو جائیں، رپٹ لکھائیں، ڈپٹی وغیرہ سے فریاد کریں، کسی نے زمین دبالی یا تمسک کا روپیہ نہ دیا تو منصف صاحب مدد کیجو، جج بہادر خبر لیجو نالش کریں، استغاثہ کہیں غرض دنیا بھر سے استعانت کریں اور حصر ایاک نستعین کو اس کے منافی نہ جانیں، ہاں انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثنا سے استعانت کی اور شرک آیا۔ ان کاموں کے وقت آیت کا حصر کیوں نہ یاد آتا، وہاں تو یہ ہے کہ ہم خاص تجھی سے استعانت کرتے ہیں، کیا مخالفین کے نزدیک خاص تجھی میں بید، حکیم، تھانہ دار، جمعدار، ڈپٹی، منصف، جج وغیرہ سب آگئے، کہ یہ اس حصر سے خارج نہ ہوئے، یا معاذ اللہ آیۂ کریمہ کا حکم ان پر جاری نہیں، یہ خدا کے ملک سے

کہیں الگ بستے ہیں، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

غرض مخالفین خود بھی دل میں خوب جانتے ہیں، کہ آیہ کریمہ میں مطلق استعانت بالغیر کی اصلاً ممانعت نہیں، نہ وہ ہرگز شرک یا ممنوع ہوسکتی ہے، بلکہ استعانت حقیقیہ ہی رب العزۃ جل و علا سے خاص فرمائی گئی ہے اور اس کا اختصاص کسی طرح حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام سے استعانت جائزہ کا منافی نہیں ہوسکتا۔ مگر عوام بیچاروں کو بہکانے اور محبوبانِ خدا کا نام پاک ان کی زبان سے چھڑانے کو دیدہ و دانستہ قرآن و حدیث کے معنی بدلتے ہیں، تو بات کیا کہ سر کی کھلی اور دل کی بند ہیں، پاؤں تلے کی نظر آتی ہے، حکیم جی کو علاج کرتے، تھانہ دار کو چوریاں نکالتے، نواب راجہ کو نوکریاں دیتے، ڈپٹی منصف کو مقدمات بگاڑتے سنبھالتے آنکھوں دیکھ رہے ہیں، ان کی امداد و عانت سے کیوں کر منکر ہوں، اور حضرات علیہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثنا سے جو باطن و ظاہر، قاہر و باہر مددیں پہنچ رہی ہیں وہ نہ دل کے اندھوں کو سوجھیں اور نہ ہی اپنے نصیبے میں ان کی برکات کا حصر سمجھیں۔ پھر بھلا کیوں کر یقین لائیں، جیسے معتزلہ خذلہم اللہ تعالیٰ، کہ ان کے پیشوا ظاہری عبادتیں کرتے کرتے مر گئے۔ کرامات اولیاء کی اپنے میں بوند نہ پائی، ناچار منکر ہوگئے۔ ع

چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند!

پھر ان حضرات کو ڈپٹی، منصف، حکیم سے خود بھی کام پڑتا رہتا ہے۔ ان سے استعانت کیونکر شرک کہیں، معہذا ان لوگوں سے کوئی کاوش بھی نہیں، دل میں آزار تو حضراتِ انبیاء او اولیاء علیہم افضل الصّلوٰۃ والثنا سے ہے۔ ان کا نام تعظیم و محبت سے نہ آنے پائے، ان کی طرف کوئی سچی عقیدت سے رجوع نہ

لائے۔ سَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ۝ (پ ۱۹ الشعراء: ۲۲۷)

فائدہ مہمّہ

مخالفین بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکا دیتے ہیں کہ یہ تو زندہ ہیں، فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں۔ وہ مردہ ہیں، ان سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں، ان سے شرک نہیں۔ وہ دور ہیں، ان سے شرک ہے۔ و علیٰ ہذا القیاس، طرح طرح کے بے ہودہ وسواس، مگر یہ سخت جہالت بے مزہ ہے، جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا۔ اور ایک کے لئے شرک نہیں تو کسی کے لئے بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے۔ زندے ہو سکتے ہیں۔ دور کے نہیں ہو سکتے، پاس کے ہو سکتے ہیں، انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں، انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں۔ حاشاللہ اللہ تبارک تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ تو مثلاً جو بات ندا خواہ کوئی شے جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دور والے یا مردے، بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھیرے وہ قطعاً یقیناً تمام عالم سے شرک ہوگی۔ اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذّات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، بہ ایں معنی اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے، یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے، بلکہ کسی سے روز مرّہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے، جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے

ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اُٹھا دے یا کھانا پکادے، یا پانی پلادے، سب شرک قطعی ہے، کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کردینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیا شبہ رہا، اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہرِ عونِ الٰہی وواسطہ وسیلہ وسبب سمجھنا اس معنی پر حضراتِ انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصّلوٰۃ والثنا سے کیوں شرک ہونے لگی۔ مگر حکیم، امیر، جج اولاد، نوکر، جورو، ان سب کو مظہر عون وسبب و وسیلہ جاننا جائز ہے۔ اور ان حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلیٰ مظہر و اعظم سبب و افضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب و غایۃ الوسائط و نہایۃ الوسائل ہیں ایسا سمجھنا شرک ہوگیا۔ ہزار تف بریں بے عقلی و نا انصافی۔ غرض پانی وہیں مرتا ہے، کہ جو کچھ غصہ ہے وہ حضرات محبوبانِ خدا کے بارے میں ہے۔ جورو، یار، بچے مددگار، نوکر کارگزار۔ مگر انبیاء و اولیاء کا نام آیا، اور سر پر شرک کا بھوت سوار، یہ کیا دین ہے؟ کیسا ایمان ہے وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ○

مسلمین اس نکتے کو خوب محفوظ وملحوظ رکھیں۔ جہاں ان چالاکوں، عیاروں کو کوئی فرق کرتے دیکھیں، کہ فلاں عمل یا فلاں اعتقاد فلاں کے ساتھ شرک ہے، فلاں سے نہیں۔ یقین جان لیجئے کہ نرے جھوٹے ہیں۔ جب ایک جگہ شرک نہیں، تو اس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہوسکتا۔ واللّٰہ الھادی الٰی طریقٍ سَوی.

فائدہ ضروریہ

مخالفین جب سب طرح عاجز آ جاتے ہیں اور کسی طرف راہ مفر نہیں

پاتے تو ایک نیا شگوفہ چھوڑتے ہیں کہ صاحبو! ہم بھی اسی استعانت کو شرک کہتے ہیں جو غیر خدا کو قادر بالذّات و مالک مستقل بے عطائے الٰہی جان کر کی جائے اور اپنی بات بنانے اور خجلت مٹانے کو ناحق ناروا بیچارے عوام مومنین پر جیتا بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی سمجھ کر انبیاء و اولیاء سے استعانت کرتے ہیں۔ ہمارا یہ حکم شرک انھیں کی نسبت ہے۔ اس بارے درجے کی بناوٹ کا لفافہ تین طرح کھل جائے گا۔

اوّلاً صریح جھوٹے ہیں، کہ صرف اسی صورت کو شرک جانتے ہیں، ان کے امام خود تقویۃ الایمان (پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں) میں لکھ گئے ہیں۔

"کہ پھر خواہ یوں سمجھے، کہ ان کاموں کی طاقت ان کو
خود بخود ہے۔ خواہ یوں سمجھے، کہ اللہ نے ان کو ایسی
قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ہوتا ہے۔"

کیوں اب کہاں گئے وہ جھوٹے وعدے۔ ثانیاً، ان کے سامنے یوں کہیئے، کہ یا رسول اللہ! حضور کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفۂ اعظم و نائب اکرم و قاسم نعم کیا۔ دنیا کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، خزانوں کی کنجیاں، مدد کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں حضور کے دست مبارک میں رکھیں، روزانہ دو وقت تمام امت کے اعمال حضور کی بارگاہ میں پیش کرائے۔ یا رسول اللہ! میرے کام میں نظر رحمت فرمایئے۔ یا رسول اللہ! اللہ کے حکم سے میری مدد و اعانت فرمایئے۔"

اب ان لفظوں میں تو صراحۃً قدرت ذاتی کا انکار اور مظہریت عونِ الٰہی کی تصریح ہے۔ ان میں تو معاذ اللہ اس ناپاک گمان کو بو بھی نہیں آ سکتی۔ یہ کہتے جایئے اور ان صاحبوں کے چہرے کو غور کرتے جایئے۔ اگر بکشادہ پیشانی اسے سنیں اور آثار کراہت و غیض ظاہر نہ ہوں، جب تو خیر، اور اگر

دیکھئے کہ صورت بگڑی، ناک بھوں سمٹی۔ منہ پر دھوئیں کی مانند تاریکی دوڑی، تو جان لیجئے کہ دلی آگ اپنا رنگ لائی۔ ع

کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

سبحان اللہ! میں عبث امتحان کو کہتا ہوں۔ بارہا امتحان ہو ہی لیا۔ ان صاحبوں میں نواب دہلوی مصنف ظفر جلیل تھے۔ حدیث عظیم وجلیل ثابت یا محمد اِنّی توجّھتُ بِکَ اِلٰی رَبِّی فِی حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ، کہ صحاح سِتّہ سے تین صحاح، جامع ترمذی (کتاب الدعوات، حدیث ۳۵۷۳) سُنن نسائی (عمل الیوم واللیلۃ) سنن ابن ماجہ (باب ماجہ فی اصلاۃ الحاجۃ) میں مروی اور اکابر محدثین مثل امام ترمذی و امام طبرانی و امام بیہقی (۱۶۶/۶) و ابو عبداللہ حاکم (المستدرک، کتاب صلاۃ التطوع) و امام عبدالعظیم منذری (الترغیب والترہیب ۲۷۲/۱) وغیرہم اسے صحیح فرماتے آئے جسے خود حضور پرنور سیّد یوم النّشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے حاجت کے لئے تعلیم، اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے زمانۂ اقدس اور حضور کے بعد زمانۂ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاجت روائی کا ذریعہ بنایا، اس میں کیا تھا۔ یہی نہ کہ یا رسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ وہ میری حاجت روا فرمائے۔ اس میں معاذ اللہ، قدرت بالذّات کی کہاں بوتھی جو نواب صاحب کو پسند نہ آئی، کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کا پاس، نہ صحابہ و تابعین کی تعلیم و عمل کا لحاظ، نہ اکابر حفاظ حدیث کی تصحیح کا خیال، سخت ڈھٹائی کے ساتھ حاشیہ ظفر جلیل پر حدیث صحیح کو بزور زبان و زور بہتان رد کرنے کے لئے عقل و شرح کی قید سے نکل بے دھڑک بے پر کی اڑا دی کہ یہ حدیث قابل حجت

نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ٥

اس واقعۂ عبرت خیز کا بیان ہمارے رسالہ انہار الانوار میں ہے۔ اب دیکھئے، کہ نہ فقط اولیاء بلکہ خود حضور پرنور سیّد الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثنا سے استعانتِ جائزہ محمودہ، خود حضور اقدس کی فرمودہ صحابہ و تابعین کی معمولہ ومقبولہ صحیح حدیث میں ان لوگوں کا یہ حال ہے۔

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ م بِذَاتِ الصُّدُوْرِ٥

(پ۴ آل عمران آیت ۱۱۹)

ثالثاً سب جانے دو۔ سرے سے یہ ناپاک ادّعا ہے کہ بندگان خدا محبوبانِ خدا کو قادر مستقل جان کر استعانت کرتے ہیں، ایک ایسی سخت بات ہے جس کی شناعت پر اطلاع پاؤ تو مدّتوں تمہیں توبہ کرنی پڑے۔ اہل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پر بدگمانی حرام، اور ان کے کلام کو جس کے صحیح معنیٰ بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی معاذ اللہ معنیٰ کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ، وتعالیٰ فرماتا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا كَثِيْراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ٥

(پ۲۶ الحجرات آیت ۱۲)

اے ایمان والو! بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ. اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلاً٥(پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۳۶)

پیچھے نہ پڑ اس بات کے جو تجھے تحقیق نہیں۔ بیشک کان، آنکھ، دل،

سب سے سوال ہوتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا (پ۱۸ النور آیت ۱۲)

کیوں نہ ہوا، کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں عورتوں نے اپنی جانوں یعنی اپنے بھائی مسلمانوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اور فرماتا ہے:

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(پ۱۸ النور آیت ۱۷)

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اِیَّاکُمْ وَ فِاَنّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْث

(صحیح بخاری ج ۱ص ۳۸۴، قدیمی، باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ

گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

رواہ مالک والبخاری و مسلم وابو داؤد والترمذی

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

افلا سقفت عن قلبہ

(سنن ابوداؤد، باب علی ما یقاتل المشرکون، ۱/۳۵۵)

تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا؟

رواہ مسلمٌ وغیرہ

علمائے کرام فرماتے ہیں، کلمہ گو کے کلام میں اگر ننانوے معنی کفر کے نکلیں، اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو تو واجب ہے اسی تاویل کو اختیار کریں اور اسے مسلمان ٹھیرائیں کہ حدیث میں آیا ہے:

الاسلام یعلوا ولا یُعلیٰ

(سنن الدارقطنی، کتاب النکاح باب المہر، ۲۵۲/۳)

اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا۔

رواه الرؤیانی والدّار قطنی والبیهقی والضیا والخلیل عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللّٰه تعالیٰ عنه عن النّبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم:

نہ کہ بلا وجہ منہ زوری سے صاف ظاہر، واضح، معلوم، معروف معنی کا انکار کر کے اپنی طرف سے ایک ملعون، مردود، مصنوع، مطرود احتمال گھڑیں اور اپنے لئے علم غیب اور اطلاع حال کا دعویٰ کر کے زبردستی وہی ناپاک مُراد مسلمانوں کے سر باندھیں۔ قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہوگا، ان بہتانوں، طوفانوں پر بارگاہِ قہار سے مطالبہٗ جواب تو نہ ہوگا۔ ہاں، ہاں جواب تیار کر رکھو، اس سخت وقت کے لئے جب مسلمانوں کی طرف سے جھگڑتا آئے گا، لا الٰہ الا اللّٰہ، ہاں اب جانا چاہتے ہیں ستم گر لوگ کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں۔ یوں اعتبار نہ آئے تو اپنے کذب کا امتحان کر لو۔ اہل استعانت سے پوچھو تو کہ تم انبیاء و اولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثنا کو عیاذاً باللہ خدایا خدا کا ہمسر یا قادر بالذّات یا معین مستقل جانتے ہو، یا اللہ عزوجل کے مقبول بندے، اس کی سرکار میں عزت و وجاہت والے، اس کے حکم سے

اس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو، دیکھو تو تمہیں کیا جواب ملتا ہے۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین، تقی الملۃ والدین، فقیہ، محدث، ناصر السنۃ ابو الحسن علی بن عبد الکافی سبکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مستطاب شفاء السقام" میں استمداد و استعانت کو بہت احادیثِ صریحہ سے ثابت کر کے ارشاد فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبۃ النّبی صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھذا لا یقصدہ مسلمٌ فصرف الکلام الیہ و منعہ من باب التّلبیس فی الدّین والتّشویش علی عوام الموحدین (الباب الثامن فی التوسل، ص ۱۷۵، نوریہ رضویہ فیصل آباد)

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھیراتے ہوں۔ یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

صدقت یاسیّدی جزاک عن الاسلام والمسلمین خیراً۔

اٰمین

فقیہ، محدث، علّامہ، محقق، عارف باللہ، امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت نصاب جوہر منظم میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں:

فالتّوجّہ والاستغاثۃ بہٖ صلّی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم و بغیرہٖ لیس لھما معنًی فی قلوب المسلمین غیر ذٰلک ولا یقصد بھما

احدمّنهم سواه فمن لم ينشرح صدره' لذالک فليبک علٰى نفسهٖ نسئالُ اللّٰه العافية والمستغاث بهٖ في الحقيقة هو اللّٰه والنّبي صلّى اللّٰه تعالٰى عليه و اسطةٌ بينه و بين المستغيث. فهو سبحٰنه' مستغاثٌ بهٖ والغوث منه خلقاً وايجاداً والنّبي صلى اللّٰه تعالٰى عليه و سلم مستغاث والغوث من سبباً و كسبًا

(الجوہر المنظم، الفصل السابع ص ۶۲، مصر)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یا حضور اقدس کے سوا اور انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثنا کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے، نہ قصد کرتا ہے۔ تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے وہ آپ اپنے حال پر روئے، ہم اللہ تبارک تعالیٰ سے عافیت مانگتے ہیں۔ حقیقتاً فریاد اللہ عزّ وجل کے حضور ہے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ تو اللہ عزوجّل کے حضور پر فریاد ہے اور اس کی فریاد رسی یوں ہے کہ مراد کو خلق و ایجاد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے اور حضور کی فریاد رسی یوں ہے کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

مخالف کو کریما کا مصرعہ یاد رہا کہ:

ندارم غیر از تو فریاد رس

اور وہ بیشک حق ہے جس کے معنی ہم اوپر بیان کر آئے، مگر یہ یاد نہ آیا کہ اس کے کبرائے طائفہ کے اکابر وعمائد حضور پر نور سیّدنا ومولانا وغوثنا و

ماویٰنا حضرت غوث اعظم، غوث الثقلین صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جدہ الکریم و آباءہ الکرام و علیہ وعلیٰ مرید یہ ومحبّیہ و بارک وسلم کو فریاد رس مان رہے ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب ''لمعات'' میں لکھتے ہیں:

''امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود، واز آں جا فیض برادرد غالبًا بیروں نیست از آنکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' (ہمہ ۱۱)

آج اگر کسی کو روحِ خاص سے مناسبت پیدا ہو جائے اور وہ وہاں سے فیض یاب ہو تو غالبًا بعید نہیں کہ یہ کمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مناسبت سے حاصل ہوا ہوگا، یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملا ہوگا۔'' م

شاہ عبدالعزیز صاحب ''تفسیر عزیزی'' میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کی محبوبیت بیانِ کر کے فرماتے ہیں:

''ایں مرتبہ ازاں مراتب است کہ ہیچ کس را از بشر نہ دادہ اند۔ مگر بہ طفیل ایں محبوب برخے از اولیائے امّت اور اشمّۂ محبوبیّت آں نصیب شدہ و مسجود خلائق ومحبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم وسلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرّ ہما'' (سورہ الم نشرح)

یہ وہ مرتبہ جو کسی انسان کو نصیب نہ ہوا، ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہے اس کا کچھ حصہ اولیائے امّت تک پہنچا، پھر یہ حضرات اس کی برکت سے مسجود خلائق اور محبوب قلوب ہوئے جیسے حضرت غوث الاعظم اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدّین اولیاء قدس اللہ سرّ ہما۔م

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات (ص ۱۹) میں تحریر فرماتے ہیں:

''آنچہ درتاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قدمی ھٰذہ علیٰ رقبۃ کلّ ولی اللّٰہ نوشتہ اند''

انھیں کے ملفوظات (ص ۸۳) میں ہے:

''التفات غوث الثقلین بحال متوسّلان طریقہ علیّہ ایشاں بسیار معلوم باشد۔ باہیچ کس از اہل ایں طریقہ ملاقات نشدہ، کہ توجہ مبارک آں حضرت بحالش مبذول نیست۔''

غوث الثقلین کی توجہ اپنے سلسلے سے وابستہ حضرات کی طرف بہت معلوم ہوئی ہے۔ آپ کے سلسلے کے کسی ایسے شخص سے ملاقات نہ ہوئی جو آپ کی توجہ سے محروم ہو۔م

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ''سیف المسلول'' میں لکھتے ہیں:

''فیوض و برکات کارخانۂ ولایت اول بریک شخص نازل میشود، و ازاں تقسیم شدہ بہریک از اولیائے عصر میرسید و

بہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضے نمی رسد۔ ایں منصب عالی تا وقت ظہور سید الشرفاء حضرت غوث الثقلین محی الدین عبد القادر الجیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد، ایں منصب مبارک بوے متعلق شد۔ و تا ظہور محمد مہدی ایں منصب بروحِ مبارک حضرت غوث الثقلین متعلق باشد و لہٰذا اں حضرت قدمی ھٰذہٖ علی رقبۃ کلِّ ولی اللہ فرمودہ۔ وقول حضرت غوث الثقلین اخی و خلیلی کان موسیٰ بن عمران نیز برآں دلالت دارد۔

کارخانۂ ولایت کے فیوض پہلے ایک شخص پر نازل ہوئے، پھر اس سے منقسم ہوکر ہر زمانے کے اولیاء کو ملے، اور کسی ولی کو ان کے توسط کے بغیر فیض نہ ملا۔ حضرت غوث الثقلین محی الدّین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور سے قبل یہ منصب عالی حسن عسکری علیہ السلام کی روح سے متعلق تھا، جب غوث الثقلین پیدا ہوئے تو یہ منصب آپ سے متعلق ہوا، اور محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا۔ اس لئے آپ نے فرمایا، میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔'' پھر غوث پاک کا یہ قول ''میرے بھائی اور دوست موسیٰ بن عمران تھے۔'' بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ م۔

یہ سب ایک طرف، خود امام الطائفہ، میاں اسمٰعیل دہلوی صراط المستقیم (ص ۱۶۶) میں اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں:

''روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء

الدین نقشبند متوجہ حالِ حضرت ایشاں گردیدہ۔" اسی میں ہے

"شخصیکہ در طریقۂ قادریہ قصد بیعت می کند البتہ اورا در جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میر سد۔" الی قولہ۔ کہ خود را ازز مرۂ غلامانِ آں جناب می شمارد، اھ ملخصا۔ (ص ۱۴۷)اسی میں ہے۔"اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم و حضرت خواجۂ بزرگ الخ۔(ص ۱۳۲، المکتبۃ السّلفیہ، لاہور)

حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند کی ارواح مبارکہ ان کے حال پر متوجہ تھیں۔ اسی میں ہے کہ ایک شخص نے قادری طریقے میں بیعت کا ارادہ کیا، یقیناً اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت گہرا اعتقاد تھا، الی قولہ، خود کو آں جناب کے غلاموں میں شمار کیا۔ اسی میں ہے۔ اولیائے عظام جیسے غوث پاک رضی اللہ عنہ، اور حضرت خواجہ بزرگ۔

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعۂ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں:

"اگر، شخصے بزے را خانہ پرورکند، تا گوشت او خوب شود و اوراذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خواندہ بخوراند، خللے نیست۔"

اگر کوئی شخص کوئی بکرا گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہو جائے، اور اس کو ذبح کر کے پکا کر غوث

الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو
کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔ م

ایمان سے کہیو۔ غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس، یا کچھ اور، خدا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین، یہی ترجمہ ہوا، کہ جن و بشر کے فریادرس، یا کچھ اور، پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا سارا خاندان بول رہا ہے۔ قول کے سچے ہو، تو ان سب کو ذرا جی کڑا کر کے مشرک بے ایمان کہہ دو، ورنہ شریعت کیا ان کی خانگی ساخت ہے، کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے۔ گھر والے سب اس سے مستثنیٰ ہیں۔

افسوس اس امام کی تلوّن مزاجیوں نے طائفہ کی مٹی اور بھی خراب کی ہے۔ آپ ہی تو شرک کا قانون سکھائے جس کی بنا پر طائفہ کے نواب بھوپالی بہادر دبی زبان سے کہہ بھی گئے، غوث اعظم یا غوث الثقلین کہنا شرک سے خالی نہیں۔ اور آپ ہی جب تلوّن کی لہر آئے تو اپنی موج میں آ کر انھیں گھرے میں دھکا دے اور خود دُور کھڑا قہقہے لگائے کہ اِنّی بَرِیْٓئٌ مِّنکَ اِنّی اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الْعَالِمِیْنَo (الحشر:۱۶) اب یہ بیچارے رویا کریں۔

اپنا بیڑا کھے گئے اور ہو گئے ندیا پیار
بانھ نہ میری تھام لی سو آن پڑے منجدھار

کون سنتا ہے۔ الحق۔

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقت لیلیٰ

ضعف الطالب و المطلوب لبئس المولٰی ولبئس العشیر.

و حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل. ولا حول ولا قوّۃ الا باللّٰہ العزیز الحکیم. نعم المولٰی و نعم النّصیر o والحمد للّٰہ رب العالمین و قیل بعدًا للقوم الظّٰلمین o و صَلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّد المرسلین غوثِ الدّنیا و غیاث الدّین سیّدنا و مولانا محمدٍ وّاٰلِہٖ و صَحْبِہٖ اجمعین امین o

الحمد للہ کہ یہ نہایت اجمالی جواب اور اتنے اجمال پر کافی و وافی موضح صواب چند جلسات میں ۱۶ شعبان المعظم روز مبارک جمعہ ۱۳۱۱ ہجریہ قدسیہ کو بوقتِ عصر تمام اور بلحاظ تاریخ برکات الامداد لاھل الاستمداد تام ہوا۔

نفعنی اللّٰہ بہ و بسائر تصانیفی والمسلمین فی الدّارین بالنفع الاتّم. وَ صَلّی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّدنا و مولانا محمد و الہٖ وصحبہٖ وسلم. واللّٰہ سبحانہٗ و تعالٰی اعلم وعلمہٗ جلّ مجدۃ اَتَمُّ واحکم.

تمّت

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبة

عفی عنه بمحمد ن المصطفٰی النّبی الامّی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم

تقدیم

علمائے کرام و اولیائے عظام سے عقیدت و محبت ان کے تقرب الی اللہ کی وجہ سے ہی ہوتی ہے، یہ محبت قلبی بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی، کیونکہ ظاہر باطن کا آئینہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر دو قسم کی محبت رکھتے تھے، حضرت سواد رضی اللہ عنہ جب عین دشمن کے رو برو تھے اور جامِ شہادت ان کے بہت قریب تھا، اس وقت بھی انھوں نے اگر تمنا کی تو یہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو بوسہ دیں، پھر جسد اقدس ہی نہیں بلکہ آپ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ یہی طریقۂ ادب و احترام جاری رہا، پھر آپس میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین و اولیائے کاملین بھی اسی راہ پر چلے، اس کی اصل ہماری شریعت میں حجر اسود کو بوسہ دینا ہے، سبیل مومنین یہی ہے، اس میں شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں، خواہ مخواہ مسلمانوں کی نیت پر شبہ کرنا کہاں کی دیانت داری اور دانشوری ہے۔ اس طرز عمل کا فائدہ اس کے سوا اور کیا ہوگا، کہ لوگ جو دین سے پہلے ہی دور ہیں مزید دور ہو جائیں؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالے میں، اسی مسئلے کو نہایت ہی لطیف پیرائے میں مدلل بیان فرمایا ہے، اس کا تاریخی نام:

اَبَرُّ الْمَقَال فِی قُبْلَۃ الْاِجلال ھے ، جس کا ترجمہ ہے، تعظیم کے لئے بوسہ دینے میں صحیح ترین قول۔

مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَبَرُّ المَقال

علماء کرام و اولیاء عظام کے تبرکات اور آستانوں کا بوسہ دینے کا بیان

تصنیفِ لطیف

امامِ اہلسنت مجدد اعظم دین و ملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

مسئلہ: ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ از سورت کٹھور مسجد پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب و از علی گڑھ مدرسہ مولانا مولوی لطیف اللہ صاحب مرسلہ مولوی سندھی صاحب، طرفہ ایں کہ از ہر دو جا بوقت واحد سوال آمد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ شہر مورلیس میں قبلہ رخ کی دیوار کے ساتھ محراب کے متصل بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا لٹکا ہوا ہے اور وہاں کے باشندے، میمن وغیرہ سب سوداگر لوگ خاص و عام بعد فراغ پنجگانہ کے اس ٹکڑے کو بوسہ دیتے ہیں اور بعد نماز جمعہ کے تو بوجہ کثرت نمازیوں کے بوسہ دینے میں بہت ہی ہجوم کرتے ہیں۔ کوئی چار بوسہ دیتا ہے، کوئی زیادہ کوئی کم، جیسا کسی کا موقع لگا، ویسا ہی اس نے کیا، اور کوئی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے محروم بھی رہ جاتا ہے، اور اس امر میں اس کو معظم چیز سمجھ کر کمال کوشش کرتے ہیں۔ کسی قدر جاننے والے لوگ تو تعظیم کا بوسہ دیتے ہیں، اور عوام کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا سمجھ کر بوسہ دیتے ہیں، دوسرے کی دیکھا دیکھی اس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔ آیا یہ امر شرعاً موجب ثواب ہے یا کسی امر خارجی کی وجہ سے مستوجب عذاب ہے۔ بینوا توجروا۔

☆☆☆

الجواب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

بوسہ[1] تعظیم شرعاً و عرفاً انحاءِ تعظیم سے ہے۔ اسی قبیل سے ہے بوسہ آستانہ کعبہ و بوسہ مصحف و بوسہ نان[2] و بوسہ دست و پائے علماء و اولیاء و کل ذالک مصرح بہ فی الکتب لاالدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار اور خود احادیث کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا دست و پائے اقدس حضور پر نور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و مہر نبوت کو بوسہ دینا وارد۔ کما فصلنا بعضہ فی کتابنا. البارقۃ الشاقۃ علی مارقۃ المشارقۃ و ما نحن فیہ سے اقرب و اوفق حدیث عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ انھوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو مس کر کے اپنے چہرے سے لگایا، رواہ ابن سعد فی طبقاتہ، اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مروی کہ رمّانہ منیرا عطر کو جو مزار اقدس و ازہر پر ہے، یعنی اس کے بازو پر جو گول شکل کا ایک کنگرہ سا بنا دیتے ہیں، اسے داہنے ہاتھ سے مس کر کے دعا مانگا کرے۔ امام قاضی عیاض رفعت روحہ فی زوح الریاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

قال نافع کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یسلم علی القبر رائیتہ مائۃ مرۃ او اکثر یجیئی الی القبر فیقول السلام علی النبی السلام علی ابی بکر ثم ینصرف و رئ واضعا یدہ علی

[1] تعظیم کی قسموں میں سے ہے۔م [2] روٹی۔م

مقعد النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم من المنبر ثم وضعھا علٰی وجھہ و عن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا خلا المسجد جسّوا بر مانۃ المنبر التی علٰی القبر بمیامنھم ثم استقبلوا القبلۃ یدعون.

(الشفاء ج ۲ ص ۷۰، فصل فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم)

نافع نے کہا، میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو سلام کرتے ہوئے سو مرتبہ یا اس سے بھی زائد دیکھا۔ آپ قبر پر تشریف لاتے اور کہتے، نبی علیہ السلام اور ابوبکر کو سلام ہو، پھر واپس چلے جاتے، اور یہ بھی دیکھا گیا کہ منبر پر حضور کے بیٹھنے کی جگہ کو مس کر کے اپنے چہرے پر لگاتے تھے اور ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ جب مسجد خالی ہو جاتی تو صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اس کنگرے کو اپنے داہنے ہاتھ سے چھوتے تھے جو قبر انور پر ہے، پھر قبلہ رو ہو کر دعا مانگتے تھے۔م۔

غرض شرعاً و عرفاً معلوم و معروف کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو، اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست[1] بھی باقی رہتا ہے اور اس کی تعظیم اس معظم کی انحائے تعظیم سے گنی جاتی ہے اور معاذ اللہ اس کی توہین اس معظم کی توہین۔ تاج سلطان کو مثلاً زمین پر ڈالنا صرف اسی وقت اہانت سلطان نہ ہوگا جبکہ وہ اس کے سر پر رکھا ہو، بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے۔ یوں ہی تعظیم شفا شریف میں ہے:

من اعظامہ و اکبارہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ و اکرام مشاھدہ و امکنتہ و مکۃ والمدینۃ و معاھدہ و

[1] جسم سے منقطع ہونے کے بعد بھی۔م

ما لمسه علیه الصلوٰة والسلام او عرف به صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم
(ج۲ص۴۴)

ترجمہ: آپ کی تعظیم وتکریم کے طریقوں میں سے آپ کے تمام متعلقات و مقامات، مکہ و مدینہ اور ہر اس چیز کی تعظیم ہے جس کو حضور ﷺ نے چھوا ہو یا اس کا تعلق آپ سے معروف ہو۔

اور بے شک تعظیم منسوب بلحاظ نسبت، تعظیم منسوب الیہ ہے ،اور بے شک کعبہ شعائر اللہ ہے تو تعظیم غلاف، تعظیم کعبہ و تعظیم شعائر اللہ شرعاً مطلوب:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْب:

اور جو اللہ کے شعائر کی تعظیم، کرے گا تو یہ دلوں کی پرہیز گاری کے باعث ہوگی۔ م

بلکہ نظر ایمانی سے مس ولمس کی بھی تخصیص نہیں، جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت ہے، واجب التعظیم و مورث محبت ہے، و لہٰذا بلدۂ طیبہ مدینہ سکینہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کے درو دیوار کو تبرکاً مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب و ولا کا دستور اور کلمات آئمہ وعلماء میں مسطور، اگر چہ ان عمارات کا زمانۂ اقدس میں وجود ہی نہ ہو، شرفِ مس سے تشرف درکنار لِلّٰہِ در من قال۔

اَمُرُّ علی الدیار دیار لیلٰے
اقبل ذا الجدار و ذوالجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولٰکن حب من سکن الدیارا

(شفاء السقام، الباب الرابع، ص ۷۳)

کسی نے کیا خواب کہا ہے،

(ترجمہ اشعار) میں لیلیٰ کے شہر پر گزرتا ہوں تو کبھی اس
دیوار کو بوسہ دیتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو اور یہ شہر کی محبت نہیں
جو میرے دل پر محیط ہے، یہ تو شہر والوں کی محبت ہے۔

شفاء شریف میں ہے:

وجدیر لمواطن اشتملت تربتها علیٰ جسد سیّد البشر صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم مدارس ومساجد و مشاهد و مواقف ان تعظم عرصاتها و تنسم نفخاتها و تقبل ربوعها وجدرانها ا ھ ملخصا۔ (ج۲ص ۴۵، ۴۶)

وہ مقامات جن کا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور سے تعلق ہے، ان کے مدارس، ان کی مساجد، مشاہد، مواقف تعظیم کئے جانے کے لائق ہیں۔ ان کی ہواؤں کو سونگھنا اور ان کے گھروں اور دیواروں کو چومنا چاہیئے۔

پھر فرمایا:

یا دار خیر المرسلین و من به
هدی الانام وخص بالایات
عندی لا جلک لوعة و صبابة
و تشوق متوقد الجمرات
و علی عهد ان ملأت محاجری
من تلکم الجدران والعرصات

لا عفـرن مصـون شيبی بينهـا
مـن كثـرة التقبيـل الـرشفات

(ج۲ص۴۶)

ترجمہ اشعار: اے تمام رسولوں میں بہتر رسول، مخلوق کے ہادی اور معجزات سے مؤید نبی کے گھر! مجھے تجھ سے عشق و محبت ہے جس کی چنگاریاں روشن ہیں، اور اگر تو اپنے صحنوں اور دیواروں سے میری آنکھوں کو پرنم کر دے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے سپید بالوں کو دیواروں کے بوسوں کی کثرت سے خاک آلود کرلوں گا۔م

اس سے بھی ارفع و اعلیٰ واضح و اجلیٰ یہ ہے کہ طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً، عجماً عرباً علمائے دین و آئمہ معتمدین نعل مطہر وروضۂ معطر حضور سیّد البشر علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے، اور انھیں بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے۔ علامہ ابوالیمن ابن عساکر و شیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علماء نے اس باب میں مستقل تالیفیں کیں، اور علّامہ احمد مقّری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلے میں اجمع وانفع، تصانیف ہے۔ جزاهم ربهم جزاءً حسناً و رزقهم ببركة خير النعال امنا و سكنا امين۔

محدث، علامہ، فقیہہ ابو الربیع سلیمٰن بن سالم کلاعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يـا نـاظـر تـمثـال بـنيـه
قبـل مثـال النـعـل لا متـكبـرا

اے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشۂ نعل مبارک دیکھنے والے اس نقشے کو بوسہ دے بے تکبّر کے۔(جواہر البحار،۳/۱۶۳،مصر)

قاضی شمس الدین عبداللہ رشیدی فرماتے ہیں۔

لمن قدمس شکل نعال طٰہٰ
جزیل الخیر فی یوم الماب
وفی الدنیا یکون بخیر عیش
وعزّ فی الھناء بلا ارتیاب
فبادر والثم الاثار منھا
بقصد الفوز فی یوم الحساب

نقشۂ نعل طٰہٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مس کرنے والے کو قیامت میں خیر کثیر ملے گی اور دنیا میں یقیناً نہایت اچھے عیش وعزت وسرور میں رہے گا،تو روز قیامت مراد ملنے کی نیت سے جلد اس اثر کریم کو بوسہ دے۔

شیخ فتح اللہ بیلونی حلبی، معاصر علامہ مقری، نعل مقدس سے عرض کرتے ہیں۔

فی مثلک یا نعال اعلی النجبا
اسرار بیمینھا شھدنا العجبا
من مرّغ خدہ بہ مبتھلا
قد قام لہ ببعض ما قد وجبا

اے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلِ

مبارک، تیرے نقشے میں وہ اسرار ہیں جن کی عجیب برکتیں ہم نے مشاہدہ کیں، جو اظہار عجز و نیاز کے ساتھ اپنا رخسارہ اس پر رگڑے وہ بعض حق اس نقشۂ مقدسہ کے جو اس پر واجب ہیں، ادا کرے۔

وہی فرماتے ہیں۔

مثال نعل بوطی المصطفٰے سعدا
فامدد الی لثمہ بالذل منک یدا
واجعلہ منک علٰی لعینین معترفا
بحق توقیرہ بالقلب معتقدا
وقبلہ راعلن بالصلٰوۃ علٰی
خیر الانام و کرر ذاک مجتھدا

یہ نقشہ اس نعل مبارک کا جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم سے ہمایوں ہوئے تو اس کے بوسہ دینے کو تذلل کے ساتھ ہاتھ بڑھا اور زبان سے وجوب وتوقیر کا اقرار اور دل سے اعتقاد کرتا ہوا اسے آنکھوں پر رکھ اور بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہ اعلان درود بھیج اور کوشش کے ساتھ اسے بار بار بجا لا۔

سیّد محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علاّمہ ممدوح فرماتے ہیں۔

مثال نعال المصطفٰی اشرف الورٰی
بہ موردلا یتبغی عنہ مصدرا

فقبلہ لثما وامسح الوجہ موقنا

بینہ صدق تلق ما کنت مضمرا

مصطفیٰ اشرف الخلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقشۂ نعل اقدس میں وہ مقام حضور ہے جس سے تُو رجوع نہ چاہے، تو اسے یقین اور سچی نیت کے ساتھ چہرے سے لگا، دل کی مراد پائے گا۔

محمد بن فرج سبتی فرماتے ہیں۔

فمن قبلتھا مثل نعل کریمۃ

بتقبیلھا یشفٰی سقام من اسمہ استشفٰی

اے میرے منہ اسے بوسہ دے، یہ نعل کریم کا نقشہ ہے اس کے بوسے سے شفا طلب کر، مرض دور ہوتا ہے۔

علامہ احمد بن مقری تلمسانی صاحب فتح المتعال فرماتے ہیں۔

اکرم بتمثال حکے نعل من

فاق الورٰی بالشرف الباذخ

طوبٰی لمن قبلہ منباء

یلثمہ عن حبہ الراسخ

کس قدر معزز ہے ان کی نعل مقدس کا نقشہ جو اپنے شرفِ عظیم میں تمام عالم سے بالا ہیں، خوشی ہوا سے جو اسے بوسہ دے اپنی راسخ محبت ظاہر کرتا ہوا۔

علامہ ابوالیمن ابن عساکر فرماتے ہیں۔

الثم ثری الاثر الکریم فحبذا
ان غزت منہ بلثم ذا التمثال

نعل مبارک کی خاک پر بوسہ دے کر اس کے نقشے ہی کو بوسہ دینا تجھے نصیب ہو تو کیا خوب بات ہے۔

علامہ ابو الحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی جنہیں علاّمہ عبد الباقی زرقانی نے شرح مواہب شریف میں احد فضلاء المغاربہ، کہا اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں:

مثال لنعلی من احب ھویتہ
فھا انا فی یومی لیلی لاثمہ

میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعلین مبارک کو دوست رکھتا اور رات دن اسے بوسہ دیتا ہوں۔

امام ابوبکر احمد ابن امام محمد بن عبداللہ بن حسین انصاری قرطبی فرماتے ہیں۔

ونعل خضعنا لھا لبھائھا و ان
متی نخضع لھا ابدا نعلوا
نفعھا علی اعلی المفارق انھا
حقیقتھا تاج و صورتھا نعل

اس نعل مبارک کے جلال انور سے ہم نے اس کیلئے خضوع کیا اور جب تک ہم اس کے حضور جھکیں گے بلند رہیں گے، تو اسے بالائے سر رکھ کہ حقیقت میں تاج اور صورت میں نعل ہے۔ (المواہب اللدنیۃ، ۲/۴۷۰)

شرح مواہب میں ان امام کا ترجمہ عظیمہ جلیلہ مذکور اور ان کا فقیہہ و

محدث و ماہر و ضابطہ و متین الدین و صادق الورع و بے نظیر ہونا مسطور ہے۔
امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری نے مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں ان امام کے یہ اشعار ذکر نقشہ نعل اقدس میں انشاء کئے اور مدحیہ علامہ ابو الحکم مغربی کو ما احسنھا اور نظم علامہ ابن عساکر کو للہ درہ' فرمایا۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

الثم الترب الذی حصل له النداوة من اثر النعل الکریمة ان امکن ذالک والا نقبل مثهالها (ذکر نعله صلی اللہ علیہ وسلم ۵/۴۸، دار المعرفة)

اگر ہو سکے تو اس خاک کو بوسہ دے جسے نعل مبارک کے اثر سے نم حاصل ہوئی ورنہ اس کے نقشہ ہی کو بوسہ دے۔

علامہ تاج الدین فاکہانی نے ''فجر منیر'' میں ایک باب نقشہ قبور لامعۃ النور کا لکھا اور فرمایا:

من فوائد ذلک ان من لم یمکنه زیارة الرّوضة فلیزز مثالها و لیلثمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل کما قد ناب مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع والخواص بشهادة التجربة الصیحة ولذ اجعلوا له من الاکرام والاحترام ما یجعلون للمنوب عنه الخ

یعنی اس نقشے کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضۂ عالیہ کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کر لے اور شوق سے اسے بوسہ دے کہ یہ مثال اس اصل کے قائم مقام ہے، جیسے نعل مقدس کا نقشہ منافع و خواص میں یقیناً اس کا قائم مقام ہوا، جس پر تجربہ صحیحہ گواہ ہے، ولہٰذا علمائے دین

نے نقشہ کا اعزاز واحترام ہی روا رکھا ہے، جو اصل رکھتے ہیں۔

سیّدی محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ صاحب دلائل الخیرات نے بھی علامہ مذکور کی پیروی کی اور دلائل شریف میں نقشہ روضہ مبارک لکھا اور خود اس کی شرح کبیر میں فرمایا:

انما ذکرتھا تابعا للشیخ تاج الدین الفاکھانی فانہ عقد باباً فی صفۃ القبور المقدسۃ و قال ومن فوائد ذالک الخ

بے شک میں نے اس کو شیخ تاج الدین فاکہانی کی تقلید میں ذکر کیا ہے کیونکہ انھوں نے قبور مقدسہ کے حالات میں ایک باب بیان کیا اور فرمایا اور اسی کے فوائد سے ہے۔م۔

اسی طرح علاّمہ محمد بن علی فاسی نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات (ص ۱۴۴) میں فرمایا:

حیث قال اعقبِ المؤلف رحمہ اللّٰہ تعالٰی و رضی عنہ ترجمۃ الاسماء بترجمۃ صفۃ الرّوضۃ المبارکۃ و القبور المقدسۃ موافقا فی ذالک و تابعاً للشیخ تاج الدین الفاکھانی فانہ عقد فی کتابہ الفجر المنیر بابا فی صفۃ القبور المقدسۃ و قال من فوائد ذلک ان یزور الامثال من لم یتمکن من زیارۃ الرّوضۃ و یشاھدہ مشتاقا و یلثمہ و یزد اد فیہ خبا و شوقا و قد استبابو امثال النعل عن النعل و جعلوا لہ من الاکرام والاحترام ما للمنوب عنہ و ذکروا لہ خواص و برکات وقد جربت الخ

مؤلف رحمہ اللہ نے اسماء کے بیان کے بعد روضہَ مبارکہ کا حال اور

قبور مقدسہ کا ذکر کیا، اس میں انھوں نے تاج الدین فاکہانی کی تقلید کی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں قبور مقدسہ کی صفت میں ایک باب باندھا ہے اور اس کے فوائد میں یہ بتایا کہ جو شخص روضۂ اقدس کی زیارت نہ کر سکے وہ اس تصویر ہی کو مشتاقانہ دیکھے اور بوسہ دے کر اپنے اشتیاق میں اضافہ کرے اس لئے آپ کی جوتی مبارک کے قائم مقام اس کی تصویر کو کیا گیا ہے، اور اس کی تعظیم وتکریم اصل کی طرح رکھی گئی ہے اور اس کے مجرب فوائد و کرامات ذکر کئے گئے ہیں۔م۔

دیکھو علمائے کرام کے یہ ارشادات، نقشوں کے باب ہیں جو خود عین منتسب بھی نہیں بلکہ اس کی مثال وتصویر ہیں تو غلاف کعبہ کو بعینہ معظم شرعی یعنی کعبہ معظّمہ سے خاص نسبت مس رکھتا ہے۔ اس کی نسبت بہ نیت تعظیم و تبرک ان افعال کے جواز میں شک وشبہ کیا ہے۔

فان المقتضی فی العموم موجود والمانع فی الخصوص مفقود و ذلک کافٍ فی حصول المقصود والحمد اللّٰہ العلی الودود

کیونکہ عموم میں مقتضی موجود اور خصوص میں مانع مفقود ہے اور مقصود کے حصول کو کافی ہے۔م۔

رہا لوگوں کا اس پر ہجوم کرنا، یہ بھی آج کی بات نہیں، قدیم سے آثار متبرکہ پر اہل محبت وایمان یوں ہی ہجوم کرتے آئے۔ صحیح بخاری شریف (کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب) وغیرہ کتب حدیث میں ہے، جب عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سال حدیبیہ، قریش کی طرف سے، خدمت اقدس حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ

میں حاضر ہوئے، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا۔

انہ لا یتوضاء الا ابتدروا وضوۃ و کادوا یقتتلون علیہ ولا یبصق بصاقا ولا یتنخم نخامۃ الا تلقوھا باکفھم قد لکوابھا وجوھم و اجساد ھم، الحدیث

یعنی جب حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں حضور کے آب وضو پر بیتا بانہ دوڑتے ہیں۔ قریب ہوتا ہے کہ آپس میں کٹ مریں، اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لعاب دہن مبارک ڈالتے یا کھکھارتے ہیں، اسے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں۔

کَادُوا یَقْتَتِلُوْنَ علیہ کی حالت کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے خود حضور پر نور صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مواجہہ عالیہ میں ثابت، کادوا یکونون علیہ لبدا سے کہ یہاں سوال میں مذکور بدر جہا زائد ہے، یوں ہی بوسۂ سنگ اسود پر ہجوم و تزاحم زمانِ قدیم سے ہے۔ بالجملہ اس نفس فعل کا جواز یقینی اور جب نیت تبرک و تعظیم شعائر اللہ ہے تو قطعاً مندوب اور شرفاً مطلوب۔ مگر پنجگانہ نماز کے بعد علی الدوام اس کی زیارت و تقبیل کا التزام اور جمعہ کے دن عام عوام کے بے قیدانہ ہجوم واز دحام میں اگر اندیشۂ بعض مفاسد دینیہ ہو تو اس تقید التزام و اطلاق ازدحام سے بچنا چاہیئے اور خود ہر وقت پیش نظر معلق رہنا باعث اسقاط حرمت ہوتا ہے، ولہٰذا حرمین طیبین کی مجاورت ممنوع ہوئی۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعد حج تمام قوافل پر درہ لئے دورہ فرماتے اور ارشاد کرتے:

''اے اہل یمن، یمن کو جاؤ، اے اہلِ شام، شام کا
راستہ لو، اے اہل عراق، عراق کو کوچ کرو،، کہ اس سے
تمہارے رب کے بیت کی ہیبت تمہاری نگاہوں میں
زیادہ رہے گی۔''

راہ اسلم وطریق اقوم یہ ہے کہ اسے کسی صندوقچہ میں ادب وحرمت کے ساتھ رکھیں اور احیاناً خواہ مہینے میں کچھ دن قرار دے کر بروجہ اجلال حسن و اعظام مستحسن اس کی زیارت مسلمین کو کرا دیا کریں جس طرح سلطان اشرف عادل نے شہر دمشق الشام کے مدرسہ اشرفیہ میں خاص درس حدیث کیلئے ایک مکان مسمّٰی بہ دارالحدیث بنایا اور اس پر جائداد کثیر وقف فرمائی، اور اس کی جانب قبلہ مسجد بنائی اور محراب مسجد سے شرق کی طرف ایک مکان نعل مقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تعمیر کیا اور اس کے دروازے پر مثّی کو اڑزر سے ملمع کر کے لگائے، بالکل سونے کے معلوم ہوتے تھے اور نقلِ مبارک کو آبنوس کے صندوق میں باادب رکھا اور بیش بہا پردوں سے مزّین کیا۔ یہ دروازہ ہر دوشنبہ و پنجشنبہ کو کھولا جاتا اور لوگ فیض زیارت سراپا طہارت سے برکات حاصل کرتے۔ کما ذکر العلامة المقری فی فتح المتعال وغیرہ فی غیرہ.

یہ مدرسہ و دارالحدیث مذکور ہمیشہ مجمع آئمہ وعلماء رہا ہے۔ امام اجل ابو زکریا نووی شارح صحیح مسلم اس میں مدرس تھے۔ پھر امام خاتم المجتہدین ابوالحسن تقی الدّین علی ابن عبدالکافی سبکی صاحب شفاء السقام ان کے جانشیں ہوئے، یوں ہی اکابر علماً درس فرمایا کئے۔

سلطان موصوف کے اس فعلِ محمود پر کسی امام سے انکار ماثور نہ ہوا،

بلکہ امید کی جاتی ہے، کہ خود اکابر اس کی زیارت میں شریک ہوتے، اور فیض وبرکت حاصل کرتے ہوں۔ محدث علامہ حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ نور النبر اس میں فرماتے ہیں۔

لشیخنا الامام المحدث امین المالکی ؎

وفی دار الحدیث لطیف معنی
وفیھا منتھی اربی وسؤ ے
احادیث الرسول علی تتلی
و تقبیلی لا ثار الرسولے

یعنی، ہمارے استاد امام محدث امین الدین مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مدرسہ دارالحدیث میں ایک لطیف مقصد ہے، اور اس میں میرا مقصود اور مطلوب بروجہ کامل حاصل ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ پر پڑھی جاتی ہیں اور حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کا بوسہ مجھے نصیب ہوتا ہے۔"

غرض طریقۂ زیارت تو یہ رکھیں، پھر جسے یہ ادب وحرمت، بے وقت و زحمت شرف بوس مل سکے فبہا، ورنہ صرف نظر پر قناعت کرے بوسۂ سنگ اسود کہ سنت مؤکدہ ہے، جب اپنی یا غیر کی اذیت کا باعث ہو، ترک کیا جاتا ہے، تو اس بوسہ کا تو پھر دوسرا درجہ ہے۔ ھذا ھو الطریق اسلم والحکم الوسطا لقویم الاقوم واللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل ومجدہ اتم واحکم.

مسئلہ

اکثر مخلوق خدا کا یہ طریق ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنج آیت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں، اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں، آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالی علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا، آنکھوں پر رکھنا، کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے، کلام سے خالی، پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون ومؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بیشک غلطی پر ہے، ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل ابہامین وارد:

اخرجه الديلمي في مسند الفردوس داورده الامام السخاوی فی المقاصد الحسنة والعلامة خير الدين الرملي في حواشي البحر الرائق و ذكره العلامه الجراحي فاطال و بعد اللتيا والتي قال لم يصح في المرفوع من هذا شئي كمله اثرة المحقق الشامي في ردالمختار.

اسے دیلمی نے مسند فردوس میں، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں (المقاصد الحسنہ ص ۳۸۳ رقم ۱۰۲۱) علامہ خیر الدین رملی نے حواشی بحر میں اور

علامہ جراحی نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا اور چون و چرا کے بعد کہا کہ اس سلسلے میں مرفوع حدیث صحت کو نہیں پہنچی جیسا کہ محقق شامی نے ردالمحتار میں اس کو اختیار کیا۔(ردالمحتار کتاب الصلوۃ، باب الاذان)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز، شرح نقایہ و فتاویٰ صوفیہ و کنز العباد و شامی حاشیہ درمختار کے اکثر ان میں مستندات علماء طائفہٗ اسمٰعیلیہ سے ہیں، وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔ فاضل قہستانی شرح وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولٰی من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللّٰہ علیک یا رسول اللّٰہ و عند سماع الثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یا رسول اللّٰہ ثم قال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفر الابھامین علی العینین فانہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یکون قائد الہ الی الجنۃ کما فی کنز العباد انتھٰی.

(جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان)

جاننا چاہیئے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ میں صلی اللہ علیہ یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے اور دوسرے میں قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ پھر فرمایا اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر دونوں انگوٹھوں کے ناخن دونوں آنکھوں پر رکھ کر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قائد ہوں گے جنت کی طرف، کما فی کنز العباد، انتہی۔ م

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں، ونحوہ فی الفتاویٰ الصوفیہ الخ پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بہ امید زیارت

روشنائی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت فعل وصحت حدیث و شناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر بنظر اپنے نفس فعل و اعتقاد کے بغیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی و منع کو مستلزم نہیں کـمـا صرح بـه الـفاضل علی القاری فی شرح الاربعین و هذا ظاهر جدا اور صیغہ اعمال میں تصرف استخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے، جیسا کہ تصانیف شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے ظاہر اور خود یہ نفس حکم تجویز استخراج بھی ان کے کلام میں مصرح۔ جوامع میں لکھتے ہیں:

"اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہ ہائے قرابادین فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت طلوع صبح صادق باسفار مقابل صبح نشستن و چشم را بہ آں نور دوختن و یا نور را گفتن یا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت می دہد الخ"

اور اسی میں ہے:

"چند نوع از کرامت از ہیچ والی الا ماشاء اللہ منفک نمی شود و ازانجملہ منامات صادقہ کشف و اشراف بر خواطر و ازانجملہ ظہور تاثیر در دعائے او و اعمال تصریفیہ او تا عالمے بہ فیض او منتفع شود الخ"

اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے، جیسے اطباء قرابادین کے نسخے تیار کرتے ہیں، فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ صبح صادق کے وقت جب روشنی پھیل جائے تو اس

روشنی کو ٹکٹکی باندھ کر ایک ہزار مرتبہ تک یا نور کہنے سے، قوت ملکیہ کو تقویت پہنچتی ہے" الخ اور اسی میں ہے "کرامتوں کی بعض اقسام ایسی ہیں جو شاید ہی کسی ولی میں نہ پائی گئی ہوں، ان ہی میں سے سچے خواب، کشف، دلوں کے حالات پر اطلاع، دعاؤں کی تاثیر، اور اعمال تصریفیہ کہ عالم اس سے مستفید ہو۔م۔

البتہ اسمٰعیلیہ کا حکم لزومی و التزامی کہ یہ فعل اور اس کے امثال محض حرام وسخت بددینی ومثل شرک مخل اصل ایمان اور زنا وقتل مومن سے بدتر، جس کے صغریٰ یعنی فعل کے ابتداع پر اسمٰعیلیہ کو خود اقرار اور کبریٰ تصریحات تقویۃ الایمان سے آشکار اگرچہ علمائے اسمٰعیلیہ بنظر مصلحت، اس سے تنزل کیا کریں، محض باطل اور مردود ومخذول ومطرود ہے۔ وعلیھم اثباتہ بالبرھان و لنارد علیھم باوضح بیان انشاء الرحمٰن المستعان اور پنج آیت کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا، اور فقیر کے نزدیک یہاں پر بنائے مذہب ارجح واضح، غالباً ترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہیئے۔ والعلم بالحق عند الملک العلام الجلیل.

مسئلہ

از بہار شریف محلہ شیخانہ متصل عیدگاہ، مرسلہ محمد یٰسین و محمد حسین طالبانِ علم ۹ شوال ھ

علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبر پر جانے کے وقت دروازے کی چوکھٹ چومنا اور پھر باوجود تعظیم اس پر پیر رکھ کر جانا کیسا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل کلی یہ ہے، کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہ کبریا علی الخصوص محبوبانِ خدا انحائے تعظیم حضرت عزت جل وعلا ہے۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّه عِنْدَ رَبِّهٖ

(پ ۱۷ الحج آیت ۳۰)

جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے پروردگار کے ہاں۔

وقال اللہ تعالیٰ!

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ

(پ ۱۷ الحج آیت)

جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللّٰہ اکرام ذی الشیبۃ مسلم و حامل القرآن غیر الغالی فیه و الجافی عنه و اکرام ذی السلطان المقسط

یعنی، بوڑھے مسلمان اور عالم باعمل اور حاکم عادل کی تعظیمیں اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہیں۔

رواہ ابی داؤد عن ابی موسی الاشعری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بسند حسن (کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلھم)

اور علمائے کرام قدیماً و حدیثاً فقہا و حدیثاً تصریحات فرماتے آئے کہ

"حرمت المسلم حیاً و میتاً سواء"
مسلمان زندہ مردہ کی حرمت یکساں ہے۔

ولہٰذا علماء نے وصیت فرمائی کہ قبر سے اتنا ہی قریب ہو جتنا زندگی دنیا میں صاحب قبر سے قریب ہو سکتا، اس سے زیادہ آگے نہ جائے عالمگیریہ (کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر) میں ہے:

فی التھذیب یستحب زیارۃ القبور و کیفیۃ الزیارۃ کزیارۃ ذلک المیت فی حیاتہ من القرب والبعد کذا فی خزانتہ الفتاویٰ

تہذیب میں ہے، قبروں کی زیارت مستحب ہے اور زیارت کی کیفیت وہی ہے جو اس میت سے بحالات زندگی ملاقات کی تھی، قرب و بعد کے لحاظ سے خزانۃ الفتاویٰ میں ایسا ہی ہے۔م

اور شک نہیں کہ تعظیم وتوہین کا مدار عرف و عادت پر ہے **کما حققہ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ فی اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** تو جس کی تعظیم شرعاً مطلوب ہے وہاں جو جو افعال وطریق حسب عرف و عادت قوم کئے جاتے ہیں، اسی مطلوب شرعی کے تحت میں داخل ہوں گے۔ جب تک کسی خاص فعل سے نہی شرعی نہ ثابت ہو، جیسے سجدہ یا قبر کی طرف نماز کہ یہ شرعاً ممنوع ہیں۔ ولہٰذا امام محقق علی اطلاق نے فتح القدیر، پھر علامہ سندھی نے لباب میں اور ان کے سوا اور علمائے کرام نے زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرمایا:

ما کان ادخل فی الاکرام والاجلال کان حسنا

(فتح القدیر کتاب الحج)

جو کچھ تعظیم واجلال میں زیادہ داخل ہو خوب ہے۔

ابن حجر مکی نے "جوہر منظم" میں فرمایا:

تعظیم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللّٰہ تعالٰی فی الا لوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللّٰہ ابصارھم(الفصل الاول، ص ۱۲)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان جمیع اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں حضرت عزت سے الوہیت میں شریک کرنا لازم نہ آئے امر مستحسن ہے، ان سب کے نزدیک جن کی آنکھیں اللہ تعالٰی نے روشن کی ہیں، یعنی جنہیں نور ایمان بخشا ہے۔

ومن لم یجعل اللّٰہ لہ نوراً فما لہ من نور(۲۴/۴۰) جب یہ اصل کلی معلوم ہوگئی، حکم صورت مسؤلہ منکشف ہوگیا، آستانہ بوسی پر یہ اعتراض کہ اول چومیں گے پھر پاؤں رکھ کر جائیں گے، محض نادانی ہے۔ کعبہ معظمہ ومسجد حرام شریف میں بھی یہی صورت ہے، اور ضرورت ایک دوسرے کے منافی نہیں۔

منسک متوسط (ص ۱۷۰) میں ہے:

ثم یاتی الملتزم و یاتی الباب و یقبل العتبۃ ویدعو و یدخل البیت:

پھر ملتزم کے پاس آئے اور دروازے میں آ کر چوکھٹ کو چومے اور دعا کرے۔ نم

مسلک متقسط (ص ۸۷) میں ہے:

یستحب ان یدخل المسجد من باب السلام حافیا و زاد فی کنز العباد و یقبل عتبۃ

مستحب یہ ہے کہ مسجد میں ننگے پاؤں باب السلام سے داخل ہو اور کنز

العباد میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی چوکھٹ کو بوسہ دے۔م۔

اور شک نہیں کہ آستانہ بوسی عرفاً انحائے تعظیم سے ہے اور شرعاً اس سے منع ثابت نہیں تو حکم جواز چاہیئے۔

اقول و باللہ التوفیق مگر یہاں ایک دقیقہ[1] انیقہ اور ہے جس پر اطلاع نہیں ہوتی، مگر بتوفیق حضرت عزت عز جلالہ شرع مطہر کا قاعدہ عظیمہ جلیلہ معروفہ مشہورہ ہے کہ الامور بمقاصدھا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ

(صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃ)

یقیناً اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی اجر ہےجس کی اس نے نیت کی ہو۔م

انحنا، یعنی جھکنے اور پیٹھ دُوہری کرنے سے کسی کی تعظیم شرعاً مکروہ ہے، اور جب بقدر رکوع یا اس سے زائد ہو تو کراہت سخت واشد ہے۔

حدیث میں ہے:

قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلرَّجُلُ مِنَّا یَلْقٰی اَخَاہُ اَوْ صَدِیقَه اَیَنْحَنِیْ لَه قَالَ لَا اَلْحَدِیث رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَه عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ (مشکوۃ کتاب الاداب، باب المصافحۃ المعانقۃ، دوسری فصل بحوالہ ترمذی)

ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا انسان کو اپنے دوست دار یا دوست سے ملتے وقت جھکنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اسے ترمذی (ابواب الادب) اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

---

[1] عجیب باریک نکتہ۔ م [2] کاموں کا مدار ان کے مقاصد پر ہے۔م

عالمگیریہ (کتاب الکراہیۃ) میں ہے:

الانحناء للسلطان و لغیرہ مکروہ لانّہ یشبہ فعل المجوس کذا فی جواھر الاخلاطی. یکرہ الانحنا ولا یحوز التحیۃ و بہ وورد النھی کذا فی التمرتاشی تجوز الخدمۃ لغیر اللّٰہ تعالٰی بالقیام واخذ الید والانحنا و لا یحوز السجود الا اللّٰہ تعالٰی کذا فی الغرائب انتھی قلت و کان محمل ھذا علی ما اذا لم یبلغ الرکوع فیکرہ تنزیھا وھو یجامع الجواز کما نصوا علیہ، واللّٰہ تعالٰی اعلم

عالمگیریہ میں ہے، بادشاہ وغیرہ کے لئے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ مجوس کے فعل کے مشابہ ہے، جواہر اخلاطی میں ایسا ہی ہے، سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے، اس کے بارے میں نہی وارد ہوئی ہے۔تمرتاشی میں یہی ہے غیر اللہ کی تعظیم کھڑے ہوکر، ہاتھ پکڑ کے اور جھک کر جائز ہے،اور سجدہ اللہ کے سوا کسی کو جائز نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ اتنا جھکنا کہ حدِ رکوع کو نہ پہنچے یہ صرف مکروہ ہوگا، اگرچہ جائز ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔م

مگر محلِ ممانعت یہی ہے، کہ نفس انحنا سے مقصود اصل غرض تعظیم کما ھو مفاد قولہ اینحنی لہ و فحوے قولھم عندا التحیۃ و یعطیہ الحصر فی قولھم بہ ورد النھی الخ

اور اگر مقصود کوئی اور فعل ہے، اور انحنا خود مقصود نہیں بلکہ اس فعل کا محض وسیلہ وذریعہ ہے، تو ہرگز ممانعت نہیں، و ھو اظھر من ان یظھر

عالم دین یا سلطان عادل کی تعظیم و خدمت کے لئے اس کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر حاضر لانا، یا بچھونا کرنا یا وضو کرانا، پاؤں دھلانا، یا اس کا جوتا اُٹھایا، مجلس سے اُٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرنا، یہ سب افعال تعظیم و تکریم ہی ہیں، اور ان کے لئے جھکنا ضرور مگر یہ انحناز نہار ممنوع نہیں کہ مقصود ان افعال سے تعظیم ہے، نہ جھکنے سے یہاں تک کہ اگر بے جھکے یہ افعال ممکن ہوں جھکنا نہ ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھانا، وضو کرانا، حضور جب مجلس میں تشریف رکھیں، نعلین اقدس اُٹھا کر اپنے پاس رکھنا، جب تشریف لے چلیں، حاضر لا کر سامنے رکھنا، یہ دونوں جہان کی عزتیں مبارک، معزز خدمتیں بارگاہ رسالت سے حضرت فقیہ الصحابہ سیّدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سپرد تھیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین و الوسادة والمسواک و المطهرة (بخاری کتاب المناقب، مناقب عمار و حذیفہ رضی اللہ عنہما)

کیا تمہارے پاس ابن ام عبد جوتوں، گدّے، مسواک اور طہارت حاصل کرنے کے برتن کی حفاظت کرنے والے نہیں؟ ۔م

مرقاۃ (ج ۱۰ ص ۵۷۰، باب جامع المناقب) میں ہے:

قال القاضی یرید به انه کان یخدم الرسول صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم و یلازمه فی الحالات کلها فی صاحبه فی المجالس و یأخذ نعله و یضعها اذا جلس و حین نهض و یکون

معه فی الخلوات مضجعه و یضع و سادته اذا ارادان نیام ولیهٔی له طهوره و یجعل معه المطهرة اذاقام الی الوضوء اھ

قاضی (عیاض) نے کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ (ابن ام عبد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ وقت خدمت کیا کرتے تھے، مجالس میں آپ کے ساتھ رہتے، اور جب آپ تشریف رکھتے تو آپ کی نعلین پاک رکھتے، اور جب اُٹھتے تو بھی، اور تنہائیوں میں آپ کے ہمراہ ہوتے اور آپ کا بستر درست فرماتے تھے۔ جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تو آپ کا بچھونا بچھاتے اور پاکیزگی کے لئے پانی تیار کرتے تھے، جب آپ وضو کا ارادہ فرماتے تھے۔م۔

اور سب سے اظہر واز ہر وہ حدیثیں ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک چومنا وارد۔ فقیر نے یہ حدیثیں اپنے فتاویٰ میں جمع کی ہیں۔ ازا نجملہ، حدیث وفد عبدالقیس کی امام بخاری نے ادب مفرد اور ابو داوٗد نے سنن میں حضرت زارع بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی:

فَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ فَنُقَبِّلُ يَدَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمُ وَرِجْلَه. (ابوداؤد کتاب الاداب باب قبلة الرجل، مشکوٰۃ کتاب الآداب، باب المصافحة و المعانقة، دوسری فصل)

ہم جلدی جلدی دوڑے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پیر چومنے لگے۔م

ظاہر ہے کہ پاؤں چومنے کے لئے تو زمین تک جھکنا ہوگا، مگر سید عالم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جائز رکھا کہ مقصود بوسۂ قدم سے تعظیم ہے نہ نفس انحنا سے یہی سر نفیس ہے، کہ علمائے کرام نے تحیت و مجرا کے لئے زمین بوسی کو حرام بتایا کہ اس میں جھکنے ہی سے تعظیم کی جاتی ہے، یہاں تک کہ زمین کو منہ لگا دیا۔

عالمگیریہ (کتاب الکراہیۃ) میں ہے:

من سجد للسلطان علٰی وجه التحية او قبل الارض بين يديه لا يكفر و لكن يأثم ولا رتكابه الكبيرة و هو المختار كذا في جواهر الاخلاطي و في الجامع الصغير تقبيل الارض بين يدى العظيم حرام و ان الفاعل و الراضى اثم كذافي التاتا رخانيه و تقبيل الارض بين يدى العلماء والزهاد فعل الجهال الفاعل والراضى اثمان كذا في الغرائب انتهى باختصار.

جس نے سلام کے طور پر بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس کے سامنے زمین بوسی کی تو کافر تو نہ ہوگا، گنہگار ہے، کیونکہ وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ یہی مختار ہے، جواہر اخلاطی میں یہی ہے۔ جامع صغیر میں ہے، کسی بڑے آدمی کے سامنے کی زمین کو بوسہ دینا حرام ہے، یہ کرنے والا اور اس پر راضی دونوں گنہگار ہیں، تتارخانیہ میں ایسا ہی ہے، علماء اور بزرگوں کے سامنے سجدہ کرنا جاہلانہ کام ہے، کرنے والا اور راضی دونوں گنہگار ہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے، بہ اختصار۔م۔

اور علمائے کبار بے نکیر وانکار زمین مدینہ طیبہ کو بوسہ دینے اور اس کی خاک پر منہ اور رخسارے ملنے کی قسمیں کھاتے اور ممکن ہو تو وہاں آنکھوں اور

سر سے چلنے کی تمنائیں فرماتے اور اسی کو واجب بلکہ پورے واجب سے بھی کم بتاتے ہیں کہ یہاں تعظیم بالانحنا مقصود نہیں بلکہ براہ محبت و بطور تبرک اس زمین پاک کو بوسہ دینا اس کی خاک سے چہرہ نورانی کرنا، بن پڑے تو پاؤں رکھنے سے اس عظمت والے مقام کو بچانا۔

امام اعظم قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "کتاب الشفافی تعریف حقوق المصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں۔

وجدیر لمواطن اشتملت تربتھا علٰی جسد الشریف و مواقف سید المرسلین ومتبوأ خاتم النّبیین واوّل ارض مس جلد المصطفٰی ترابھا ان تعظم عرصاتھا و تنسم نفحاتھا و تقبل ربوعھا وجدرانھا (ج ۲ ص ۴۵، ۴۶، مطبوعہ ملتان)

اھ مختصراً یعنی، لائق ہے ان مواضع کو جن کی زمین جسم پاک سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیام گاہیں، خاتم النبیین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے قیام اور وہ پہلی زمین جس کی مٹی نے جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مس کیا کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے اور اس کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سونگھی جائیں اور منزلیں اور دیواریں چومی جائیں۔

وعلٰی عھد ان ملأت محاجری
من تلکما الجدران والعرصات
لاعفرن مصون شیبی بینھا
من کثرۃ التقبیل والرشفات

(ترجمہ اشعار) اور مجھ پر عہد ہے کہ اپنی آنکھوں کے
گوشے ان دیواروں اور میدانوں سے بھروں گا، خدا کی
قسم میں اپنی سفید ڈاڑھی کہ گرد وغیرہ سے بچائی جاتی ہے،
ان میدانوں میں کثرت بوسہ بازی سے ضرور خاک
آلودہ کروں گا۔

علامہ سندھی، تلمیذ امام ابن الہمام، نے لباب المناسک میں فرمایا:

اذا وقع البصر علٰی طیبة و اشجارها المعطرة بخیر الدارین و صل وسلم علی النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم والاحسن ان ینزل من راحلته بقربها و یمشی حافیا ان اطاق تواضعا للّٰه و رسوله صلی الله تعالی علیه وسلم و کلما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا بل لو مشی هناک علٰی احداقه و بذل المجهود من تذلله واتواضعه کان بعض الواجب بل لم یف بمعشار عشرة (لباب المناسک مع ارشاد الساری، ۳۳۵، ۳۳۶)

یعنی، جب مدینہ طیبہ اور اس کے مہکتے ہوئے درختوں پر نظر پڑے، دونوں جہاں کی بھلائی مانگے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صلوٰۃ وسلام عرض کرے، اور بہتر یہ ہے، کہ مدینہ طیبہ کے قریب سواری سے اتر لے۔ اور ہو سکے تو روتا ہوا برہنہ پا چلے، اللہ اور اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے تواضع کے لئے اور جو کچھ ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھے خوب ہے، بلکہ وہاں آنکھوں کے بل چلے، اور تذلل وفروتنی میں پوری کوشش خرچ کر دے تو واجب کا ایک حصہ ہو بلکہ سوواں بھی ادا نہ ہو

اللّٰھم صل و سلم و بارک علیہ و علی الہ و صحبہ کما ینبغی فی حقہ العظیم امین۔

امام احمد قسطلانی، صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری شریف میں امام، حافظ الحدیث ،فقیہہ، علامہ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن رشد سے نقل فرماتے ہیں:

"سفر مدینہ طیبہ میں میرے رفیق ابوعبداللہ و زیر ابن القاسم بن الحکم ساتھ تھے، ان کی آنکھیں دکھتی تھیں، جب میقات مدینہ طیبہ پر آئے، ہم سواریوں سے اتر لئے، پیادہ پا چلتے ہی انھیں آثار شفا نظر آئے، فوراً حسب حال ارشاد کیا:

وبالتراب منها اذا كحلنا جفوننا
شفينا ولا بأسا نخاف ولا كربا
نسحّ سجال الدمع فی عرصاته
ونلثم من حب مواطنه التربا

جب اس کی خاک کا ہم نے سرمہ لگایا شفا پائی تو اب کسی شدت و تکلیف کا اندیشہ نہیں۔ ہم آنسوؤں کے ڈول اس کے میدانوں میں بہاتے ہیں اور اس زمین پر چلنے والے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں خاک کو چومتے ہیں۔

پھر خود اپنے حال میں فرماتے ہیں۔ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب

پہنچے اور سب اہل قافلہ پیادہ ہوئے، میں نے کہا:

اتیتک زائرا وودت انی
جعلت سواد عینی امتطیہ
ومالی لا اسیر علی المآقی
الی قبر رسول اللہ فیہ

(المواہب اللدنیہ، المقصد العاشر الفصل الثانی، ۴/۵۷۷، بیروت)

میں زیارت کے لئے حضور میں حاضر ہوا اور تمنا تھی کہ اپنی آنکھ کی پتلی پر اس پر اس راہ میں چلوں آنکھوں کے بل اس مزار پاک کی طرف جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض فرماتے ہیں:

کان الشیخ احمد بن الرفاعی کل عام یرسل مع الحجاج السلام علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فلما زارہ وقف تجاہ موقدہ وانشد ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض منّی فهی نائبتی
وھذہ نوبۃ اشباح قد حضرت
فامدد دیدیک لکی تخطی بها شفتی

(نسیم الریاض شرح الشفاء ۳/۴۴۲، بیروت)

فقیل ان الید الشریفۃ بدأت لہ فقبلها و هنئًا لہ ثم هنیئاً

یعنی، امام اجل، قطب اکمل حضرت سیّد احمد رفاعی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ہر سال حاجیوں کے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام عرض کر بھیجتے۔ جب خود حاضر آئے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ۔

میں جب دور تھا، تو اپنی روح بھیج دیتا تھا کہ میری طرف سے زمین کو بوسہ دے، تو وہ میری نائب تھی، اور اب باری بدن کی ہے کہ جسم خود حاضر ہے، دست مبارک عطا ہو کہ میرے لب اس سے بہرہ پائیں۔

کہا گیا کہ دست اقدس ان کے لئے ظاہر ہوا۔

انھوں نے بوسہ دیا، تو بہت بہت مبارک ہو ان کو۔

علامہ احمد بن مقری فتح المتعال میں فرماتے ہیں، جب امام اجل، علامہ تقی الملت والدین ابوالحسن علی سبکی ملک شام میں بعد وفات امام اجل ابو زکریا مدرسہ جلیلہ اشرفیہ میں دارالحدیث کے درس دینے پر مقرر ہوئے فرمایا:

وفی دارالحدیث لطیف معنی
الی بسط لھا اصبوواوی
لعلی ان امس بحر وجھی
مکانا مس قدم النواوی

دارالحدیث میں ایک معنیٰ لطیف ہے۔ میں اس کے بستروں کی طرف میل کرتا اور قرار پکڑتا ہوں۔ شاید میرا

چہرہ لگ جائے اس جگہ پر جہاں امام نووی کے قدم چھو
گئے ہوں۔

پس خلاصہ امر یہ قرار پایا، کہ اگر آستانہ بلند ہو کہ بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلاشبہ اجازت ہے اور اگر پست خصوصاً زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے، اس کے مجرے کی نیت سے جھک کر بوسہ دیا تو ناجائز ہے، اور اگر محض بہ نظر تبرک اور جب اپنے نفس انحنا سے تعظیم مقصود نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالیٰ ولی التحقیق ، پھر بھی عالم مقتدا اور ایسی طرح پیر اس شخص کو جس کے کچھ اتباع ہوں، کہ اس کے افعال اتباع کریں، اسے مناسب ہے کہ اپنے عوام متبعین کے سامنے نہ کرے، مبادا وہ فرق نیت پر آگاہ نہ ہوں اور اس کے فعل کو سند جان کر بے محل بجا لائیں۔ ایسی حالت میں صرف اس قدر کافی ہے کہ آستانے کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پر پھیرے جس طرح حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم منبر انور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے۔

شفا شریف (ج ۲ ص ۷۰) میں ہے:

روی ابن عمر واضعایدہ علیٰ مقعد النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعھا علیٰ وجھہ عن ابن قسیط و المجتبیٰ کان اصحاب النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا خلی المسجد حسوار مّانة المنبر التی تلی القبر بمیا منھم ثم استقبلوا القبلة یدعون

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا گیا کہ انھوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف پر اس جگہ ہاتھ لگایا جہاں آپ تشریف رکھتے تھے پھر اس کو اپنے منہ پر لگایا۔ ابن قسیط اور مجتبیٰ سے مروی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، جب مسجد خالی ہوتی تھی تو اس کے کنگروں کو اپنے دائیں ہاتھوں سے چھوتے تھے، جو منبر کے قریب تھا پھر قبلہ رو ہو کر دعائیں کرتے تھے۔ م

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں کمافی مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفأ۔

علامہ خفاجی نسیم الرّیاض (۴۳۴/۳، بیروت) میں فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی الجواز التبرک بالانبیاء و الصّٰلحین وآثارھم وما یتعلق بھم مالم یؤد الٰی فتنۃ او فساد عقیدۃ و علی ھذہ یحمل ماروی عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ من انہ قطع الشجرۃ التی وقعت تحتھا البیعۃ لئلا یفتتن بھا النّاس لقرب عھدھم بالجاھلیۃ فلا منا فاۃ بینھا ولا غیرہ بمن انکر مثلہ من جھلۃ عصرنا و فی معناہ انشدوا

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور صالحین اور ان کے آثار سے اور متعلقات سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ فتنہ یا فساد عقیدہ پیدا نہ ہو، اور اسی پر وہ حدیث محمول ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے اس درخت کو کاٹ دیا تھا جس کے نیچے بیعت (رضواں) لی گئی تھی، کیونکہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے قریب تھے تو فتنے کا احتمال تھا،

اور ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اور ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں جو ہمارے زمانے کے جاہلوں میں سے ہیں۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے ادا کیا ہے۔

امر علی الدّیار دیار لیلٰی
اقبل ذالجدار والجدارا
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولٰکن حب من سکن الدّیارا

شعر: میں لیلٰی کے شہر پر گزرتا ہوں، اس دیوار اور
اس دیوار کو چومتا ہوں، شہروں کی محبت نے میرے دل کو
نہیں گھیرا ہے، یہ تو ان لوگوں کی محبت ہے جو اس شہر میں
رہتے ہیں۔م۔

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکم۔ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بحمدن المصطفٰی النبی الامّی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحُجَّۃُ الْفَآئِحَہ

دِن مُعین کرکے مُردے کی فاتحہ اور اس کو ایصالِ ثواب جائز ہے

تصنیفِ لطیف

امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا الشاہ امام
احمد رضا خاں
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
فاضل بریلوی

تقدیم

مرنے کے بعد میت نہ تو کوئی نیک کام کر سکتی ہے اور نہ ہی توبہ و استغفار، اسلام نے مرنے والوں کی بخشش کا ایک ذریعہ ان کے زندہ بھائیوں کو بنایا ہے اور زندوں کو یہ حق مرحمت فرمایا ہے کہ وہ نیکیاں کر کے اللہ کے حضور دعا کریں کہ ان کا ثواب ان کے مردہ مسلمان بھائیوں کو پہنچے۔ اس موضوع پر قرآن و حدیث میں بیشمار دلائل ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ہے۔

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيْراً (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت ۲۴)

اے میرے رب، تو ان دونوں پر (ماں باپ پر) رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

دوسری آیت میں ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ٥ (پ ۲۸ الحشر آیت ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے، کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو بحالت ایمان ہم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ زندہ لوگ مردوں کو کچھ فیض پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بعد والے لوگوں کی تعریف و مدح کے طور پر یہ بات بتائی ہے کہ وہ اپنے مردوں سے لاتعلق نہیں ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے حق میں دعائے خیر اور طلب مغفرت کرتے ہیں۔

یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر مردوں کو زندوں کے کسی فعل سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا ہے تو دعا بھی زندوں کا فعل ہے، یہ عبث اور بے کار ہوں، اس لئے قرآن میں یہ بیان کیا جاتا "کہ بعد والے بڑے بے عقل ہیں کہ مُردوں کیلئے طلب مغفرت، جوایک عبث کام ہے، کرتے ہیں، ان کو جو کچھ ملنا تھا، ان کے اپنے اعمال سے ملنا تھا، سووہ ختم ہوئے" لیکن اس کے برعکس قرآن نے ان لوگوں کی تعریف کی، جو اس امر کا غیر مبہم ثبوت ہے کہ زندوں کی کوششیں مردوں کے حق میں بارآور ہوتی ہیں اور یہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم: ۳۹) سے متصادم نہیں۔

یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کہ اس طرح تو زندہ لوگ عمل صالح چھوڑ دیں گے کیونکہ جب انھیں معلوم ہوگا کہ مرنے کے بعد محلے والے اور مسجد والے ہمیں از خود بخشوالیں گے تو پھر خواہ مخواہ عمل خیر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا جواب ظاہر ہے، کہ ایسا سوچنے والا سخت خسارے میں ہے۔ اوّل تو اس کو کیا معلوم کہ دوسرے اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے بھی یا نہیں، دوسرے یہ کہ اللہ کے یہاں ان کی دعائے مغفرت مرتبۂ قبولیت بھی حاصل کر سکے گی یا نہیں، اس لئے ہر شخص کو چاہیئے کہ خود ہی مصروفِ عمل رہے، دوسروں کا تو محض ایک سہارا ہے اس مسئلے کو اس کی تمام تفصیلات اور دلائل سے اس رسالے میں ملاحظہ کیجئے۔

الحجّة الفائحه لطيب التعين والفاتحه

۱۳۰۷

یعنی مہکنے والی حجت فاتحہ اور دن کی تعین پر یہ
اعلیٰ حضرت کے فارسی رسالے کا ترجمہ ہے۔

مرتب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

استفتا

تیجا، دسواں، چالیسواں، ششماہی اور سالانہ (ایصال ثواب) دیار ہند میں جو مروج ہے اسے بعض علماء بدعت قبیحہ اور مکروہ کہتے ہیں اور کئی اقوال اس کی درستی پر دال ہیں، عام لوگ مردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے کھانا پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ پڑھتے ہیں، اسے علماء ظاہر، غیر مقلّد، فاتحہ کی وجہ سے مرداراور حرام جانتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ طریقہ زمانۂ نبوی، صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دور میں نہ تھا لہٰذا بزرگان دین کی نیاز (ایصال ثواب) کا طعام اور شیرینی مردار کی طرح ہے۔ بنا بریں شریعت کا جو حکم واجب التعمیل ہو سند کتاب سے بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مختصراً اس مسئلے میں حرف آخر یہ ہے کہ ایصال ثواب اور اموات کو ہدیۂ اجر پہنچانا تمام اہل سنت و جماعت کے اتفاق سے پسندیدہ اور شریعت میں مستحب ہے۔ حضور سید الابرار علیہ افضل الصلات من الملک الجبار سے بہت سی حدیثیں اس کار خیر کی تصویب و ترغیب میں وارد ہوئی ہیں۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدر میں اور امام علامہ فخر الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں، علامہ فاضل ملا علی قاری نے مسلک متقسط میں اور دیگر آئمہ نے دیگر کتب میں ان

میں سے کچھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔ بے شک اس کارِ خیر کا انکار بے وقوف، جاہل کر سکتا ہے، یا پھر گمراہ اور باطل پرست۔ اس دور کے اہل بدعت (امور خیر کے منکر) جن میں مخفی طور خونِ اعتزال جوش زن ہے معتزلہ کی نیابت اور وکالت میں ایصال ثواب کا انکار کرتے ہیں اور اہلسنت کے اجماع یقینی کا یکسر انکار کر دیتے ہیں۔ پھر (یہ بھی پیش نظر رہے) کہ بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے اور اسی کو جمہور آئمہ نے صحیح و معتمد قرار دیا ہے کہ ثواب کا پہنچنا عبادات مالیہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عبادات مالیہ اور بدنیہ دونوں کو شامل ہے۔ یہی آئمہ حنفیہ کا مذہب ہے، بہت سے شافعی محقق اسی کے قائل ہیں، اس پر اکثر علماء ہیں اور یہی صحیح اور راجح و منصور ہے۔ پھر (یہ بھی تو دیکھئے) کہ قرآن مجید پڑھنا اور صدقہ کرنا اور ان دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچانا، اس میں یہی تو ہے کہ ایک اچھے کام کو دوسرے اچھے کام سے اور ایک مستحب کو دوسرے مستحب سے جمع کر دیا گیا ہے اور ہرگز ان میں سے ایک دوسرے کو منافی نہیں جیسے نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا اور نہ ہی شریعت نے ان دونوں کو جمع کرنے سے منع کیا ہے جیسے کہ رکوع و سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے، لہٰذا ان (دو اچھے کاموں کے جمع کرنے) کو ممنوع کہنا دائرہ عقل و خرد سے باہر جانے کے برابر ہے۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی ''احیاء العلوم'' (کتاب آداب السماع و الوجد ج ۲ ص ۲۷۳) میں فرماتے ہیں:

''جب ایک ایک کام حرام نہیں تو مجموع کیوں حرام ہوگا۔''

اسی میں ہے:

''چند مباح جمع ہو جائیں تو مجموع بھی مباح رہے گا۔''

اس نفیس قاعدے کی تحقیق امام المدققین، خاتم المحققین، حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں فرمائی ہے اور یہ مطلب صحیح حدیثوں سے استنباط فرمایا ہے، جو چاہے اس کے مطالعے کا شرف حاصل کرے۔ خود منع کرنے والے فرقے کے امامِ اول مولوی اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کلام مجید اور طعام کے اجتماع کی خوبی ہے و مسلم ہے۔

"صراط مستقیم" (ص ۶۴) میں اسی طرح راہ تسلیم و اعتراف پر چلتے ہیں:

"جب میت کو نفع پہنچانا ہی مقصود ہے تو کھانا کھلانے پر توقف نہیں ہونا چاہیئے، اگر میسّر ہو تو بہتر ہے ورنہ سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب نہایت بہتر ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ ایصال ثواب کا طریقہ رب الارباب جل و علا کے دربار میں دُعا ہی ہے، امام الطائفہ "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں:

"مسلمان جو عبادت ادا کرے اور اس کا ثواب کسی گزرے ہوئے کی روح کو پہنچادے اور ثواب پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی میں دعائے خیر ہے۔ یہ بھی یقیناً بہتر اور خوب ہے۔" (ص ۵۵، ہدایت اولیٰ در ذکر بدعاتیکہ الخ)

ہاتھوں کا اُٹھانا مطلق دعا کے آداب سے ہے، حصن حصین (آداب الدعاء ص ۱۷) میں فرماتے ہیں۔ اداب الدعاء منها بسط اليدين ت مس ورفعها۔" یعنی صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ دونوں ہاتھوں کا اُٹھانا آداب دعا سے ہے، ہمارے آئمہ و علماء کا کیا پوچھتے ہو خود طائفہ منکرین کا امام ثانی (مولوی محمد اسحٰق) "مسائل اربعین" میں کہتا ہے:

"تعزیت کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا، ظاہر یہ

ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ حدیث شریف میں مطلقاً دعا
کے وقت ہاتھ اُٹھانا ثابت ہے، لہٰذا اس وقت بھی
مضائقہ نہ ہوگا لیکن بالخصوص تعزیت کے وقت دعا کے
لئے ہاتھ اُٹھانا منقول نہیں ہے۔"

دیکھئے' بالخصوص و(تعزیت کے وقت دعا کے لئے) ہاتھ اُٹھانے کو غیرمنقول کہا لیکن مطلق (دعا کے وقت ہاتھ اُٹھانے کی حدیث) سے جواز کی تائید کی ،اور کہا کہ اس طرح کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، الحاصل ان اُمور سے ہرگز کوئی ایسا امر نہیں جو شریعت مطہرہ میں ناپسندیدہ ہو۔ محض کسی امر کے خصوصی طور پر (حدیث شریف) میں، وارد نہ ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا واضح غلطی اور جہالت ہے۔ فقیر نے بفضلہٖ تعالیٰ اس بحث کو مجموعۂ مبارکہ''البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ '' میں بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ علمائے اہل سنت نے ان دعویداروں کو بارہا گھر تک پہنچایا اور خاک ذلت پر بٹھایا ہے، تفصیل اور طوالت کی ضرورت نہیں، لیکن......

امام الطائفہ (ثانی) نے عدم ورود کو تسلیم کرنے کے باوجود اس مسئلے میں جو کچھ کہا ہے سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ رسالہ مطبوعہ''زبدۃ النصائح'' میں تقریر ذبیحہ میں کہتے ہیں:

''کنواں کھودنے اور ایسی ہی دوسری چیزوں اور دعا و
استغفار و قربانی کے علاوہ قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور کھانا
کھلانے کے تمام طریقے بدعت ہیں، گویا بالخصوص بدعت
حسنہ ہیں، مثلاً عید کے دن معانقہ کرنا اور صبح یا عصر کی نماز
کے بعد مصافحہ کرنا۔''

طائفہ منکرین، کو اپنے امام (ثانی) سے پوچھنا چاہیئے کہ آپ ...... ان طریقوں کو عموماً اور فاتحہ خوانی کو خصوصاً بدعت و محدث جانتے ہیں اس کے باوجود "حسنہ" کس طرح کہتے ہیں اور طائفہ (وہابیہ) کے خلاف راستہ کیسے اختیار کرتے ہیں، پھر عید کے دن معانقے کا ذکر تو اور بھی دشوار ہے۔ ہاں اس امام کی تلون مزاجی کی وجہ ہی سے ان کے متبعین کو جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ معلم ثانی کا کلام ابھی گذرا ہے کہ اس نے خصوصیت کے وارد نہ ہونے کے باوجود مضائقہ نہ جانا

اب ہم امام الطائفہ کے اکابر معتمدین اساتذہ و مشائخ سے چند اقوال نقل کرتے ہیں تاکہ بے باک روجان لیں کہ شریعت کے منع کئے بغیر "فاتحہ" کو حرام کہنا اور فاتحہ کے طعام، بزرگان دین قدست اسرارہم کی نیاز کی شیرینی کو حرام و مردار کہنا کیسی سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے برے دن دکھاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ "انفاس العارفین" میں اپنے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

> (ایک دفعہ) "حضرت رسالہ کی رحلت کے دنوں میں کوئی چیز میسر نہ ہوئی کہ کھانا پکا کر آپ کی نیاز دی جا سکے، میں نے کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز دیا۔" الخ۔ (انفاس العارفین اُردو ص ۱۰۶، المعارف لاہور)

درثمین فی مبشرات النبی الامین (ص ۴۰، کتب خانہ علویہ رضویہ فیصل آباد) میں اسی بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں:

> بائیسویں حدیث "مجھے میرے والد ماجد نے بتایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں

ثواب پیش کرنے کے لئے کھانا پکایا کرتا تھا، ایک سال
مجھے کھانا تیار کرنے کے لئے کچھ نہ ملا، صرف بھنے ہوئے
چنے ملے، میں نے وہی لوگوں میں تقسیم کر دیئے، میں نے
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شادمان و فرحاں دیکھا،
آپ کے سامنے وہی چنے تھے۔" (ذکر طریقہ ختم خواجگان
چشت ص ۱۰۰ برقی پریس، دہلی)

یہی شاہ صاحب، انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں کہ:

"کچھ شیرینی پر عموماً خواجگانِ چشت کے نام فاتحہ پڑھیں
اور اللہ تعالیٰ سے حاجت کی دعا کریں، ہر روز اسی طرح
پڑھیں۔":

لفظ "شیرینی" اور فاتحہ ہر روز" قابل یادداشت ہے۔ یہی شاہ
صاحب "ہمعات" میں فرماتے ہیں:

"اسی لئے مشائخ کے عرسوں کی پابندی اور ان کی
قبور کی باقاعدہ زیارت اوران کے لئے فاتحہ پڑھنے اور
صدقہ دینے کا التزام کیا جاتا ہے۔" (ہمہ ۱۱، ص ۵۸،
اکادیمہ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد، سندھ)

یہی شاہ صاحب "زبدۃ النصائح" میں مندرجہ فتویٰ میں فرماتے ہیں کہ:

"اگر ملیدہ اور کھیر بطور فاتحہ کسی بزرگ کی روح کو
ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ
نہیں، جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نذر کا طعام مالداروں کو
کھانا جائز نہیں اور اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی

ہوتو اغنیاء کو بھی کھانا جائز ہے۔"(ص ۱۱۲، المعارف لاہور)

شاہ صاحب مرحوم انفاس العارفین میں رقم طراز ہیں کہ:

"والد گرامی قصبہ ڈانسہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے ہوئے تھے، رات کا وقت تھا، اس وقت انھوں نے فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں، کچھ کھا کر جاؤ، ساتھی ٹھہر گئے حتیٰ کہ سب لوگ چلے گئے اور دوست پریشان ہوگئے، اتنے میں ایک عورت آئی، چاولوں اور شیرینی کا تھال اس کے سر پر تھا۔ اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا شوہر آ جائے تو میں اسی وقت یہ طعام پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچا دوں گی۔ میرا شوہر اسی وقت آیا ہے۔ میں نے نذر پوری کی۔ میری آرزو تھی کہ اس جگہ کوئی موجود ہوتا کہ یہ طعام کھا لے۔"

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب "تحفہ اثنا عشریہ"(باب ہفتم در امامت ص ۲۱۴ سہیل اکیڈمی لاہور) میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت امیر اور آپ کی ذریت طاہرہ کو تمام امت پیر و مرشد کی طرح مانتے ہیں اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ و درود و صدقات اور نذران کے نام رائج و معمول ہے جیسے کہ تمام اولیاء سے یہی معاملہ ہے۔"

یہ عبارت سراپا بشارت جس کا ہر ہر حرف مخالف پر تباہ کن بجلی ہے یا

ہلاکت آفریں آندھی، یادر کھنے کے قابل ہے اور مخالفین سے پوچھنا چاہیئے کہ شاہ صاحب نے تمہارے طریقے کے مطابق تمام امت کو گمراہ ومشرک کہا ہے یا نہیں، اور خود ایسے امور کی تجویز وتحسین ظاہر کر کے کافر ومشرک ہوئے یا نہ۔ بر تقدیر اول امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی جو آپ کا غلام اور مرید مرید (سید احمد صاحب) ہے اور صراط مستقیم میں شاہ صاحب کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے:

"جناب ہدایت مآب، قدوۂ ارباب صدق و صفا، زبدۂ اصحاب فنا و بقا، سید العلماء وسند الاولیاء حجۃ اللہ علی العالمین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجع کل ذلیل وعزیز مولانا و مرشدنا الشیخ عبدالعزیز۔" (ص ۱۶۴ خاتمہ در بیان پارہ الخ)

معاذ اللہ، کافر ومشرک کی ایسے عظمت و جلالت والے الفاظ سے تعریف کر کے اور حجت خداوند نائب انبیاء وغیرہ وغیرہ کا اعتقاد کر کے خود کافر ومرتد ہوا یا کچھ کمی رہ گئی۔

پھر ہم مطلب کی طرف لوٹتے ہیں۔ طائفہ حادثہ کے معلم ثالث مولوی خرم علی بلہوری "نصیحۃ المسلمین" (ص ۴۱، چند شرکیہ رسمیں) میں کہتے ہیں:

"حاضری حضرت عباس کی، صحنک حضرت فاطمہ کی گیارھویں عبدالقادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سہ منی بوعلی قلندر کی، توشہ شاہ عبدالحق کا اگر منت نہیں صرف ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا مقصود ہے تو درست ہے، اس نیت سے ہرگز منع نہیں اھ" ملخصاً۔

خود امام الطائفہ ''تقریر ذبیحہ'' میں نغمہ سرا ہیں کہ:

''اگر کوئی شخص گھر میں بکری کی پرورش کرے تاکہ اس کا گوشت خوب ہو جائے، اسے ذبح کرے اور پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلا دے تو کچھ حرج نہیں ہے۔''

''خوانده بخوراند'' (فاتحہ پڑھ کر کھلا دے) کے لفظ قابلِ غور ہیں اس لئے کہ بہت سے منکرین اس بات کو بھی بنائے انکار بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کھلانے اور قرآن مجید پڑھنے کو جمع کرنا جائز بھی ہو تب بھی کھانا کھلا کر پڑھنا چاہیے نہ کہ پڑھنے کے بعد کھلایا جائے، اس لئے کہ یہ عبث اور باطل ہے۔ اس باطل شبہے کا جوابِ کامل ہم ''بارقہ شارقہ'' میں دے چکے ہیں' اسی طرح لفظ ''غوث الاعظم'' بھی قابلِ یادداشت ہے' اس لئے کہ یہ تقویۃ الایمان کے مطابق شرک ہے۔ طرفہ یہ کہ جاہل متبعین فاتحہ کے کھانے کو حرام اور مردار جانتے ہیں اور امام الطائفہ اولیاء کی نذر کی گائے کے گوشت اور کھانے سب کو حلال کہتا ہے بشرطیکہ ذبح سے میت کا تقرب مقصود نہ ہو اور صاف کہہ رہا ہے کہ جس جانور کو اولیاء کی نذر کیا گیا ہو، چاہے وہ لوگ کئی طرح کی حرام و قبیح نذریں بھی مانیں پھر بھی جانور کی حلت میں کلام نہیں ہے، چہ جائیکہ جب اولیاء کی نذر بہتر طریقے پر ہو، بالخصوص جب بغیر نذر فقط ایصال ثواب ہو، اس لئے کہ اس جگہ جانور کے ذبح کرنے اور خون بہانے میں کچھ اثر نہیں صرف قرآن مجید کا پڑھنا اور طعام کا صدقہ کرنا درمیان میں آ جاتا ہے۔

تقریر مذکور ہی میں لکھتے ہیں کہ:

''اگر ایک شخص نذر مانے کہ میرا فلاں مقصد پورا ہو گیا تو اتنی نذر حضرت سیّد احمد کبیر کے نام کی دوں گا اور اتنا کھانا ان کی نیاز کا لوگوں کا کھلاؤں گا، اگرچہ اس نذر میں گفتگو ہے لیکن طعام حلال ہے، گوشت کا بھی یہی حکم ہے، مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ میں اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد دو سیر گوشت سیّد احمد کبیر کی نذر کے طور پر لوگوں کو کھلاؤں گا،

گوشت حلال ہے، اور اگر کہے گا کہ گائے کا گوشت کھلاؤں گا تو بھی جائز ہے، اور اگر اسی ارادے سے گائے نذر کرے وہ بھی جائز ہے، اس لئے کہ اس کا مقصود گوشت ہے۔ اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر کے نام پر کسی کو دے جیسے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں، جائز ہے، اور اس کا گوشت حلال ہے۔''

اسی تقریر میں ہے کہ:

اگر اسی طرح گزشتہ اولیاء قدس اللہ سرہم کی نذر دے تو جائز ہے۔ فرق اتنا ہے کہ عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال کی وجہ سے نقد جنس اور طعام سے نفع حاصل نہیں کر سکتے بلکہ فقط اس کا ثواب اللہ تعالیٰ ان کی ارواح مطہرہ کو پہنچا دیتا ہے، لہٰذا ان کے حالات حیات اور بعد از وفات برابر ہیں۔''

پھر کہتے ہیں:

''اگر نذر مانے کہ میری حاجت بر آئی تو دو سالہ

پلی ہوئی گائے حضرت غوث الاعظم کو نیاز دوں گا تو اس کا
حکم وہی ہے جو کھانے کا حکم ہے، اگر نذر کچھ اچھے
طریقے سے ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر قبیح ہے تو فعل
حرام ہے اور حیوان حلال۔"

گنتی میں غوث اعظم قطب مکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں کے برابر یہ گیارہ اقوال ہیں۔ امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل) کے تین قول اس سے پہلے گزر چکے ہیں، دو شاہ عبد العزیز صاحب سے عنقریب آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔

رہا اوقات کا مقرر کرنا جیسے لوگوں میں رائج ہے مثلاً تیجا، چالیسواں، سالانہ اور ششماہی، اس کے متعلق میں کہتا ہوں کہ کسی کی امداد سے باطل شکنی کرتا ہوں کہ کسی کام کا وقت مقرر کرنا دو قسم ہے، شرعی اور عادی۔ شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کا وقت اس طرح مقرر کر دیا کہ دوسرے وقت میں بالکل نہ ہو سکے اور اگر ادا کیا جائے تو وہ شرعی عمل نہ ہو جیسے کہ قربانی کے خاص دن مقرر ہیں، یا اس وقت سے تقدیم و تاخیر ناجائز ہو، جیسے کہ اشہر الحرم (شوال، ذوالعقدہ اور دس دن ذوالحجہ کے) حج کے احرام کے لئے (ان وقات سے قبل گو احرام جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔ طحطاوی) یا جو ثواب اس وقت میں ہے دوسری جگہ نہیں ہوگا، جیسے کہ عشاء کے لئے رات کا پہلا تہائی حصہ۔ عادی یہ کہ شریعت کی طرف سے عام اجازت ہے جب چاہیں ادا کریں، لیکن کام کرنے کے لئے کوئی زمانہ ضرور ہونا چاہئے، غیر معین زمانے میں کام کا ہونا عقلاً ناممکن ہے اس لئے کہ وجود اور تعین لازم وملزوم ہیں، لہٰذا وقت معین کے بغیر چارہ نہیں، اور یہ تمام معین اوقات عام اجازت کی بنا

پے بعد دیگرے صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک میں کام کرلیا جائے۔ اگر ان میں سے ایک وقت کو کسی مصلحت کی بنا پر اختیار کرلیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ اس وقت کے علاوہ یہ کام صحیح نہیں یا حلال نہیں یا ثواب نہیں ہوگا تو ظاہر ہے کہ ایسی تقیید سے مقید مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہیں ہوگا اور جو حکم مطلق کا ہوگا وہی اس کے تمام افراد کا ہوگا جب تک کہ کسی فرد خاص سے خصوصاً ممانعت نہ ہو، لہٰذا ایسی جگہ جواز کے قائل سے خصوصیت کے ثبوت کی دلیل نہیں مانگنی چاہیئے بلکہ منع کرنے والے کو شریعت سے اس خاص کام کی ممانعت دکھانا چاہیے۔

تعزیت کے وقت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانے کے متعلق طائفہ (منکرین) کے امام ثانی مولوی اسحٰق صاحب کی عبارت آپ سن چکے ہیں، اب اس طائفہ کے معلم اول اور امام معتبد کی سنیئے وہ رسالہ "بدعت" میں نغمہ سرا ہیں:

> "دوسرا طریقہ یہ کہ کسی حکم شرعی کا مطلق کی ذات سے تعلق ہو، لہٰذا مطلق ذات کے لحاظ سے تمام خصوصی افراد میں اسی حکم کا تقاضا کرے گا، اگرچہ بعض افراد میں، عوارض خارجیہ کے اعتبار سے مطلق کا حکم مختلف ہوجائے (یہاں تک کہ) اس نے کہا کہ، خاص صورت کی حکم کی تحقیق میں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ خاص صورت جس میں بحث ہے اس کا وہی حکم ہے جو مطلق کا حکم ہے، اس نے اصل سے استدلال کیا ہے اس لئے کہ وہ محتاج دلیل نہیں ہے اس کی دلیل وہی حکم مطلق ہے اور بس الخ۔

حضرت والد (مولانا نقی علی خاں) قدس سرہ الماجد نے اس نفیس قاعدے کی بے نظیر تحقیق "اصول الرشاد" میں فرمائی ہے، وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہم پھر مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فاقول (میں کہتا ہوں) اگر اس وقت معین کو اختیار کرنے کا خود اسی میں کوئی مرجح پایا جاتا ہے تو بہتر ورنہ اگر یہ وقت دوسرے اوقات کی طرح ہی ہے تو فاعل کا ارادہ ہی اس کی ترجیح کے لئے کافی ہے، جیسے کہ پیاسے کے سامنے پانی کے دو پیالے ہوں، یا کسی آدمی کے سامنے دو راستے (ایک جیسے) ہوں (جسے چاہے اختیار کرلے) بصورت اول (اگر خود وقت میں کوئی مرجح ہو) مصلحت واضح ہے، بصورت ثانی تعیین کا کم از کم اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ اس کام کی یاد دہانی ہو جاتی ہے، نیز وہ کام معرض تاخیر والتوا میں واقع نہیں ہوتا، ہر عقلمند بخوبی محسوس کرتا ہے کہ جب کسی کام کا وقت مقرر کر دیا جائے تو اس وقت کے آنے سے وہ کام یاد آ جاتا ہے، ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ کام رہ ہی جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل ذکر و شغل اور عابد عبادات، اذکار اور اشغال کے اوقات مقرر کرتے ہیں، کوئی صبح کی نماز سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ لازماً پڑھتا ہے تو کوئی عشاء کے بعد سو دفعہ ضرور درود پاک پڑھتا ہے، اگر اس تعیین کو تعیین شرعی نہ جانا جائے تو ہرگز شریعت کی طرف سے عتاب نہ ہوگا۔

جان برادر! اگر اس طائفہ کے اکابر و عمائد کی تصانیف مثلاً شاہ ولی شاہ صاحب کی تصنیف "القول الجمیل" اور امام الطائفہ کی "صراط مستقیم" وغیرہ کی طرف ہی رجوع کرے تو تجھے کئی ایسے تعینات کا پتہ چلے گا جن کا التزام کیا جاتا ہے مگر ان میں تعیین شرعی نہیں پائی جاتی، صرف تعینات کا ہونا تو دور کی بات ہے، تعیین ایام و اوقات کی بھی کیا پوچھتے ہو، وہاں تو ایسے نو

پیدا اعمال، اشغال، طریقوں اور ہیئات کے انبار لگے ہوئے ہیں جن کا نام ونشان تک قرون سابقہ میں نہیں، خود انہیں ان کے جدید اور نو پیدا ہونے کا اعتراف ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب ''القول الجمیل میں لکھتے ہیں:

''صحبتنا و تعلمنا لآداب الطریقة متصلة الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ان لم یثبت تعیّن الآداب ولا تلک الاشغال.''

مولوی خرم علی، اس عبارت کے ترجمے میں کہتے ہیں:

''ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک، اگرچہ تعین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں۔'' اھ ملخصا (فصل ۱۱، ص ۱۷۳، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی) نیز القول الجمیل کے ترجمے شفاء العلیل میں کہتے ہیں:

حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا، بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیۂ ہوئے الخ (فصل ۱۱، ص ۱۰۷)

اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے بیان کرتے ہیں:

''مولانا حاشئے میں فرماتے ہیں، اور اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے افکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے الخ (ص ۵۱)

پھر مولوی خرم علی خود کہتے ہیں:

''یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں۔'' (ص ۵۱)

امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل صراطِ مستقیم میں کہتے ہیں:

''محققین اکابر طریقت نے تجدید اشغال میں بہت کوششیں کی ہیں، اس لئے بہتر معلوم ہوا اور وقت نے تقاضا کیا کہ ایک کتاب نئے اشغال کے بیان کے لئے جو اس وقت کے مناسب ہیں لکھی جائے اور اشغال کی تجدید کی جائے'' اھ ملخصاً: (مقدمۃ الکتاب، باب اوّل، ص ۷، ۸)

اور اپنے پیر کے متعلق کہتے ہیں:

''(سید احمد صاحب نے) طریقۂ چشتیہ کی تعلیم و تلقین کیلئے بازوئے ہمت کھولا اور ان اشغال کی تجدید کی جن پر یہ مبارک کتاب مشتمل ہے۔'' (باب چہارم، ص ۱۶۶)

سبحان اللہ ان لوگوں نے تمہارے قاعدے کے مطابق دین میں نئی چیز پیدا کی اور یقیناً ایسی چیزیں پیش کیں جن کا اثر تک زمانۂ سابقہ میں نہ تھا مگر گمراہ اور بدعتی نہ ہوئے بلکہ اسی طرح امام، مقتدا، عرفاء اور علماء رہے، دوسرے علماء نے یہ جرم کیا کہ چند پسندیدہ اور ثابت فی الشرع امور کو جمع کر دیا اور جن وقات میں ان کا کرنا جائز تھا ان میں سے بعض کو معین کر دیا۔ معاذ اللہ وہ اسی سے گمراہ اور بدعتی ہوگئے۔ خدارا انصاف کیجئے۔

ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اس بے جا سینہ زوری کو کیا کہا جائے شاید شریعت تمہارے گھر کی ہے

کہ جس طرف چاہا پھیر دیا۔

اے طالب حق تو انھیں حد سے تجاوز اور سرکشی میں ہی رہنے دے اور آثار و احادیث کی طرف متوجہ ہوتا کہ ہم تمہیں کچھ تعینات عادیہ دکھائیں۔ اسی قسم میں سے ہے وہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہدائے احد کی زیارت کے لئے آخر سال کو مقرر فرمایا، جیسے کہ عنقریب آئے گا، اور مسجد قباء شریف میں تشریف آوری کے لئے ہفتے کا دن مقرر فرمایا، جیسے کہ صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے (متفق علیہ، مشکوۃ کتاب الصلوۃ، باب المساجد و مواضع الصلوۃ، پہلی فصل۔ بخاری ج۱ص ۱۵۱، باب من اتی مسجد قبا کل سبت) اور شکر رسالت کے طور پر روزہ رکھنے کے لئے پیر کا دن مقرر فرمایا، جیسے کہ مسلم شریف میں بروایت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے (مشکوۃ کتاب الصوم باب صیام التطوع پہلی فصل) اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشورے کے صبح و شام کا وقت جیسے کہ صحیح بخاری میں ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ہے (بخاری شریف کتاب الکفالہ باب جوار ابی بکر فی عہد النبی ﷺ و عقدہ) اور سفر جہاد کے لئے جمعرات کا دن جیسے کہ بخاری شریف میں بروایت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، (بخاری شریف کتاب الجہاد و السیر باب من ارادہ غزوۃ) اور طلب علم کے لئے دوشنبہ کا دن، جیسے کہ ابوالشیخ ابن حیان اور دیلمی کے نزدیک بروایت ابن مالک سند صالح سے (کنزالعمال ج۱۰ص ۲۵۰) اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ و نصیحت کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا۔ (متفق علیہ، مشکوۃ کتاب العلم پہلی فصل۔ بخاری کتاب الرقاق باب الموعظۃ ماعۃ بعد ساعۃ)

جیسے کہ صحیح بخاری میں بروایت ابی وائل، اور علماء سبق شروع کرنے کے لئے بدھ کا دن مقرر فرماتے ہیں:

جیسے کہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی کتاب تعلیم المتعلم (ص ۴۳، فصل فی بدایۃ السبق) میں ہے، اسے امام برہان الدین مرغینانی، صاحب ہدایہ نے اپنے استاذ سے روایت کیا اور کہا، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرح کرتے تھے۔

صاحب تنزیہہ الشریعہ (ج۲ص ۵۶، باب ذکر البلدان والایام، فصل ثانی حدیث ۲۴) نے فرمایا، اسی طرح اہل علم کرتے تھے۔ یہ سب توقیت عادی کی مثالیں ہیں، حاشا وکلا کہ سید السادات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی مراد یہ ہو کہ سوائے انتہائے سال کے زیارت نہیں ہوتی یا ناجائز ہے یابندہ نوازی امت پروری اور اقدام مبارکہ سے شہدائے کرام کے مزارات کو شرف بخشنے سے جو اجر عظیم سرور عالم، سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا جاتا ہے، دوسرے وقت میں عطا نہیں ہوگا۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ ہفتے کے علاوہ تقریر ہی نہ ہوگی یا ناجائز ہے یا دوسرے دن یہ ثواب نہ ملے گا، یا شریعت مطہرہ نے یہ تعیین فرمائی ہے۔ حاشا وکلا ہرگز یہ مقصد نہ تھا بلکہ آپ نے اس عادت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ ہر ہفتے میں مسلمانوں کو وعظ و نصیحت فرمائیں اور دن معین کرنے سے طالبانِ خیر کا جمع کرنا آسان ہوگا۔

باقی امور میں بھی تعیین اسی طرح ہے، ان میں سے بعض میں الگ مرجح موجود ہے، جیسے پیر کے دن آپ کا مبعوث ہونا اور علم نبوت کا حاصل ہونا اور جمعرات کی صبح کا خیر و برکت والی ہونا اور بدھ کے دن ابتدا کرنے

سے تکمیل کی توقع ہونا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ جو چیز بدھ کے دن شروع کی جائے وہ مکمل ہو کر رہتی ہے۔

بعض دیگر اُمور میں ترجیح ارادی ہوتی ہے کہ اس میں کم از کم یاددہانی اور آسانی والی مصلحت ضرور ہے۔ تیجے، چالیسوں، ششماہی اور انتہائے سال کی تعیین ہی کی قسم ہے۔ بعض میں کچھ مصلحت خاص ہوتی ہے اور بعض میں یاددہانی اور آسانی کے پیش نظر معیّن کرنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ اصلاح میں کسے اعتراض ہوسکتا ہے۔

اس جگہ امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کے نسب میں چچا، علم میں باپ اور طریقت میں دادا مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا کلام سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ تفسیر عزیزی میں آیۂ مبارک والقمر اذا اتسق (ص ۲۰۶) کے تحت فرماتے ہیں۔

> ''حدیث میں وارد ہے (مشکوۃ باب الاستغفار والتوبۃ، تیسری فصل) کہ مردہ اس حالت میں ڈوبنے والے کی طرح ہے جو کسی فریادرس کا منتظر رہتا ہے، اس وقت میں دعائیں، صدقے اور فاتحہ بہت مفید ہیں۔ اسی لئے لوگ ایک سال تک خصوصاً مرنے کے بعد چالیس دن تک اسی قسم کی امداد کی پوری کوشش کرتے ہیں۔''

کمال یہ کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیرانِ عظام اور آباء کے عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے اور ان کے سامنے نیک لوگوں کی قبروں پر لوگ آپ کی تجویز و تائید سے جمع ہوتے فاتحہ خوانی کرتے اور طعام و شیرینی تقسیم کرتے جیسا کہ عام سجادہ نشینوں میں جاری ہے۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی نے شاہ

صاحب پر وہی بے بنیاد اعتراضات کئے جو حضرات منکرین کرتے ہیں اور شاہ صاحب پر زبان طعن وتشنیع دراز کی اور لکھا:

"وہ لوگ جن کے افعال ان کے اقوال کے مطابق نہیں وہ اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر سال بہ سال قبر پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں طعام وشیرینی تقسیم کر کے قبروں کو پرستش کردہ شدہ بت بنا دیتے ہیں۔ اھ ملخصاً

شاہ صاحب رسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح میں اس طعن کا جواب فرماتے ہیں: قولہ:

عرس بزرگانِ خود الخ یہ طعن اس شخص کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے جس پر طعن کیا گیا ہے، اس لئے کہ کوئی شخص بھی مقررہ فرائض شرعیہ کے علاوہ کسی چیز کو فرض نہیں جانتا، ہاں صالحین کی قبروں کی زیارت، ان سے تبرک حاصل کرنا، ثواب اور تلاوت قرآن کے ہدیہ سے ان کی امداد کر کے دعائے خیر کرنا اور طعام وشیرنی تقسیم کرنا بہتر اور خوب ہے۔ علماء کے اتفاق سے اور عرس کے دن کو اس لئے معین کیا جاتا ہے کہ وہ دن ان حضرات کے دنیا سے آخرت کی طرف انتقال کی یاد دہانی کرتا ہے، ورنہ جس دن بھی یہ عمل واقع ہو ذریعۂ نجات و کامیابی ہے۔ بعد والوں پر لازم ہے کہ اپنے سلف پر اس طرح کے احسان کریں، پھر انتہائے سال کی تعیین اور اس کے التزام پر شاہ صاحب نے حدیث شریف سے دلیل پیش کی کہ ابن منذر اور ابن مردویہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ:

☆☆☆

ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یأتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علٰی قبور الشہداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.

یعنی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لے جاتے، جب پہاڑ کے درّے پر پہنچتے تو شہداء کی قبر پر سلام کہتے اور فرماتے تم پر تمہارے صبر کی وجہ سے سلامتی ہو دار آخرت کیا ہی اچھا ہے۔

امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں محمد بن ابراہیم سے روایت کی، انھوں نے کہا:

النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یا تی قبور الشہداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدّار و ابوبکر و عمر و عثمان (شرح الصدور ص ۲۱۰۔ ابن کثیر ج ۲ ص ۷۹۱، مصنف عبدالرزاق برقم ۶۸۱۶۔ قرطبی ص ۳۱۲ ج ۵ جز ۹)

یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں شہداء کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور فرماتے سلام علیکم الآیۃ۔ آپ کے بعد حضرت صدیق و فاروق و ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی طرح کرتے تھے۔

تفسیر کبیر (ج ۱۹ ص ۴۵) میں ہے:

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان کان یأتی قبور الشہداء رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و الخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون○

یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور آیت مذکورہ پڑھتے، اسی طرح حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کرتے تھے۔

الحاصل حق یہ ہے کہ تحقیقات مذکورہ (تیجا چالیسواں) تمام تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے طعن و ملامت نہیں ہیں۔ صرف اتنی بات کو حرام اور بدعت کہنا واضح جہالت و خطائے فاش ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی مرحوم نے اپنے فتویٰ میں کیا خوب انصاف کی بات کہی ہے، اس کی عبارت اس طرح نقل کی گئی ہے:

"سوال: بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص، جیسے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا اور عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحہ میں توشہ، اس طرح کھانے والوں کی تخصیص کا کیا حکم ہے؟

> جواب: فاتحہ و طعام بلاشبہ مستحسن ہے تخصیص، تخصیصین کا اختیاری فعل ہے، جو منع کرنے کا باعث نہیں بن سکتا، یہ تخصیصات عرفیہ اور عادیہ ہیں جو خاص مصلحتوں اور مخفی مناسبتوں کی بنا پر ابتداء ظاہر ہوئیں اور رفتہ رفتہ عام ہوگئیں۔ الخ

میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں کوئی بھی دینی مصلحت نہ ہوتا ہم کسی مصلحت کے نہ ہونے کو خرابی کا ہونا لازم نہیں تاکہ اس کام کا انکار کیا جا سکے، ورنہ مباح کہاں جائے گا۔

امام احمد نے مسند میں سند حسن سے ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے روایت کی کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَصِیَامِ السَّبْتِ لَا لَکَ وَلَا عَلَیْکَ

ہفتے کے دن کا روزہ نہ تیرے لئے اور نہ تجھ پر۔

علماء نے اس کی شرح میں فرمایا:

لا لک فیه مزید ثواب ولا علیک فیه ملام ولا عتاب

نہ تیرے لئے اس میں زیادتی ثواب ہے اور نہ تجھ پر اس میں ملامت وعتاب ہے۔

واضح ہوگیا کہ اگر کسی مخصص کے بغیر تخصیص مفید نہیں تو نقصان دہ بھی نہیں (ہمارا بھی) یہی مقصد ہے، ہاں ہر وہ عام آدمی (خاص آدمی صاحب علم ایسا گمان رکھے گا ہی نہیں) کہ اس تعیین عادی کو تعین شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان دنوں کے علاوہ ایصال ثواب ہو ہی نہیں سکتا یا جائز نہیں، یا ان دنوں میں ثواب زیادہ ہے، تو وہ غلط کار، جاہل ہے، اور اس گمان میں جھوٹا اور خطاوار ہے، لیکن صرف اتنا گمان معاذ اللہ اصل ایمان میں خلل پیدا نہیں کرتا اور نہ ہی قطعی عذاب اور یقینی وعید کا موجب ہے۔

اسی طرح عوام جہلاء نے ایصال ثواب کے بارے میں جو ناپسندیدہ امور پیدا کر رکھے ہیں مثلاً دکھلاوا، چرچا اور تفاخر، مالداروں کو جمع کرنا اور فقراء کو منع کرنا، ایسے ہی تیجے میں ایک جماعت ایک جگہ بیٹھ جاتی ہے اور تمام لوگ بلند آواز سے قرآن مجید سے پڑھتے ہیں اور قرآن مجید سننے کے فریضے کو ترک کر دیتے ہیں۔ یہ تمام باتیں ممنوع، مکروہ اور ناروا ہیں علماء کو چاہئے کہ زائد خرابیوں پر لوگوں کو تنبیہ کریں، یہ نہیں کہ زبان کی تیزی اور

روانی کے سہارے سے اصل کام ہی کو ختم کر دیں جیسے کہ اکثر عوام نماز میں خصوصاً نوافل جنہیں وہ تنہا ادا کرتے ہیں، ارکان نماز کو آہستہ آہستہ ادا نہ کریں اور دیگر ممنوعات کے عادی بن جاتے ہیں، اس بنا پر انہیں نماز ہی سے نہ روکا جائے بلکہ ان ناپسندیدہ عادات سے روکنا اور ڈرانا چاہیئے اور نماز ادا کرنے کا شوق و رغبت دلانا چاہیئے۔ یہ مختصر تقریر اور قول فیصل مخالفین کے خواص اور اس طرف کے بعض عوام دونوں کو ناگوار ہوگا، لیکن کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے راہ فرار نہیں، اللہ تعالیٰ ہی راہ راست کی ہدایت فرمانے والا ہے وصلی اللہ تعالیٰ علیہ حبیبہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

واللّٰہ الھادی الی سبیل الرّشاد والصلوٰۃ والسلام علی المولی الجواد محمّد و آلہٖ و صحبہٖ الامجادو اللّٰہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ' اتم

کتبــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عنہ بمحمد ن المصطفٰے النبّی الامّی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

(محمدی سنی حنفی قاری ۱۳۰۱ھ عبدالمصطفٰے احمد رضا خاں)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت امین اس مسئلے میں کہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کرکے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو للہ بخشا، ان روحوں میں تقسیم ہو جائے گا، یعنی فی روح دوبار پہنچیں گے یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا، اور نتیجہ اس کا دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں۔ دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

الجواب

اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

سئل ابن حجر المکی عما لو قرٔ لا ھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل تقسیم الثواب بینھم او یصل لکل منھم مثل ثواب ذٰلک کاملا اجاب بانہ افتی جمع بالثانی و ھو اللائق بسبعۃ الفضل

اس مسئلے کی پوری تحقیق فتاویٰ فقیر میں ہے، نتیجہ ملنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا اور رحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنا دیتی ہے، آدمی کو اللہ تعالیٰ کے کام میں اللہ کی نیت چاہئے، دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ دعا کرے کہ الٰہی جو میں نے پڑھا، اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا، اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین ومسلمات کو پہنچائے۔

مسلک متقسط میں ہے:

یقرء ما تیسر لہ من الفاتحۃ والاخلاص سبعاً او ثلاثا ثمّ یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الٰی فلاں اوالیھم.

محیط وتتارخانیہ وشامی میں ہے:

الا فضل لمن یتصدق نفلاً ان نیوی لجمیع المومنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیی

(فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۲۰۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

استفتاء

سوم و دہم و چہلم و شش ماہی وسالیانہ کہ دریں دیار ہند مروجِ است اور البعض علماء بدعت شنیعہ، مکروہ گویند و اقوال چند بر درستی اوست و طعامے کہ بعد موتے بہ نیت ثواب می پزند و ہر دو دست برداشتہ فاتحہ و ہندآں را علمائے ظہوار غیر مقلدین بباعث فاتحہ مردار و حرام دانستہ گویند ایں طریقہ در زمانہ نبوی و اصحاب کبار مصطفوی و تابعین و اتباع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نبود بلکہ طعام وشیرنی کہ نیاز بزرگان دین است مثل مردار، پس دریں مسئلہ ہر چہ حکم شرعی واجب التعمیل باشد بیان فرمایند بسند کتاب بینوا توجروا۔

الجواب

قول فیصل وسخن مجمل دریں باب آنست کہ ایصال ثواب و ہدیۂ اجر بہ اموات بہ اجماع کافۂ اہلسنت و جماعت امیر یست مرغوب و در شرع مندوب ، احادیث بسیار از حضور سید الابرار علیہ افضل الصلوٰۃ من الملک الجبار و ترغیب وتصوبیب ایں کار وار دشد۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق در فتح القدیر و امام علامہ فخر الدین زیلعی ، در درنصب الروایہ و امام علاہ جلال الدین سیوطی در شرح الصدور فاضل علامہ علی قاری در مسلک متقسط وغیرہم فی غیر ہا بذکر برخی از انہا پرداختہ اند۔ وخود انکار ایں کار نیاید مگر از سفیہہ جاہل یا ضال مبطل، مبتدعانِ زمانہ را کہ خون پنہان معتزلیت بجوش آمدہ است و در پردہ تر

خیص نیابت و تخصیص وکالت اہدائے ثواب را انکار کنند و پیش اجماع اطعی اہلسنت رابر ہم زنند۔ باز بشہادت احادیث کثیرہ و جزم و تصحیح جمہور آئمہ و صول ثواب خاص بقربات مالیہ نیست بلکہ مالیہ و بدنیہ ہر دورا عام ہمیں است، مذہب آئمہ حنفیہ و بریں اندبسیارے از محققین شافعیہ وعلیہ الجمہور و ہوالصحیح الرجیح المنصور، باز اجماع ایں ہر دکہ ہم قرآن خوانند وہم تصدق کنند و ثواب ہر دو بمسلمانان رسانند، نیست مگر جمع حسن با حسن و مندوب بامندوب وزنہار یکے بادیگرے منافی نیست کالتلاوۃ من المصحف فی الصلوٰۃ نہ شرع بہ انکار ایں جمع وار دشد کقراۃ القرآن فی الرکوع وبسجود، پس اور امحذور گفتن از دائرہ عقل بیروں رفتن است امام حجۃ الاسلام، محمد غزالی قدس سرہ العالی دراحیاء فرماید اذالم یحرم الآحادفمن این یحرم المجموع وہم در آنست ان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذالک المجموع مباحاً۔ تمام تحصیل ایں اصل انیق امام المدقین ختم المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد در کتاب مستطاب ''اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد'' ارشاد فرمودہ اندو ایں معنی را از حدیث صحاح استنباط نمودہ من شاءفلیتشرف بمطالعتہ وخود معلم اول طائفہ مانعین مولوی اسماعیل را خوبئ ایں اجتماع قرآن و طعام مقبول ومسلم است، درصراط مستقیم چناں راہ اعتراف وتسلیم پوید:

''ہرگاہ ایصال نفع بمیت منظور دارد موقوف براطعام نہ گزارد،
اگر میسر باشد بہتر است والا ثواب سورہ فاتحہ و اخلاص بہترین ثوابہا
است اھ''

وشک نیست کہ طریقہ ایصال ثواب دعا بجناب رب الارباب است جل جلالہٗ امام الطائفہ درصراط مستقیم گوید:

"ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود و ثواب آں بروح کسے از گزشتگاں برساند و طریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی است، پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن است۔"

دوست برداشتن از آداب مطلق دعا است، در حصن حصین فرماید اداب الدعا منها بسط اليدين ت مس ورفعها، یعنی ہر دو دست برداشتن بحکم حدیث صحاح ستہ از اداب دعا است و از آ ہ و علمائے ما چہ گوئی خود معلم ثانی...... منکرین در مسائل اربعین گوید:

"دست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر اجواز است زیرا کہ حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس در ایں وقت ہم مضائقہ نہ دارد لیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست اھ"

بینید باآنکہ خصوصیت را غیر ماثور گفت اما بہ دلیل اطلاق استظہار جواز کرد و در فعل او ہیچ مضائقہ نہ دید۔ بالجملہ ازیں امور زنہار چیزے نیست کہ در شرع مطہر مستنکر باشد و مجرد عدم، و رود خصوصیات را مطلقاً مستلزم منع دانستن غلطی است واضح و جہلے فاضح، فقیر بعون القدیر ایں مبحث راد ر مجموعہ مبارکہ البارقۃ الشارقۃ روشن تر گفتہ ام و علمائے سنت بارہا ایں مدعیان را تا خانہ رسانده و برخاک مذلت نشانده اند حاجت تفصیل و تطویل نیست اما م انچہ امام الطائفہ باوجود تسلیم عدم ور ودریں باب گفتہ است شنیدن دارد در تقریر ذبیحہ مطبوعہ رسالہ زبدۃ النصائح می گوید:

"ہمہ اوضاع از قرآن خوانی وفاتحہ خوانی و طعام
خورانیدن سوائے کندن چاہ و امثالہ و دعا و استغفار و اضحیہ
بدعت است گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ

روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر اھ"

ارباب طائفہ امام خود شاں پرسند کہ با آنکہ ایں طریقہ ہارا عموماً و فاتحہ خوانی را خصوصاً بدعت و محدث میدانی چہ گونی حسنہ می گوئی و خلاف طائفہ راہ می پوئی باز ذکر معانقہ عید سنگ آمد و سخت آمد آرے تلون ایں امام متباعانش را کا بر جاں و کار بار استخواں رسانده است ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، و کلام معلم ثانی حالا گذشت کہ باوجود عدم ثبوت خصوصیت مضائقہ نہ دانست۔

اکنوں آمدیم برنقل چند اقوال دیگر از کبراء و عمائد و اساتذہ و مشائخ امام الطائفہ تا بے باب رواں دانند کہ بے معنی شرع بتحریم فاتحہ، زباں کشودن و طعام فاتحہ و شیرینی نیاز بزرگانِ قدست اسرارہم را حرام و مردار گفتن چہ کیفر ہا کہ نمی چشاند و کدام بد روز نمی نشاند۔ شاہ ولی اللہ در انفاس العارفین از والد خود شاں شاہ عبدالرحیم نقل کنند:

> "می فرمودند، در ایام وفات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم چیز ے فتوح نشد کہ نیاز آں حضرت طعام پختہ شود، قدرے نخود بریاں و قند سیاہ نیاز کردم الخ، در درثمین فی مبشرات النبی الامین ہمیں سخن راچناں آورند۔
>
> الحدیث الثانی والعشرون اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع طعاما صلة بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنة من السنین شئی اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمته بین الناس فرایتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و بین یدہ ھذا

الحمص مبتهجا بشاشا."

شاہ صاحب مذکور در "انتباہ فی سلاسل اولیاء الہ نور یسند: "برقدرے شیرینی فاتحہ بنان خواجگان چشت بخوانند و حاجت از خدائے تعالٰی نمایند ہمیں طور ہر روز، میخواندہ باشند۔" اھ

لفظ شیرنی و فاتحہ سر روز از یاد مرداد۔ شاہ صاحب مسطوردر ہمعات گویند: از ایں جاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشاں و التزام فاتحہ خواندن وصدقہ وادن برائے ایشاں"

شاہ صاحب مربور درفتوائے مندرجہ زبدہ النصائح گویند:

"اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بہ روح پرزند و بخورانند مضائقہ نیست جائز است و طعام نذر اللہ اغنیاء را خوردن حلال نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء راہم خوردن درآں جائز است۔"

شاہ صاحب مرحوم ہم در انفاس العارفین نگارند:

"حضرت ایشاں در قصبہ ڈانسہ بہ زیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند و شب ہنگام بود درآں فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند، دمی گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بریاراں غالب آمد، آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرنی برسر و گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ نشیندگان

درگاہ مخدوم اللہ دیار سانم دریں وقت آمد، ایفائے نذر
کردم، وآرزو کردم کہ کسے آں جاباشد، تاتناول کند۔"

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفۂ اثنا عشریہ فرمانید:

"حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اور اتمام امت برمثال
پیراں ومرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں
می دانند و فاتحہ و درود وصدقات و نذر بنام ایشاں رائج و
معمول گردید و چنانچہ با جمیع اولیاء ہمیں معاملہ است"

ایں عبارت سراپا بشارت کہ حرف حرف بر سر مخالف برقے خاطف یا ریحے قاصف حرف حرف بخاطر باید داشت واز مخالفاں پرسید کہ شاہ صاحب بطور شما جمیع امت را صراحتاً گمراہ ومشرک گفتند یا نہ وخود ایں چنیں امور را تجویز و تحسین نمودہ کافر ومشرک شدنہ یا نہ بر تقدیر اول امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کہ غلام غلام ومرید مرید ایشاں است در صراط مستقیم بمدح ایشاں چناں تر زباں:

"جناب ہدایت مآب قدوہ ارباب صدق و صفا
زبدۂ اصحاب فنا و بقا سید العلماء سند الاولیاء حجۃ اللہ علی
العالمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع کل ذلیل وعزیز،
مولانا ومرشدنا الشیخ عبدالعزیز"

معاذ اللہ کافرے مشرکے راچنیں الفاظ عظیمہ جلیلہ ستودہ وحجت خدا و نائب انبیاء وکذا وکذا اعتقاد نمودہ خود کافر ومرتد گردید یا ہیچ باز شمایاں کہ ایں کافر ومرتد را امام وپیشوا وسرور مقتدا گرفتہ ودر ہر مسئلہ وعقیدہ سر بر خط فرمانش نہادہ قدم برقدم اور فتہ اید ازیں روہمہ کافر و بے دین ومرتد ولعین

شدید، ماچہ بینوا توجروا۔

باز بہ مطلب عناں تابیم، مولوی خرمعلے بلہوری معلم ثالث طائفہ حادثہ در نصیحۃ المسلمین گوید:

"حاضری حضرت عباس کی۔ صحنک حضرت فاطمہ کی گیارہویں عبدالقادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا سہ منی بو علی قلندر کی، توشہ شاہ عبدالحق کا، اگر منت نہیں صرف ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا، منظور ہے تو، درست ہے، اس نیت سے ہرگز منع نہیں اھ ملخصاً خود امام الطائفہ در تقریر ذبیحہ سراید:

اگر شخصے بزے را خانہ پرور کند تا گوشت او خوب شوداو را ذبح کردہ و پختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواندہ بخو راند خللے نیست۔"

ایں لفظ خواندہ بخو راند، نیز نگاہ داشتن است کہ بسیارے از منکرین ایں راہم مناط انکار سازند و گویند اگر ایں اجتماع اطعام وقرأت جائز بدے تاہم بایستے کہ خوراندہ خوانند نہ کہ خواندہ خورانند کہ عبث و باطل است جواب کامل ازیں شبہ باطل و ربارقہ شارقہ یاد کردہ ایم ہم چناں ایں لفظ غوث الاعظم بردل نگاستے کہ ایں برایمان تقویہ الایامن صراحتاً شرک است، طرفہ تر آنکہ اتباع مجہول طعام فاتحہ راحرام و مردار دانند و امام الطائفہ طعام و گوشت گاؤ ند را اولیاء ہمہ را را حلال می خواند بشرطیکہ تقرب بذبح بسوئے میت نباسد وسپید می گوید کہ جانور دے کہ نذر اولیاء کردہ باشند اگرچہ چنداں نذر بروجہ حرام وقبیح ہم کنند تاہم در حلت جانورے سخنے نیست فکیف کہ نذر اولیا بروجہ

حسن باشد چہ جائے آنکہ محض بے نذر ایصال ثواب شود چہ مجل آ نکہ از ذبح جانور و اراقت دم اثر نبود۔ ہمیں قرأت قرآنے و تصدق طعامے، بمیاں آید مگر در تقریر مذکور چناں نگارد:

''اگر شخصے نذر کند کہ اگر فلاں حاجت من برآید ایں قدر نیاز حضرت سید احمد کبیر بکنم و ایں قدر طعام نیاز ایشاں مردم را نجور انجم اگرچہ دریں نذر گفتگو ست لیکن طعام حلال است و ہمچنیں ست حکم گوشت، مثلاً اگر شخصے بگوید کہ دو من گوشت نذر سیّد احمد کبیر بعد آمدن حاجت خود خواہم خوراںند، گوشت حلال است و اگر بگوید کہ گوشت گاوٗ خواہ خوراںند، نیز درست است و اگر بہ ہمیں قصد گاوٗر ا نذر کند نیز رواست چرا کہ، مقصودش گوست است و ہمچنیں اگر گاوٗ زندہ بنام سید احمد کبیر کے رابدہد بطوریکہ نقدمی دہند رواست و گوشت آں حلال است۔''

ہم در آنست:

''اگر ہمیں طور نذر برائے اولیائے گذشتگاں قدس اللہ اسرارہم، کند رواست ایں قدر فرق است کہ بسبب انتقال از عالم دنیا بہ عالم برزخ منتفع بنقد وجنس و طعام نمی تو انند شد بلکہ ثواب آں اللہ تعالیٰ بہ ارواح مطہرہ ایشاں می رسانند پس حالت ایشاں در حالت حیات و بعد ممات برابر انست۔''

بازمی گوید:

"اگر نذر کند کہ بشرط بر آمدن حاجت خود، گاؤ دو
سالہ فربہ نیاز حضرت غوث الاعظم خواہد کرد، پس حکم ایں
مثل حکم طعام است اگر نذر بطریق حسن است ہیچ خلل
نہ واگر قبیح است فعلش حرام است، وحیوان حلال۔"

ایں یازدہ قول است بعد و ایام یازدہم شریف حضرت غوث اعظم قطب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر از، امام الطائفہ بالاگزشت و دواز شاہ عبدالعزیز صاحب عنقریب می آید و باللہ التوفیق و الہدٰیۃ الی سواء الطریق۔

سخن گفتن ماند از تعیین اوقات کی در مردیاں رائج است ہمچوں سوم و چہلم و سر سال و شش ماہ اقوال و بحول اللہ اصول توقیت یعنی اکرے را وقت معین داشتن بردو گونہ است، شرعی دعادی شرعی آنکہ شرع مطہر عملے را وقت تعیین فرمودہ است کہ در غیر او اصلا صورت نہ بندد و اگر بجائے آرنداں عمل شرعی نہ کردہ باشند، چوں ایام نحر مراضحیح رایا آنکہ تقدیم و تاخیرش، ازاں وات ناروا باشد چوں اشہر الحرم حج رحرام حج رایا آنکہ ثوابیکہ دریں است در غیر و نیا بند، چوں ثلث لیل مرنماز عشارا۔ وعاوی آنکہ از جناب شرع اطلاق است، ہر وقتیکہ خواہند بجا آرند اما حدث را از ماں ناگزیر است و وقوع در زمان غیر معین محال عقلی کہ وجود و تعین مساوق ہمدگر است۔ پس از تعین چاہر نیست ایں ہم تعینات بربنائے اطلاق علی وجہ البدلیۃ صالح ایقاع بود از ینہا یکے را بربنا، مصلحے اختیار کنند بے آنکہ وقت معین را بنائے صحت یا مدار حلت یا مناط اثابت و انند پیدا است کہ بایں تقیید مقید از فرویت مطلق برنیا ید و حکمے کہ مطلق راست در جمیع افرادش ساری باشد مالم یرد منع من خصوص خصوصا پس ہیچو جا سبیل نہ آنست کہ ثبوت خصوصیت از مجوم جونید بلکہ آنکہ تصریح بمنع

ایں خاص از شرع بر آرند عبارت معلم ثانی طائفہ دربارہ دست برداشتن بدعائے تعزیہ بالا شنیدی و اینک معلم اول و امام معول طائفہ در سالۂ بدعت چناں نغمہ سرا:

"طریق ثانی آنکہ بمطلق بالنظرانی ذاتہ حکمے ازاحکام شرعۃ متعلق گرد و پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہماں حکم اقتضامی نمادگو در بعض افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد (الی ان قال) در تحقیق حکم صورت خاصہ مجوث عنہا، می نماید ہمانست متمسک بہ اصل کہ در اثبات دعوی خود حاجت بہ دلیلے نہ دارد، دلیل او ہماں مطلق است و بس الخ

حضرت والد قدس سرہ الماجدایں اصل منیف وقاعدہ شریف را تحقیق بالغ و تنقیح بازغ در اصول الرشاد افادہ ارشاد فرمودہ اند آں جابا یدجست من بادل سخن باز گردم فاقول باز اگر دریں وقت معین مرجح حامل بر اختیار را سند است چنانکہ در دو جام تشنہ و دوراہ راہے مشاہدہ کنی علی الاول مصلحت عیاں است وعلی الثانی کم نہ ازاں کہ ایں تعیین باعث تذکیر وتنبیہ و مانع تسویف و تفویت باشد ہر عاقل از وجدان خود یابد کہ چوں کارے را وقتے معین بنہند آمدن وقت یادش دہد ورنہ بسا باشد کہ از دست رو داز ہمیں جاست اوقات معین کردن ذاکرین وشاغلین و عابدین مر ذکر و شغل عبادت را یکے پیش از نماز صبح، صد بار کلمۂ طیبہ بر خود گرفتہ است۔ دیگرے پس از نماز عشاء صد بار درود، واگر ایں توقیت شرعی نہ دانند زنہار از شرع معاتب نشوند۔

جان برادر اگر بقول الجمیل شاہ ولی اللہ وصراط مستقیم امام الطائفہ و

غیرہما کتب ایں فن کہ اکابر وعمائد طائفہ تصنیف کردہ اندر رجوع آرے چیز ہا ازیں تعینات ملتزمہ یابی کہ زنہار از توقیت، شرعی نشانے نہ دارد ہیہات خود از تعیین ایام و اوقات چہ گوئی آں جاتو دہاست از اعمال و اشغال وطرق و ہیئات محدثہ ومخترعہ کہ در قرون سالفہ از انہا اثرے وخبرے پیدا نبود وایناں را باحداث وابتداع آنہا خود اعتراف است شاہ ولی الہ درقول الجمیل گویند:

"صحبتان و تعلمنا لآداب الطريقة
متصلة الٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم و ان
لم يثبت تعين الآداب ولا تلك الاشغال"

مولوی خرم علی در ترجمہ ایں عبارت گفت:

"ہماری صحبت و طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اگرچہ تعین ان آداب کا اور تقرران اشغال کا ثابت نہیں اھ ملخصاً ہم در شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل گوید:

"حضرت مصنف محقق نے کلا م دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا، بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے، تو بدعت سیۂ ہوئے۔ الخ

ہمدرآں از شاہ عبدالعزیز صاحب آرد:

"مولانا حاشئے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح

پیشوایانِ طریقت نے جلسات اور ہیئات واسطے اذکار
مخصوصہ کے ایجاد کیئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے
الخ باز خودمی گوید:
''یعنی ایسے امور کو مخالفت شرع یا داخل بدعت سیئہ
نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعضے کم فہم سمجھتے ہیں۔''
امام لطائفہ در صراط مستقیم سراید:
''محققان از اکابر مر طریق در تجدید اشغال کوششہا
کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضاء کرد کہ
یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ
مناسب ایں وقت است تعین کردہ و تجدید اشغال نمودہ شود۔''
اھ ملخصاً
ودر حال پیر خود گوید:
''در تلقین و تعلیم طریقہ چشتیہ بازروئے ہمت کشادند
وتجدید اشغالے کہ ایں کتاب مستطاب برآں محتوی گردید
فرمودند۔''
سبحان اللہ ایناں کہ بر اصل شما صراحۃ احداث فی الدین کردند وقطعاً
چیز ہا برآوردند کہ قرون سابقہ از آنہا خبرے نہ داشتند ضال ومبتدع نباشد
بلکہ ہمچناں امام ومقتداء وعرفاء وعلماء مانند، دیگراں برہمیں قدر جرم کہ چند
امور محمودہ ثابتہ فی الشرع وقتے معین گرفتند معاذ اللہ گمراہ وبدعتی شوند۔
للہ الانصاف، ایں تحکم بے جا راچہ گفتہ آید۔ مگر شریعت کا رخانگی شمنا
است کہ ہر چوں کہ خواہید پہلو گرندید۔ ہاں وہاں اے طالب حق ایناں را

در طغیان و عدوان ایناں بگذار ور وئے بہ آثار و احادیث آر تاچیزے از تعینات عادیہ برتو خوانیم۔ ازیں قبیل است آنچہ در حدیث آمد کہ حضور پور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم زیارت شہداء اُحد را سر سال مقرر فرمودند کی سیأتی و آمدن مسجد قبارا روز شنبہ کام فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ور روزہ شکر، رسالت دوشنبہ کما فی الصحیح مسلم بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ و بالصدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشاورۂ دینی را صبح و شام ما فی الصحیح البخاری عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ عنہا و انشاء سفر جہاد را پنجشنبہ، کما فیہ عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ و عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعظ و تذکری را روز پنجشنبہ کما فی صحیح البخاری عن ابی وائل۔ و علماء بدایت درس را روز چہار شنبہ کما فی التعلیل المتعلم للمام برہان الاسلام الزرنوجی حکایت کردش از استاذ خود امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایۃ و گفت ہکذا کان یفعل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاحب تنزیہہ الشریعۃ فرمود و کذا کان جماعۃ من اہل العلم ایں ہمہ ہا از باب توقیت عادی است حاشا کہ مراد سید الاسیاد علیہ افضل الصلاۃ والسلام من الملک الجود آں باشد کہ زیارت جز بر منتہائے سال زیارت نیست یاد و انبا شد یا اجر عظیمے کہ ایں روز بر بندہ نوازی و امت پروری و تشریف مزارات شہدائے کرام تمراب اقدام برکت نظام نصیب آں شاہ عالم پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کنند و دیگر نہ کنند ہمچناں مقصود ابن مسعود آں نہ بود کہ جز بروزشنبہ وعظ نیست یادر غیر او جواز نے یادرز دیگر ایں اجر مفقود یا شرع مطہر ایں تعیین نمود، حاش للہ بلکہ ہمیں عادتے التزام فرمودہ تا ہر ہفتہ بتذکری مسلماناں پرداز و وتعین یوم طالبان خیر را بہ آسانی جمع و فراہم ساز دہمبریں قیاس در امور باقیہ آری در بعضے از انہا مرجی جداگانہ حاصل است کہ مصلحت

درو ے کم از تذکیر و تیسر نیست، ہم ازیں باب است تعینات مردم و رسوم و چہلم و شش ماہ و رسال کہ بعض مصلحتے خاص دارد، و بعض آخر بقصد آسانی و یادہانی معتاد و معہود گردید ولا مشآختہ فی الاصطلاح ایں جا کلام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کہ امام الطائفہ عم نسب و پدر علم و جد طریقت بوذر شنیدن دارد۔

در تفسیر عزیزی زیر قولہ عزوجل والقمر اذا تسق فرمود:

"وارد است کہ مردہ دریں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد رسی می برد صدقات و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او می آید و ازیں ست کہ طوائف بنی آدم تا یک سال و علی الخصوص تا یک چلہ از موت داریں نوع امداد کوشش تمام می نماید اھ

ولطیف تر آنکہ شاہ صاحب موصوف عرس پیران و پدران خودشاں بہ اہتمام تمام بجامی آورند و پیش ایشاں برقبور در ویشاں اجتماع مردم فاتحہ خوانی و تسیم طعام و شیرنی بتجویز و تقریر ایشاں می شد چنانکہ در عامہ اہل سجادہ جاری و ساری است۔

مفتی عبدالحکیم پنجابی بریں افعال شاہیہ بہماں شبہات واہیہ کہ حضرات منکرین بکاری برند، برشاہ صاحب زبان مطاعن و مثالب کشود و رقم نمود

"کسانیکہ اقوال ایشاں مطابق افعال شاں نیستندی،
عرس بزرگان خود برخود مثل فرض دانستہ سال بہ سال بر
مقبرہ اجتماع کردہ طعام و شیرنی در آنجا تقسیم نمودہ مقابر راہ
وثنا یعبدمی کنند اھ" ملخصا

شاہ صاحب در رسالہ ذبیحہ مطبوعہ زبدۃ النصائح بپاسخ ایں طعن فرمایند:

قولہ عرس بزرگانِ خود آح ایں طعن مبنی است برجہل احوال مطعون الیہ، زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ ا ہیچ کس فرض نمی داند آرے زیارت و تبرک بقبور صالحین و امدفاد ایشاں باہدائے ثواب و تلاوتِ قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرنی امر مستحسن است و خوب است باجماع علماء و تعین روز عرس برائے آنست کہ آں روز مذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب ولا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است و خلف را لازم است کہ سلف خود را بایں نوع برّ و احسان نما ید باز تعین سر سال و التزامش را سند ابیـ ماديث آورند کہ ابن المنذر و ابن مردویہ از انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کردند:

ان رسـول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يـأتـي احـد ا كـل عـم فاذا بلغ الشعب سلم على قبـور الشـهـداء فقل سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار

یعنی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال بہ اُحد تشریف ارزانی میداشت، چوں بردرۂ کوہ می رسید برگور شہیداں سلام می کردومی فرمود، سلام باد بشما بہ شکیبائی شما،

پس چہ نیکوست سرائے آخرت، و امام ابن جریر در تفسیر
خودش از محمد بن ابراہیم، روایت نمود:

"و قال النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم
یأتی قبور الشہداء علٰی رأس کل حول فیقول
سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار.
و ابوبکر و عمر و عثمان۔

یعنی سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال برخاک
شہداء قدم می فرمود و می گفت:
سلام علیکم الآیۃ، بعدہ حضرت صدیق و فاروق و ذی النورین ہمچناں می
کردند، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و در تفسیر کبیر است:

عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ
وسلم ان کان یاتی قبور الشہداء رأس کل حول
فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار
و الخلفاء الاربعۃ ھکذا یفعلون

یعنی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال برمزار
شہدا می شد و آیہ مذکورہ میخواند وہمچناں حضرات خلفاء اربعۃ
می کردند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

بالجملہ حق آنست کہ تخصیصات مذکورہ ہمہ تعینات
عادیہ است کہ زنہار جائے طعن و ملامت نیست ایں قدر
را حرام و بدعت شنیعہ گفتن جہلے صریح است و خطائے قبیح۔

شاہ رفیع الدین مرحوم دہلوی برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب در فتوائے خودش چہ خوش سخن انصاف گفتہ عبارتش چناح آوردہ اند:

''سوال تخصیص ماکولات در فاتحہ بزرگاں مثلاً کھچڑا در فاتحہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ و توشہ در فاتحہ شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیر ذالک وہچناں، تخصص خورندگان چہ حکم دارد؟

جواب: فاتحہ و طعام بلاشبہ از مستحسنات است و تخصص کہ فعل مخص است بہ اختیار اوست کہ باعث منع نمی تو اند شد، ایں تخصیصات از قسم عرف و عادت اند کہ بمصالح خاصہ و مناسبت خفیہ ابتداء بظہور آمدہ و رفتہ رفتہ شیوع یافتہ الخ

اقول بلکہ اگر ایں جا خود ہیچ مصلحت دینی نباشد تا عدم مصلحت وجود مفسدت نیست کہ موجب انکار ایں کار شود ورنہ مباح کجا رود امام احمد در مسند بسند حسن از خاتونے صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی است، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرمود:

وصیام السبت لالک ولا علیک

روزہائے روز شنبہ نہ مر تراست نہ بر تو۔''

علماء شرحش فرمانید:

لا لک فیہ مزید ثواب ولا علیک فیہ ملالم ولا عتاب

''نہ ترا دروے افزوئی ثوابے نہ بر تو دروے ملامتے و عتابے

روشن شد کہ تخصیص بے مخصص اگر نافع نیاید، مضرہم نباشد نہ ہو المراد آرے ہر عامی کہ ایں تعیین عادی را توقیت شرعی واند وگماں برد کہ ایصال ثواب در غیر ایں ایام صورت نہ بند و یار وانہ باشد یا ثواب ایں ایام از ایام دیگر اتم است و وافر بلاشبہ غلط کار و جاہل و دریں گمان خاطی ومبطل است اما ایں قدر گمان معاذ اللہ در اصل ایمان خلل نیارد نہ موجب عذاب قطعی ووعید حتمی گرد......

چنانکہ امام الطائفہ در تقویت الایمان اعتقاد دارد و ایں جہالت فاحشہ او از جہل آں عامی بدر جہاں بدتراست آں از جہلے و جزافے بیش نیست و ایں ضلال بعد و اعتزال شدید ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحمید، ایں جانیز حصہ امام الطائفہ در سفہ وسخافت وحمق جزافت پیداست یقال لھم لیس من یعلم کمن لا یعلم ہمچناں آنچہ عوام جہلہ در باب ایصال ثواب امور مستنکرہ احادیث کردہ اند مثلاً ریا و سمعہ و تفاخر جمع اغنیاء ومنع فقراء و آنکہ در سوم جماعتے یکجا نشستہ ہر ہمہ قرآن بجہر خوانند و فریضہ استماع از دست دہند، ایں ہمہ ممنوع و محظور ومکروہ ومخدوراست ، علماء را باید کہ بر مفاسد و زوائد سرزنش کنند نہ آں کہ بطلاق لسان و سلاطت زبان اصل کار را برہم زدند چنانکہ بسیارے از عوام در نماز خصوصاً نوافل کہ تنہا گزارند، بعدم مراعات تعدیل ارکان وغیرہ محظورات عدیدہ خوکردہ اند ایں معنیٰ مستلزم نہی از نماز نباشد بلکہ ازیں خصائل شنیعہ تحذیر وترہیب می باید کردو برادائے نماز تحریص وترغیب ایں است سخن مجمل وقول فیصل کہ خواص آنسو وبعض عوام ایں سوہر دورا گراں آید اماچہ تواں کرد کہ حق ایں است و از حق نشاید، گزشت۔

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احکام قبورِ مؤمنین

احکام قبورِ مؤمنین

تصنیفِ لطیف

احمد رضا خاں

تقدیم

مسلمانوں کے قبرستانوں کو مسمار کر کے کوئی عمارت بنانا جائز نہیں، مسلمانوں کی قبریں واجب التعظیم ہیں۔ اس رسالۂ مبارکہ میں صرف مقابر کے احکام ہی نہیں بیان کیے گئے ہیں بلکہ وقف کے بہت سے احکام بیان کر دیے گئے ہیں اور اس سلسلے میں متعدد کتب کے بہترین حوالہ جات یکجا کیے گئے ہیں جو مدّت دراز کی عرق ریزی اور جاں فشانی کے بعد بھی علماء کے لئے حاصل کرنا ممکن نہیں اور اس ضمن میں اصول فقہ کی بہت سی نادر ابحاث بھی شامل ہیں جو اصل رسالہ دیکھنے پر ہی منکشف ہو سکتی ہیں۔

سیّد شجاعت علی قادری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سوال:

علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گورستان (اہلسنت) قدیم کی (پرانی) قبروں کو عمداً کھود کر اپنے رہنے کے لئے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے میں اہل قبور کی توہین واہانت ہوگی یا نہیں؟ بینوا، توجروا۔

الجواب

ومن الھدایۃ الی الحق والصواب

جاننا چاہیئے، کہ انبیاء و اولیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام وعامۂ مومنین اہلسنت کے ساتھ جو قلبی عداوت فرقۂ نجدیہ وہابیہ کو ہے ایسی اور کسی فرقۂ مبتدعہ کو نہیں ہے، اسی وجہ سے اس فرقۂ محدثہ کے اکابر کی تصانیف اباطیل اہانت محبوبان خدا سے بھری پڑی ہیں، جس کا جی چاہے وہ نجدی، اسمٰعیل دہلوی، وصدیق حسن بھوپالی وخرم علی و رشید گنگوہی وغیرہ کی تالیفات باطلہ اُٹھا کر دیکھ لے کہ قسم قسم کی اہانتوں سے پر ہیں۔

منجملہ ان کے ایک اہانت قبور انبیاء وشہداء واولیاء علیہم السلام کا منہدم ونابود کرنا اس فرقے کا شعار ہوگیا ہے۔

شیخ نجدی نے روضۂ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا

علامہ احمد بن علی بصری کتاب ''فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب'' میں فرماتے ہیں:

منها انه صح انه يقول لو اقدر علٰى حجرة الرسول صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم لهدمتها

یعنی میں اگر قدرت پاؤں تو روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توڑ دوں۔

شیخ نجدی نے شہداء وصحابہ کرام کے مزار توڑے

اور یہی علامہ بصری ایک دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

اقول تهديم قبور شهداء الصحابة المذكورين لا جل ابناء علٰى قبورهم ضلالة اى ضلالة انتهٰى مختصرا:

یعنی نجدی کا شہدا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور وقبوں کی وجہ سے توڑ ڈالنا بڑی ضلالت اور گمراہی اس نجدی کی ہے۔

اور یہی علامہ مذکور تیسرے مقام میں لکھتے ہیں:

قال بعضهم و لو كان المينى عليه مشهوراً بالعلم والصلاح او كان صحابياً و كان المبنى عليه قبّة و كان البناء علٰى قدر قبرهٖ فقط فينبغي ان لا يهدم لحرمة نبشهٖ و ان اندرس اذا علمت هذا فا البناء علٰى قبور هٰؤلاءِ الشُّهداءِ من الصحابة رضى اللّٰه تعالٰى عنهم لا يخلوا ما ان يكون واجباً او جائزا بغير كراهة و علٰى كلّ فلا يقدم علٰى الهدم الّا رجل مبتدع ضال لا ستلزامه انتهاک حرمة اصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم الواجب علٰى كلّ مسلمٍ محبتهم و من محبتهم وجوب توقير لهم و اىّ توقيرلهم عند من هدم قبورهم حتّٰى بدت ابدالهم و اكفانهم كما ذكر بعض علماء نجد فى سوال ارسله الىّ انتهى مختصراً

بعض علماء نے فرمایا کہ، صاحب قبہ اگر کوئی مشہور عالم متقی یا صحابی ہے اور قبہ صرف قبر کے برابر ہو تو اسے منہدم نہ کرنا چاہیئے، کیونکہ خواہ اس کا نشان بھی کیوں نہ مٹ جائے مگر اس کا کھولنا جائز نہیں۔ اب آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ان شہید صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبور پر عمارات بنانا یا تو واجب ہوگا یا بلا کراہت جائز اور بہر صورت منہدم کرنا جائز نہیں، اور یہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو۔ کیونکہ اس سے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی ہوتی ہے، حالانکہ ان کی تعظیم اور توقیر ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اب وہ لوگ تعظیم کرنے والے کیسے قرار پا سکتے ہیں جنہوں نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جبکہ بعض کے جسم اور کفن بھی ظاہر ہو گئے۔

ان بدبختوں کے نزدیک ظاہری موت کے بعد یہ بالکل بے حس و بے شعور ہو جاتے ہیں اور مر کر معاذ اللہ (پناہ بخدا) مٹی میں مل جاتے ہیں۔ ملاّ اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب تقویت الایمان کے ص ۶۰ میں حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان ارفع و اعلیٰ میں بکتا ہے کہ:

"میں[1] بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔"

---

[1] سابقاً علاّمہ بصری علیہ الرحمت کے قول میں گزرا کہ نجدی نے جب قبور شہداء و صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو شہید کیا تو ان میں ان کے کفن اور بدن شریف سب سلامت تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدفون ہوئے تخمیناً بارہ سو سال گزر چکے تھے۔ پس ہزار تف ہے ملاّ اسمٰعیل اور اس کے مقلدین وہابیہ روسیاہ پر کہ انکا ایسا ناپاک عقیدہ ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ کہ جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ اہل سنت کو ان کی صحبت بد سے بچائے ۔ آمین۔

جب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان ملاعنہ کا ایسا ناپاک خیال ہے اور ان کے روضۂ اطہر اور شہداء وصحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبور کو منہدم کرنے کا بے ہودہ خیال ہے تو باقی اموات عامہ مومنین صالحین کی نسبت پوچھنا کیا ہے۔

جب قبور مومنین بلکہ اولیاء علیہم السلام اجمعین کا توڑنا اور منہدم کرنا شعار نجدیہ وہابیہ ہوا، تو کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ صورت مسئولہ میں قبور مومنین اہلسنت کو توڑ کر بلکہ ان کو کھود کر ان پر اپنی رہائش و آسائش کے مکان بنا کر ان میں لذات دنیا میں مشغول و منہمک ہو، جو قطعاً و یقیناً اصحاب قبور کو ایذا دینا اور ان کی اہانت اور توہین کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں ہے کہ:

اہل سنت کے نزدیک انبیا و شہداء و اولیاء اپنے ابدان مع اکفان کے زندہ ہیں:

اہل سنت کے نزدیک انبیاء و شہداء علیہم التحیۃ والثنا اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں، بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان لطیفہ زمین پر حرام کئے گئے ہیں، کہ وہ ان کو کھاوے۔ اسی طرح شہداء و اولیاء علیہم الرحمۃ والثنا کے ابدان وکفن بھی قبور میں صحیح وسلامت رہتے ہیں۔ وہ حضرات روزی ورزق دیئے جاتے ہیں۔

علامہ سبکی علیہ الرحمۃ ''شفاء السقام'' میں لکھتے ہیں:

وحیاۃ الشھداء اکمل واعلٰی فھذا النوع من الحیاۃ والرزق لا یحصل لمن لیس فی رتبتھم و امّا حیاۃ الانبیاء اعلٰی و

اکمل واتم من الجمیع لا نھا للروح و الجسد علی الدّوام علٰی ما کان فی الدنیا (ص ۲۰۶، الفصل الرابع من الباب التاسع، نوریہ رضویہ فیصل آباد)

شہداء کی زندگی بہت اعلیٰ ہے زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جو ان کے ہم رتبہ نہیں، اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلیٰ ہے، اس لئے کہ وہ جسم و روح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیا میں تھی، اور ہمیشہ رہے گی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی ''پتی تذکرۃ الموتی'' میں لکھتے ہیں:

''اولیاء اللہ گفتہ اند۔ ارواحنا اجسادنا یعنی ارواح ایشاں کار اجسادمی کنند۔ وگاہے اجساد ازغایت لطافت برنگ ارواح می برآید میگویند، کہ رسول خدا را سایہ نبود (صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، ارواح ایشاں از زمین و آسمان وبہشت ہر جا کہ خواہند می روند۔ بسبب ایں ہمیں حیات اجساد آنہار اور قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می ماند۔ ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود۔ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند، مرا داز مومنین کاملین اند۔ حق تعالی اجساد ایشاں را قوت ارواح می دہد کہ در قبور نماز میخوانند (ادا کنند) و ذکر می کنند، وقرآن کریم می خوانند۔'' (تذکرۃ الموتی والقبور اُردو ص ۷۵، نوری کتب خانہ لاہور)

ترجمہ: اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں، یعنی ان کی ارواح جسموں کا کام دیا

کرتی ہیں، اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں۔ اس لئے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں، مومنین سے مراد کاملین ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی قوت عطا فرماتے ہیں۔ وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں، اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔"

اور شیخ الہند محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"اولیائے خدائے تعالیٰ نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقا، و زندہ اند نزد پروردگار خود۔ مرزوق اند و خوش حال اند۔ و مردم را ازاں شعور نیست۔ الخ (اشعۃ اللمعات، کتاب الجہاد، باب حکم الاسراء، ج ۳، ص ۴۰۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اولیاء اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے ہیں، اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش حال ہیں، اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔

اور علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

لا فرق لهم فی الحالین و لذا قیل اولیاء اللّٰہ لا یموتون ولا ینقلبون من دارِ الٰی دارِ الخ (باب الجمعہ، فصل الثالث، ج ۳ ص ۲۴۱، امدادیہ ملتان)

اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات و ممات) میں اصلاً فرق نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔"

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے "شرح صدور" میں اولیائے کرام علیہم الرضوان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایات مستندہ لکھی ہیں، جو یہاں نقل کی جاتی ہیں،

امام عارف باللہ استاذ ابو القاسم قشیری قدس سرّہ، اپنے رسالے میں بسند خود حضرت ولی مشہور سیّدنا ابو سعید خراز قدس اللہ سرہ، الممتاز سے راوی کہ میں مکہ معظمہ میں تھا۔ باب بنی شیبہ پر ایک جوان مردہ پڑا پایا۔ جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو مجھے دیکھ کر مسکرایا، اور کہا:

یا ابا سعیدا مَا علمت ان الا حبّاء احیاء و ان ماتوا و انّما ینقلبون من دارِ الٰی دار(ص ۸۶، باب زیارہ القبور و علم الموتیٰ)

اے ابو سعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے زندہ ہیں، اگر چہ مر جائیں۔ وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بدلائے جاتے ہیں۔"

وہی عالی جناب حضرت سیدی ابو علی قدس سرہ، سے راوی ہے:

میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا،
ان کا سر خاک پر رکھ دیا، کہ اللہ تعالیٰ ان کی غربت پر رحم
کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا ابا علی تذ للنی بین یدی من ید للنی

اے ابوعلی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو
جو میرے ناز اُٹھاتا ہے۔
میں نے عرض کی:
"اے سردار میرے، کیا موت کے بعد زندگی
ہے؟"
فرمایا:

بلٰی انا حیٌّ و کل محبٍ لا نصر نک
بجاھی غداً(شرح الصدور، باب زیارۃ القبور و
علم الموتیٰ، ص ۸۶)

میں زندہ ہوں، اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بیشک وہ جاہت وعزت
جو مجھے روز قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا۔"
وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرّہٗ سے راوی:
"میرا ایک مرید جوان فوت ہوگیا۔ مجھ کو سخت صدمہ
ہوا۔ نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتدا
کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری
طرف کی۔ میں نے کہا جان پدر! تو سچا ہے، مجھ ہی سے

غلطی ہوئی۔"

وہی امام، حضرت ابو یعقوب سوسی نہر جوری قدس سرہٗ سے راوی:

"میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لئے تختے پر لٹایا، اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔ میں نے کہا، جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں، یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔" (ص ۸۶)

جناب ممدوح انھیں عارف موصوف سے راوی:

"مکہ معظّمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا۔ پیر و مرشد! میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں۔ آدھی میں میرا دفن اور آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا، اور ظہر کا وقت آیا، مرید مذکور نے آ کر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا، تو روح نہ تھی۔ میں نے قبر میں اتارا، آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا، کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا:

اَنَا حَیٌّ وَّکُلُّ مُحِبِّ اللّٰہِ حَیٌّ (ص ۸۶)

میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر دوست زندہ ہے۔

نامناسب افعال کرنے سے اموات مسلمین کو ایذا ہوتی ہے:

اور بعض عامۂ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان گو سلامت نہ رہتے ہوں، تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی

آواز کرنے سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیث صحیحہ سے یہ امر ثابت بلا ریب ہے۔ حاکم وطبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا:

یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا توذی صاحب القبر ولا یوذیک (شرح الصدور ص ۱۲۶ خلافت اکیڈمی سوات)

او قبر والے قبر سے اتر آ۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے، نہ وہ تجھے۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی:

کسی نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا۔ فرمایا:

کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانّی اکرہ اذاہ بعد موتہٖ

مجھ کو جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسندیدہ ہے، یوں ہی مردہ کی

امام احمد علیہ الرحمۃ بسند احسن انھیں حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

''سید عالم صلی اللہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لَا تُؤْذِ صَاحِبَ ھٰذَالْقَبْرِ

(احمد، مشکوۃ کتاب الجنائز، باب دفن المیت، تیسری فصل)

اس قبر والے کو ایذا نہ دے

یا فرمایا:

لَا تُؤذِہٖ اسے تکلیف نہ پہنچا۔

اس ایذا کا تجربہ بھی تابعین عظام اور دوسرے علمائے کرام نے جو

صاحب بصیرت تجھے کر لیا ہے۔ ابن ابی الدنیا ابو قلابہ بصری سے راوی:

میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو گیا۔ جب جاگا تو صاحب قبر کو دکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

لقد اذیتنی منذ اللیۃ (شرح الصدور ص ۱۲۸)

اے شخص تو نے مجھ کو رات بھر ایذا دی۔

امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان نہدی سے۔ وہ ابن بینا تابعی سے راوی:

میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ گیا۔ خدا کی قسم میں خوب جاگ رہا تھا، کہ سنا، کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے

• قُم فقد اذیتنی (دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما جاء فی الرجل سمع صاحب القبر، ۷/۴۰ بیروت)

اُٹھ کہ تو نے مجھ کو اذیت دی

حافظ ابن منذر امام قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے راوی:

"اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہو جائے تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر پاؤں رکھوں۔" پھر فرمایا:

ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا۔ جاگتے میں سنا:

الیک عنّی یا رجل ولا تؤذبنی (شرح الصدور ص ۱۲۶)

اے شخص الگ ہٹ، مجھے ایذا نہ دے۔

اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمۃ اللّٰہ تعالٰی بانھم یتاذون بخفق النعال. (ص۳۴۲،فصل فی زیارۃ القبور)

مجھ کو میرے استاذ علامہ محمد ابن احمد حنفی نے خبردی کہ جوتے کی پہچل سے مردے کو ایذا ہوتی ہے۔

اسی واسطے ہمارے فقہائے کرام احناف علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

قبر پر رہنے کو مکان بنانا، یا قبر پر بیٹھنا یا سونا، یا اس پر یا اس کے نزدیک بول و براز کرنا یہ سب اُمور اشد مکروہ، قریب بحرام ہیں۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکرہ ان یبنی علی القبر او ینام او یطاء علیہ او یقضی حاجۃ الانسان من بول او غائط الخ (ج۱ص۱۶۶،الفصل السادس فی القبر والدفن)

قبر پر عمارت بنانا، سونا روندنا، بول و براز کرنا مکروہ ہے۔

علامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

لانّ المیّت یتاذی بما یتاذی بہ الحیُّ (ردالمحتار،فصل الاستنجاء ۱/۲۲۹،مصر)

یعنی اس لئے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

بلکہ ویلمی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کلّیے کی تصریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

المیت یوذیہ فی قبرہ ما یوذیہ فی بیتہ

(الفردوس بماثور الخطاب، احدیث ۷۵۴۰، ۱/۱۹۹، بیروت))

میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے، قبر میں بھی س سے اذیت پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اذی المومن فی موتِہ کا ذاہ فی حیوتِہٖ

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

مسلمان کو بعد موت ایذا دینی ایسی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔

اور اظہر من الشمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنایا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں۔ جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے، اگر کوئی معترض کہے، کہ شرح کنز میں علّامہ زیلعی لکھتے ہیں:

ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناء علیہ: (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۲۴۶، مطبوعہ مصر)

(ترجمہ) اگر میت پرانی ہو جائے اور مٹی میں مل جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔''

تو جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ یہ قول علامہ زیلعی کا احادیث مذکورہ اور روایاتِ مسطورہ کے معارض ہے لہٰذا قابل قبول نہیں ہے، اور ثانیاً یہ کہ علامہ شرنبلالی نے امداد الفتاح میں علامہ زیلعی کے اس قول کو رد کر دیا ہے، دوسری

روایت معارضہ سے پس قابل تعمیل نہیں۔

قال فی الامداد و یخالفہ مافی التتار خانیہ اذا صار المَیت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمۃ باقیۃ الخ

(ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائز، ۱/۵۹۹، مصر)

یعنی جب قبر میں میت گل کر مٹی بھی ہو جائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اس کی تعظیم وحرمت کے خلاف ہے کہ اس میّت کی تعظیم وحرمت اب بھی باقی ہے۔

اور موید ہے اس کی وہ جو علاّمہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے حدیقۂ ندیہ شرح طریقۂ محمدیہ نے لکھا ہے:

معناہ ان الا رواح تعلم بترک اقامۃ الحرمۃ والاستھانۃ فتاذی بذلک (ج۲ ص ۵۰۵، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

یعنی قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہل قبور کو ایذا ہوتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں، کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔

اور شیخ الہند علیہ الرحمۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

"شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش میدارد، و راضی نیست بتکیہ کردن برقبر وے از جہت تضمن اہانت و استخفات رابوے۔" (باب دفن المیت، فصل الثالث، ۱/۶۹۹، سکھر)

(ترجمہ) اس کے معنی غالبًا یہ ہیں کہ اس کی روح قبر پر تکیہ لگانے سے ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔

جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہل قبور کی اہانت اور ان کی توہین اور ان کی ترک تعظیم ہوتی ہے، تو اس پر کھیتی کرنے سے اور اس پر مکان بنانے سے تو بطریق اولیٰ ان کی توہین ہوگی۔ اور ثالثاً یہ کہ ہم میاں معترض نجدی شعار سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ، کہ میت بالکل مٹی ہوگئی ہے اور اس کی ہڈی بھی باقی نہیں رہی ہے، اس واسطے کہ قبر ابھی تک کھودی نہیں گئی ہے اور نہ میت کے مٹی ہونے کا قرآن اور حدیث میں کوئی وقت مقرر ہوا ہے۔ کہ اتنی مدت کے بعد میت کی ہڈیاں بھی مٹی ہو جاتی ہیں، بلکہ تجربے سے بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی بہت پرانی بستی کے اطراف میں کوئی جگہ کھودی جائے تو اس میں قبور نکلیں جن میں ہڈیاں (بلکہ بعض کے ابدان) اب تک باقی صحیح و سلامت تھیں، کتبوں سے تین تین چار چار صدیوں کی قبور معلوم ہوتی تھیں تو بلا دلیل بلا ضرورت شرعی کے کسی ممنوع امر کا کسی مبہم روایت کی بنا پر مرتکب ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر معترض پھر عود کرے، اور کہے، کہ بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کئے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے، تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے، کہ ان شہروں میں جگہ بہت تنگ ہے قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میت کے لئے الگ الگ قبر ہو، لہٰذا اس ضرورت شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات قاعدۂ متفقہ ہے۔

کبیری شرح منیہ میں ہے:

ولا یحفر قبر لدفن

اخرمالم يبل الاوّل

فلم يبق له عظم الّا عند

الضرورة بان لم يوجد

مکان سواه الخ(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی الجنائز، ص ٦٠٧)

بالجملہ صورت مسؤلہ میں قبور کو کھود کر ان پر مکانات بنانا ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں اور بلاشبہ و شک ایسا کرنے سے اہل قبور کی توہین ہوگی جو جائز نہیں ہے۔

هذا ما عندى و العلم الاتم عند ربّى قال بفمه و امر برقمه العبد الفقير محمد عمر الدين السنى الحنفى القادرى الهزاروى عفا اللّٰه تعالٰى عنه.

جو کچھ مجیب لبیب نے لکھا ہے، حق اور صواب ہے۔ چنانچہ خزانۃ الرّوایۃ میں مرقوم ہے۔

فى مفيد المستفيد عن مفاتيح المسائل و اذا صار الميّت ترابا فى القبر بكره دفن غيره فى قبره لان الحرمة باقية انتهٰى

اور یہ بھی خزانۃ الروایۃ میں ہے:

لا يجوز لا حدٍ ان يبنى فوق القبور بيتاً او مسجد الان الموضع القبر حتى المقبور ولهٰذا لا يجوز نبشه انتهى مختصراً

نمقه الراجى الى رحمته ربه الشكور

عبد الغفور صانه اللّٰه عن الافات وانشرور

☆☆☆☆

للّٰہ در المجیب حیث اجاب فاجادو اصاب فیما افاد

حرّرہ المسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ

اس فتوے کو دیکھا۔ فتویٰ صحیح ہے۔ جواب درست ہے۔

حررہ محمد عبدالرشید دھلوی عفی عنہ

الجواب الصحیح محمد افضل المجید عفی عنہ

الجواب صحیح و صواب حررہ العبد المفتقر مطیع

الرسول عبدالمقتدر القادری البدایونی عفی عنہ

(۱۳۱۷ الرسول قادری حنفی محمد عبدالمقتدر مطیع)(مُہر)

ذٰلک کذالک محمد فضل احمد البدایونی عفی عنہ

المجیب مصیب

(۱۳۱۸ قادری مہر محمد ابراھیم)

اصاب من اجاب واللّٰہ اعلم بالصواب محمد حافظ

بخش المدرس بالمدرسۃ المحمدیہ بلدہ بدایون

(مہر بخش حنفی محمد حافظ)

صح الجواب حررہ عبدالرسول محب احمد عفی عنہ المدرس

بالمدرسۃ بدایون

(مہر محب احمدقادری عبدالرسول)

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الاَرْضَ کِفَاتًاo واکرہ المُومِنِیْنَ اَحْیَاءً وَ اَمْواتاًo وَجَعَلَ مَوْتَھُمْ راحۃً وَ سَبَاتاً o و حَرَّمَ اَھانَتَھُمْ تَحْرِیْماً بَتَاتاًo وَالصَّلوٰۃُ والسَّلَامُ عَلٰی من سَقَانَا مِنْ فِضلِہٖ وَفضلتہٗ مَاءً فُراتاًo واعْطانا فی کلِّ محجّۃٍ ابلح حُجَّۃً نقضًا وَّ اثباتاًo وابّدَ تعظِیْمَ المُوْمِنِیْنَ ابَدا الا بدین وَلَمْ یُوقت لہٗ میقاتاًo فجعلَھُمْ عِظَاماً وَ اِنْ صَارُوا عِظاماً o وحرَّمَ ایْذَاءَ ھُمْ وَلَو کَانُوْا رِفاتًاوَ عَلٰی اٰلِہٖ و صَحْبِہٖ وَ اَھْلِہٖ وَ حِزْبِہٖ الْمُکْرِمِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ اشتاتاً

جزی اللّٰہ المُجیب خیراً و یثِیب

جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السنن، ماحی الفتن، مولنا مولوی محمد عمر الدین جعلہ اللّٰہ کاسِمہٖ عمر الدین و بسعیہ ورعیہٖ عمر الدین کا جواب ناجح مناجح صواب کافی و وافی ہے۔ مگر بحکم المامور معذورٌ بنظر تکثیر افاضہ دو وصل مفید کا اضافہ منظور۔ وصل اوّل اس بیان مجیب کی تائید و تصویب میں کہ قبور المسلمین کی تعظیم ضرور اور اہانت محظور، اور یہ کہ کیا کیا امور موجب ایذائے اصحاب قبور۔ یہاں اگر سلسلۂ سخن میں بعض امور مذکورہ جواب کا اعادہ ہو، تو غیر محذور کہ تکرّر فرع موجب مزید تاکید و اوقع فی الصدور ع والمسک ما کرّرتہٗ یتضوع.

وصل دوم میں احقاق مرام و ازہاق اوہام وتبکیت مخطیان بخاریہ لیام، اور اس امر کا بیان کامل وتام کہ مقابر عام مسلمین میں کوئی وقفی مکان بنانا بھی حرام نہ کہ اپنی سکونت و آرام کا مقام، نیز روایت علامہ زیلعی کی تحقیق انیق۔

اس وصل میں دو فتوے فقیر کی نقل پر قناعت ہے، کہ ان میں بحمد اللہ تعالیٰ کفایت ہے۔ وباللہ التوفیق۔

وَصْلِ اوّل

عُلمائے کرام کا اتفاق ہے، کہ مسلمان کی عزت مردہ و زندہ برابر ہے۔

محقق علی الطلاق رحمۃ اللہ تعالیٰ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی انّ حُرمَة المسلم میتاً کحرمتہٖ حیا

(ج۲ص۱۰۲، فصل فی الدفن)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

کَسْرُ عَظْمِ الْمِیّتِ و اذاہ کَکَسْرِہٖ حَیّاً

(مشکوۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت، دوسری فصل)

مردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے۔ جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا۔

رواہ الامام احمد و ابو داؤد و(کتاب الجنائز ۲/۱۰۲) ابن ماجۃ باسناد حسن عن امّ المؤمنین عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا.

یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے:

سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

المیت یؤذیہ فی قبرہٖ ما یؤذیہ فی بیتہٖ

(الفردوس بماء ثور الخطاب، حدیث ۷۵۶، ۱/۱۹۹، بیروت)

مردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔

علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

افادان حرمة المؤمن بعد موته باقية.

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، حدیث ۶۲۳۶، ۴/۵۵۱، بیروت)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔ سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

اذى المؤمن فى موته كا ذاه فى حياته

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

مسلمان مردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔

رواه ابوبكر بن شيبة

علماء فرماتے ہیں:

الميّت يتاذى بما يتاذى به الحى

(ردالمحتار، فصل الاستنجاء، ۱/۲۲۹)

جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے، مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔

كذا فى ردّ المحتار وغيره من معتمدات الاسفار.

علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اشعۃ اللمعات" میں امام علامہ ابو عمر یوسف بن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں:

"ازیں جا مستفادی گردد کہ میت متالم می گردد بتمام

آنچہ متلذذ می شود بداں زندہ" انتہی کلامہ

(باب دفن المیت، فصل ثانی)

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی۔ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔ فی الشامیۃ عن الطحاویۃ اٰخر کتاب الطھارۃ نصوا علٰی ان المرور فی سکتہ حادثۃ فیھا حرام.

(ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائز، ۱/۶۰۶)

اور فرماتے ہیں:

"مقبرے کی گھاس (سبز) کا ٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کا جانوروں کے پاس لے جائیں اور یہ ممنوع ہے کہ انہیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضاً قطع النبات الرّطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدر رو شرح المنیۃ و عللہ فی الامداد بانہ مادام رطباً یسبح اللّٰہ تعالٰی فیونس المیت و تنزل بذکرہ الرحمۃ و نحوہ فی الخانیۃ انتھٰی و فی العلمگیریۃ عن البحر الرّائق لو کان فیھا حشیش یحش و یرسل الی الدّواب ولا ترسل الدواب وفیھا اھ

(فتاوی ہندیہ، الباب الثانی عشر فی الرباطات، ۲/۴۷۱)

ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا، خشک کا

نہیں، مکروہ ہے جیسا کہ بحر اور شرح منیہ میں ہے اور امداد میں اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر کی وجہ سے رحمت نازل ہوتی ہے، اور خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی، اور علمگیریہ میں بحرالرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کر لائی جا سکتی ہے مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا۔ ارشاد فرمایا:

"ہائے کم بختی تیری اے طائفی جوتے والے، پھینک اپنی جوتی۔"

اخرج الائمۃ ابو داؤد والنّسای والطحاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ واللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رای رجلاً یمشی بین القبور فی نعلین. فقال ویحک یا صاحب السّبتستین الق سبتیتیک اھ السبتہ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لا شعر فیھا. قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال شعرھا غیر مدبوغۃ. و کانت المدبوغۃ تعمل بالطائف وغیرہ. الخ

ابوداؤد، نسائی اور طحاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے، اپنی جوتیاں اتار دے۔ سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء

سے وہ چڑا جس میں بال نہ ہوں قاضی عیاض نے فرمایا، عرب والے کچے چڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے۔

فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں:

"چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے، اموات کو رنج دیتی ہے۔"

حیث قال فی اخبرنی شیخی العلامة محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمة اللّٰه تعالٰی بانهم یتاذون بتحقق النعال انتهٰی

اھ اقول ووجهه ما سیاتی عن العارف الترمذی رحمة اللّٰه تعالی

اس لئے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ نے کہ مردے جوتیوں کی پھچل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَاَنْ یَّجْلِسَ اَحَدُکُمْ عَلٰی جَمْرَۃ فَتُحْرِقَ ثِیَابَه فَتَخْلُصَ الٰی جِلْدِہٖ خَیْرٌ لَّه مِنْ اَنْ یَّجْلِسَ عَلٰی قَبْر

(مسلم، مشکوۃ کتاب الجنائز، باب دفن المیت، پہلی فصل)

بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر

بیٹھے۔

رواہ مسلم و ابوداؤد (کتاب الجنائز، ۲/۱۰۴)والنسائی و ابن ماجۃ عن سیّدنا ابی ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ

عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشادفرمایا: اوقبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اتر آ، صاحب قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ تجھے ایذا دے۔

اخرج الطحاوی فی معانی الاثار والطبرانی فی المعجم الکبیر بسندٍ حسن والحاکم و ابن مندۃ عن عمارۃ بن حزم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قالٰ رانی رسول اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم جالساً علیٰ قبرٍ فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولا یوذیک و لفظ امام الحنفی فلا یوذیک:

(شرح الصدورص ۱۲۶، شرح معانی الاثار، ۱/۳۴۶)

طحاوی نے معانی الاثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن اور حاکم اور ابن مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا، اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یوذیک:

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا:

عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ

لگائے دیکھا، فرمایا:

لَا تُؤْذِ صاحب هٰذَا القبر كما في المشكوٰة قلت وهذا الحديث لا يلائمه تاويل الامام ابى جعفر والنهي عن شيئٍ لا ينافي النهي عن اعم منه فافهم. (باب دفن المیت، ۱/۱۴۹فصل ثالث)

صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسبت نہیں رکھتی ہے، اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عام روکنے کو مستلزم نہیں۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح میں فرماتے ہیں:

"شاید کہ مراد آنست، کہ روح وے ناخوش میدارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر دے جہت تضمن وے اہانت و استخفاف را بوے۔" اھ

(باب دفن المیت، ۱/۶۹۹، سکھر)

شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے، اپنی قبر پر تکیہ لگانے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔

اقول۔ اس توجیہہ پر امام علامہ محدث عارف باللہ حکیم الامتہ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے جزم فرمایا۔ تصریح فرماتے ہیں کہ:

"ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیص شان معلوم ہو جاتی ہے لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔"

سيد عبدالغني في الحديقة عن نوارد الاصول معناه ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة والاستهانة فتتاذى بذالك اه

(حدیقہ ندیہ، ۲/۵۰۵، فیصل آباد)

عبدالغنی نے حدیقہ میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، اس کے یہ معنی ہیں کہ ارواح اپنی اہانت و ذلت کو محسوس کرتی ہیں اور اس سے انہیں ایذا ہوتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اَمشی علٰی جمرة او سیفٍ او اخصف نعلی برجلی احب الیَّ من اَن امشی علٰی قبرٍ

(سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی النہی عن المشی علی القبور، ص ۱۱۳)

البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں۔

رواہ ابن ماجة عن عقبة بن عامر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ و اسنادہ جیّد کما افاد المنذری۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

لَأن اَطاءَ علٰی جمرة احب الیّ من ان اطاء علٰی قبر مسلم

(الترغیب والترہیب، الترھیب من الجلوس علی القبر الخ، ۴/۳۷۲، مصر)

بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر باسنادٍ حسن قالہ امام عبدالعظیم

ان ہی صحابی اجل سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا۔

فرمایا:

کما اکرہ اذی المومن فی حیاتہٖ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہٖ

(شرح الصدور ص ۱۲۶)

میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ جانتا ہوں، یوں ہی بعد موت اس کی ایذا کو ناپسند کرتا ہوں۔

اخرجہ سعید بن منصور فی سننہ کما فی شرح الصدور

اقول: و ھٰذہ الاحادیث تؤیّد ما اخترنا و توذن ان تاویل ابی جعفر رحمۃ اللّٰہ تعالٰی لیس فی مجنہ فیما فی عامۃ الکتب نأخذ لا عتضادھا بنصوص الاحادیث ولانّہ علیہ الاکثر قد نصوا ان العمل بما علیہ الاکثر و انّہ لا یعدل عن روایۃ ما وافقتھا درایۃ فکیف اذا کان ھو الاشھر الا ظھر الاا کثر الا زاھر و بھذا ایضعف ما زعم العلامۃ البدر فی العمدۃ فتبصر.

میں کہتا ہوں، ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم نے اختیار کی ہے وہ درست ہے اور ابوجعفر رحمہ اللہ کی تاویل برمحل نہیں، لہٰذا ہم وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو عام کتب میں ہے، کیونکہ اسے احادیث کی صراحت سے تقویت حاصل ہے اور اس لئے بھی کہ اکثر کا یہی قول ہے اور علماء نے صراحت کر دی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہوگی اور اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت کے مطابق ہو، تو پھر اس سے عدول کا جواز کیا ہوگا جو اشہر، اظہر، اکثر اور واضح ہے اور اسی سے علامہ بدر کا زعم عمدہ میں ضعیف قرار پاتا ہے، تو غور کیجئے۔

ان ہی احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، نے بے ضرورت[1] قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا، کہ یہ سب حرمت مومن کے خلاف ترک ادب و گستاخی ہے۔

ففی النوادر والتحفة والبدائع والمحيط وغيرها ان ابا حنيفة كره وطا القبر والقعود والنوم و قضاء الحاجة عليه كذا انقل العلامة ابن امير الحاج فی الحلية.

اقول، والكرهة عند الاطلاق كراهة تحريم كما صّرحوا به مع ما يفيده من النهى الوارد فى الاحاديث معللاً بالايذاء والايذاء حرام فهذا ما ندين الله تعالٰى به و ان قيل و قيل:

تو نوار، تحفہ اور بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ ابو حنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا، اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ہے۔ اسی طرح ابن امیرالحاج نے حلیہ میں نقل کیا۔

---

[1] قولہ، بے ضرورت۔ ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میت کے لئے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں، بیچ میں قبریں حائل ہیں اس کے لئے اجازت ہے، پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کی دعا و استغفار کرتے جائیں۔ فی حاشية العلامه الطحطاوی على مراقى الفلاح عن شرح المشكوٰة الوطالحاجة كدفن الميت لا يكره اھ و عن السرح فان لم يكن له، طريق الاعلٰى القبر جازله المشى عليه للضرورة ١٢ منه

میں کہتا ہوں جب کراہت مطلق ہوتو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذا کی علّت سے معلل ہے اور ایذا حرام ہے، پس دیانت داری کی بات یہی ہے اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے۔

حاشیہ طحطاوی علی شرح نور الایضاح میں سراج وہاج سے ہے۔

ان لم یکن له طریق الاّ علی القبر جازله المشی علیه لِلضّرورۃِ ۱۵ اقول: و ھٰذا ایضًا دلیل علٰی ما اختر نا من کراھة التحریم فان المفھوم المخالف معتبرُ فی الرّوایات و کلام العلماء بالاتفاق فافا دان المشی لا یجوز بلا ضرورۃ وما لا یجوز فادناہ کراھة التحریم

اگر قبر پر ہی سے راستہ ہوتو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے۔" میں کہتا ہوں اس سے بھی ثابت کہ ہمارا قول کراہتِ تحریمی کا درست ہے، کیونکہ مفہوم مخالف روایات اور کلام علماء میں بالاتفاق معتبر ہے، تو معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت چلنا جائز ہے، ورنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔

سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمه اللّٰه تعالٰی فی شرحه علٰی الدر و یکرہ ان یّوطاء القبر لما روی عن ابن مسعود الخ و ذکر اثر الذی رویناہ

والد صاحب نے در کی شرح میں فرمایا کہ قبر کا روندنا مکروہ ہے کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، پھر آپ نے وہی اثر روایت کیا جو ہم

روایت کر چکے ہیں۔

اور محیط سے نقل فرمایا کہ:

یکرہ ان یطاء علی القبر یعنی بالرّجل ویقعد علیہ اھ قولہ یعنی بالرِّجل قلت فسّر بذالک لئلا یحمل علی الجماع. اقول: و یکرہ ایضاً بل اشد لما فیہ من زیادۃ الاستحفاف کالو طا علٰی سطح المسجد مع الدّلا لۃ علٰی تنا ھی القلب فی تناسی الموت فکان الحمل علی الوطا بالرجل لیکون ادخل فی النھی عن الوطا بمعنی الجماع بطریق دلالۃ النص لا لانہ غیر مکروہ ھٰکذا ینبغی ان یفھم. اور جامع الفتاویٰ سے لائے۔ انہ التراب الذی علیہ حق المیّت فلا یجوز ان یوطا. اور مجتبٰی سے لائے: انّ المشی علی القبور یکرہ. اور شرعۃ الاسلام وشرع شرعہ سے: من السنۃ ان لا یطاء القبور فی نعلیہ فان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یکرہ ذالک الخ. اور امام شمس الائمہ حلوائی سے انہ قال یکرہ. اور امام علی ترجمانی سے۔ قال یا ثم بوطا القبور لان سقف القبر حق المیت اھ اقول و ھذا نص علٰی ما اخترنا من کراھۃ التحریم اذ لا اثم فی المکروہ تنزیھا لانّ مرجعہ الٰی خلاف لاولٰی ولانہ ر بما تعمدہ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و سلم بیاناً لجواز والنبی معصوم عن تعمد الاثم ولان الاثم لا یجوز فلا معنی لبیان الجواز ولانّھم صرّحوا انہ یجامع الاباحۃ کما فی اشربۃ ردالمحتار ابی السعود و المعصیۃ لا تجامعھا و لا نھم یعبرون عنھا بنفی الباس و ای باسٍ

اعظمٌ من الاثم ولان الموثم واجب الترک وما وجب ترکه کان فعله مقاربا لحرام و هذا معنی کراهة التحریم ولا نهم نصوا ان فاعل المکروه تنزیها الا یعاقب اصلاً کما فی التلویح مع ما اعتقدنا ان اللّٰه تعالیٰ ان یعاقب علیٰ کل جریرة ولو صغیرة فهذا بحمد اللّٰه تعالیٰ سبعة دلائل ناطقه بان ما واقع عن بعض[1] ابنا الزمان فی رسالة شرب الدخان من ان المکروه تنزیها من الصغائر غلط فاحش و خطاء عظیم نعم قد صرح البحر فی بحره ان المکروه تحریما منها فتثبت ولا تخبط.

نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے (۱) فصل فی زیارة القبور ندب زیارتها من غیر ان یطا القبور. اسی میں ہے. (۲) کره وطؤها بالاقدام لما فیه من عدم الاحترام و قال قاضی خان لو وجد طریقا فی المقبرة وهو یظن انه طریق احد ثوه لا یمشی فی ذالک و ان لم یقع فی ضمیره لا بأس بان یمشی فیه اھ ملخصا.

اقول و هذا ایضاً دلیل ما اخترناه فانه علق نفی البأس ان لا یقع فی قلبه انّه طریق علیٰ قبر فا فا دوجود البأس فیما اذا وقع ذلک فی نفسه و ایضاً قد تقدم التصریح بالحرمة عن الشامی والطحطاوی عن علمائنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ.

قبر کو پیروں سے روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ پیروں سے روندنے کی تشریح اس لئے کر دی کہ جماع پر محمول نہ کیا جائے۔ میں کہتا

ہوں، جماع بھی مکروہ ہے بلکہ اس کی کراہت زائد ہے کیونکہ اس میں زیادہ توہین ہے، جیسے مسجد کی چھت پر وطی کرنا، پھر اس میں موت کا بھول جانا بھی شامل ہے، لہٰذا پیروں سے روندنے پر محمول کرنا اس لیئے ہے تاکہ جماع کی ممانعت پر بطریق دلالت النص دلالت کرے۔ یہ مطلب نہیں کہ وطی مکروہ نہیں، اس طرح سمجھنا چاہیۓ۔ اور جامع الفتاویٰ سے نقل کیا، کہ یہ وہ مٹی ہے جس پر میت کا حق ہے لہٰذا اس کو روندنا جائز نہیں۔ اور مجتبیٰ میں ہے، قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔ شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے: سنت یہ ہے کہ جوتوں سے قبریں نہ روندی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے مکروہ سمجھتے تھے۔ اور شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ یہ مکروہ ہے، اور امام علی ترجمانی سے ہے کہ قبروں کے روندنے سے گناہگار ہوگا کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں، یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ کی صراحت کرتا ہے کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، وہ صرف خلاف اولیٰ ہے کیونکہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے لئے قصداً ایسا کیا اور نبی قصداً گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے۔ پھر گناہ جائز نہیں ہوتا تو بیان جواز کے کیا معنیٰ؟ پھر اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا ہے جیسا کہ اشربۃ ردالمحتار ابی السعود ہے، اور معصیت اس کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی، پھر وہ اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں، اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا، اور اس لئے کہ گناہگار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں اور اس لئے بھی کہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیسا کہ تلویح میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ

اللہ چھوٹے سے چھوٹے جرم پر سزا دے سکتا ہے۔ یہ سات دلائل ہیں، جن سے معلوم ہو کہ بعض حضرات نے حقّہ پینے کے سلسلے میں مکروفتنہ دہی کو صغائر سے بتا کر فاحش غلطی کی ہے۔ البتہ صاحب بحر نے تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے۔[1] فصل زیارت قبور کے بیان میں ہے، زیارت قبور مستحب ہے مگر قبریں نہ روندی جائیں۔

[2] قبروں کو پیروں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے، قاضی خاں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قبرستان میں کوئی راستہ دیکھا جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ یہ لوگوں نے بنا لیا ہے تو وہ اس پر نہ چلے اور اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال نہ پیدا ہو تو چلنے میں مضائقہ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ہمارے قول کی دلیل ہے، کیونکہ اس میں جواز کی صورت دل میں اس خیال کا نہ آنا ہے کہ یہ راستہ قبروں پر بنایا گیا ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو کچھ مضائقہ نہیں ہے پھر شامی اور طحطاوی جو ہمارے علماء ہیں، ان سے منقول شدہ تصریحات پہلے گزر چکی ہیں۔

علامہ اسمٰعیل نابلسی حاشیہ درر وغرر میں فرماتے ہیں:

لا باس بزیارۃ القبور والدعاء للاموات ان کانوا مومنین[2] من وطاء القبور کما فی البدائع والملتقط اھ

---

[1] ھو المولوی عبدالحیّ الکنوی ۱۲

[2] علٰی صیغۃ المفعول ای اٰمنین ۱۲

قبروں کی زیارت اور ان کے حق میں دعا کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ قبریں نہ روندی جائیں جیسا کہ بدائع اور ملتقط میں ہے۔

طریقۂ محمدیہ میں ہے:

من افات الرّجل المشی علی المقابر اھ

پیر کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔

امام علامہ محقق علی الاطلاق ان لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں جن کے اعزّاء و اقرباء کے گرد مخلوق دفن ہے، وہ ان قبروں کو روندتے ہوئے اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں، انھیں چاہیئے کنار گورستان سے زیارت اور دعا کرلیں اور ان کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔

فقد قال فی الفتح یکرہ الجلوس علی القبر و وطؤہ فما یصنعہ من دفنت حول اقاربہ خلق من و طاتلک القبور الٰی ان یّصل الٰی قبر قریبہٖ مکروہ اھ

چنانچہ فتح میں کہا، قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے، تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا مکروہ ہے۔

امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرات ابو قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اقبلت من الشام الی البصرۃ فنزلت الخندق فتطھرتُ وصلّیتُ رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علٰی قبرٍ فنمت. ثم انتبھتُ فاذا بصاحب القبر یشتکی و یقول لقد اذَیتنی منذ اللیلۃ الخ

یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔ رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سنا، کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت ابو عثمان نہدی، وہ مینا تابعی سے راوی:

''میں مقبرے میں گیا، دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہا۔ خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا، کہ سنا، صاحب قبر کہتا ہے:

قم فقد اذیتنی

اُٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی۔

امام حافظ، ابو مندہ قاسم بن مُخَیمرہ سے راوی:

''کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبرے سے آواز آئی:

الیک عنّی ولَا تؤذنی

اپنی طرف ہٹ (دور ہو) اے شخص میرے پاس سے اور مجھے ایذا نہ دے۔

ذکرھما العلامۃ السیوطی فی شرح الصدور. اقول، وفیھا تائید لما علیہ عامۃ علمائنا خلافًا للامام ابی جعفر و من تابعہ من بعض المتاخرین.

اور اس فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے حضرت سیدی ابو الحسین نوری مدظلہ العالی سے سنا کہ، کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں

گنج شہیداں ہے، کوئی شخص اپنی بھینس لئے جاتا تھا، ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جارہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے، قبر سے آواز آئی:

اے شخص تو نے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔ فیها قصة لطيفة تدلّ علٰى عظيم قدرة اللّٰه تعالٰى و عجيب صنعه في الشهداء

اب بحمد اللہ تعالیٰ حکم مسئلہ مثل آفتاب روشن ہوگیا، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا، اور علماء نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے، گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں۔ سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں۔ دور ہی سے زیارت کر آئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگرچہ جانوروں کو کھلانا جائز فرمایا مگر یوں کہ یہاں سے کاٹ کر لے جائیں نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرائیں اور تصریح فرمائی کہ مسلمان کی عزت مردہ و زندہ برابر ہے اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انہیں تکلیف دینا حرام تو خود ظاہر ہوا کہ یہ فعل مذکور فی السوال کس قدر بے ادبی اور گستاخی و باعث گناہ و استحقاق عذاب ہے۔ جب مکان سکونت بنایا گیا تو چلنا پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور اموات مسلمین کی ایذا رسانی کا باقی نہ رہے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین O

علماء فرماتے ہیں، جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک

ولی اللہ ضرور ہوتا ہے، کما صرح به العلّامه المناوی رحمه اللّٰه تعالیٰ فی التسیر شرح الجامع الصغیر.

اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمیں میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں بلکہ خدا جانے ایک ایک قبر میں کس کس قدر دفن ہیں تو بالضرورت ان میں بندگان مقبول بھی ضرور ہوں گے، بلکہ اس امر کی اموات میں زیادہ امید ہے کہ بہت بندے خدا کے جو زندگی میں آلودۂ گناہ تھے بعد موت پاک و طیب ہوگئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الموت کفارة لکلِّ مسلمٍ

موت کفارہ گناہ ہے ہر سنّی[1] مسلمان کے لئے

---

[1] فائدہ جلیلہ۔ محاورۂ قرآن و حدیث میں مومن و مسلم خاص اہل سنت کو کہتے ہیں، کہ زمانۂ نزول قرآن عظیم و ارشاد احادیث کریمہ میں صرف اہل حق اہل سنت وجماعت ہی تھے۔ اس زمانۂ برکت نشان میں کسی بد مذہب ومبتدع کا ہونا محال تھا، کہ بد مذہبی شبہ وتاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرما تھے۔ اگر شبہ گزرتا، حضور کشف فرماتے؛ شبہ والا مانتا، تو سنّی ہوتا، نہ مانتا تو کافر ہو جاتا۔ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی ولہٰذا آیۂ کریمہ و یتبع غیر سبیل المومنین سے جب علماء نے حجیت اجماع پر استدلال کیا، تصریح فرمادی کہ مبتدعین کا اتفاق اجماع میں ملحوظ نہیں، کہ مومنین سے مراد امت اجابت ہیں۔ مبتدعین امت اجابت نہیں۔ امت دعوت ہیں۔ دیکھو توضیح وتلویح بحث اجماع وغیرہ۔ یہ فائدہ نفیسہ یاد رکھنے کا ہے کہ انما المومنون اخوة وغیرہا آیات واحادیث میں مومنین سے اہلسنت ہی مراد ہیں۔ انہیں کے باہم اتفاق واتحاد کا حکم ہے۔ ندوۃ خذلہا اللہ تعالیٰ کی تعیم اور تمام گمراہوں۔ بدمذہبوں سے اتحاد وداد کی تعلیم سب بے دینوں کی تکریم و تعظیم پر ان نصوص کو پیش کرنا محض بد دینی اور ضلالت ہے والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ ۱۲ منہ

اخرجه ابو نعيم و البيهقی فی شعب الايمان عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال السيوطی صححه ابن العربی

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ فاجر معلن کے فسق وفجور کا اس کی زندگی میں اعلان کیا جائے تا کہ لوگ اس سے احتراز کریں۔

اخرج ابن ابی الدنيا فی ذمِّ الغيبة والترمذی فی النّوادر والحاكم فی الكنى والشيرازی فی الالقاب و ابن عدی فی الكامل والطبرانی فی الكبير والبيهقی فی السّنن والخطيب فی التاريخ كلهم عن الجارود عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی عليه وسلم اترعون عن ذكر الفاجر متى يعرفه الناس اذكروا الفاجر بما فيه يحذره الناس

ابن ابی الدنیا نے ذم غیبت میں اور ترمذی نے نوادر میں اور حاکم نے کنی میں اور شیرازی نے القاب میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں، سب نے جارود سے، جارود نے بہز بن حکیم، سے انھوں نے اپنے باپ سے اور ان کے دادا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ کیا تم فاجر کا ذکر کرنے سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے؟ فاجر کی برائیاں بیان کرو، تاکہ لوگ اس سے بچیں۔

اور بعد موت کیسا ہی فاسق فاجر ہو، اس کے برا کہنے اور اس کی برائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا، کہ وہ اپنے کیے کو پہنچ گیا۔

اخرج الامام احمد والبخاری والنسائی عن امّ المومنين

الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلّم قال لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الٰی ما قدموا. و اخرج ابو داؤد و الترمذی والحاکم و البیھقی عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذکر محاسِنَ موتاکم و کفّوا عن مساویھم و اخرج النسائی بسند جیدٍ عن عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذکّروا ھلکاکم الابخیرٍ

امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، تم مُردوں کو برا نہ کہو، کیونکہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی جزا کو پہنچے۔ اور ابو داؤد ترمذی، حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ تم اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے درگزر کرو۔ اور نسائی نے بسند جید عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ تم اپنے مردوں کو بھلائی سے ہی یاد کرو۔

بعد اس اطلاع کے بھی اگر ایسے اشخاص اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو اب ان کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حضرات اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہوں گے، اور اشد و اعظم مصیبت اس کی، جو اولیاء کی جناب رفیع میں گستاخ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ جلّ جلالہٗ فرماتا ہے:

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیّاً فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ

(مشکوۃ باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ، پہلی فصل۔ بخاری کتاب الرقاق)

جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کر دیا۔ رواہ الامام البخاری عن سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ . اقول و کفی بالجامع الصحیح حجۃً

غرض ان لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حال سقیم پر رحم کریں، اور خدائے جبار قہار جل جلالہٗ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کی اموات کو ایذا نہ پہنچائیں۔ آخر انھیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا اور بے کس، بے بس ہو کر پڑنا ہے، جیسا آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔

عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما تدین تدان (جیسا کروگے۔ ویسا بھروگے) اخرجہ ابن عدی فی الکامل عن ابن عمر واحمد فی المسند عن ابی الدرداء و عبدالرزاق فی الجامع عن ابی قلابۃ مرسلا وھو عند الأخرین قطعۃ حدیث قلت ولہ شواھد جمۃ و ھو من جوامع کلمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اللہ تعالٰی کی طرف شکوے کہ یہ بلا ان جاہلوں میں ان اجہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے، جنہوں نے اموات کو بالکل پتھر سمجھ لیا کہ مر گئے اور خاک ہوگئے۔ نہ اب کچھ سنیں، نہ سمجھیں، نہ کسی چیز سے ایذا یا راحت پائیں اور جہاں تک بن پڑا قبور مسلمین کی عظمت قلوب عوام سے چھیل ڈالی۔

فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

☆☆☆

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وصلِ دوم

فتوائے اُولیٰ

مسئلہ: از کلکتہ امر تلاؤ لین نمبر ۸۔ مرسلہ حاجی لعل خاں صاحب و بار دوم بلفظہ از کانپور بازار نیا گنج کمپنی داد و جی دادا بھائی سورتی مرسلہ عبدالرحیم صاحب۔ ۲۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۲۱ھ

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلے میں کہ ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں کے عمر رسیدہ قریب اسی ۸۰ سے سو ۱۰۰ برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ اس سطح زمین میں کوئی میت دفن نہیں ہوئی ہے۔ اس پر چند مسلمانان عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لئے حاکم وقت سے درخواست کی۔ تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، حاکم نے اجازت دے دی۔ ان حضرات نے مدرسہ و کتب خانہ بنانے کے لئے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر

مدرسہ و کتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں۔ اور مدرسہ کی نیو (بنیاد) کھودتے وقت اگر احیاناً وہاں مردے کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا.

الجواب:

وقف کی تبدیل جائز نہیں۔ جو چیز جس مقصد کے لئے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں۔ جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے، یوں ہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔

سراج وہاج پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

لایجوز تغیر وقف عن هیاته فلا یجعل الدّار بستاناً ولا الخان حماماً ولا الرّباط دکاناً الا اذا جعل الواقف الی الناظر ما یری فیه مصلحته الواقف اھ قلت فاذا لم یجز تبدیل الهیئاة فکیف تبعیر اصل المقصود

وقف کو اس کی ہیئت سے اسے تبدیل کرنا جائز نہیں لہٰذا گھر کا باغ بنانا اور سرائے کا حمام بنانا اور رباط کا دکان بنانا، ہاں جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو تو جائز ہے۔ میں کہتا ہوں، جب ایک ہیئت کی تبدیلی جائز نہیں تو اصل کی تغیر کیونکر جائز ہوگی۔

اور اس پارہ قبرستان میں ۱۰۰ سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے قول مفتی بہ

پر تو واقف کے صرف اتنے کہنے سے کہ میں نے یہ زمین دفن مسلمان کے لئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرۂ مسلمین کر دیا، وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے، اگر چہ ہنوز ایک مردہ بھی دفن نہ ہوا۔ اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔

اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

تسليم كلِّ شى بحسبهٖ ففي المقبرة بدفن واحدٍ وفي السقاية بشربه وفي الخان بنزوله. هدايه و هنديه. و عند ابى يوسف رحمه اللّٰه تعالٰى يزول ملكه بالقول كما هوا صله و عند محمد رحمه اللّٰه تعالٰى اذا استقى الناس من السقاية و سكنوا الخان والرّباط دفنوا فى المقبرة ذال الملك و يكتفى بالواحد لتعذر فعل الجنس كلّه و علٰى هذا البئر والحوض

ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے تو مقبرے میں ایک شخص کا دفن کرنا ہے اور سقایہ میں ایک گھونٹ پانی پینا ہے اور سرائے میں اترنا ہے۔ ہدایہ اور ہندیہ میں ہے اور ابو یوسف کے نزدیک اس کی ملک کہنے سے زائل ہو جائے گی جیسی کہ ان کی اصل ہے۔ اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے سیراب ہوں اور سرائے میں رہیں اور رباط میں اور مقبرہ میں دفن کریں تو ملک زائل ہو جائے گی اور ایک پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ تمام جنس کا فعل متعذر ہے اور کنوئیں اور حوض کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔

درمنتقی اور شامی میں ہے:

قدم فى التنوير والدرر والوقاية و غيرها قول ابى يوسف

و علمت اوحجیته فی الوقف والقضاءِ

تنویر، درر اور وقایہ وغیرہا میں ابو یوسف کا قولْ مقدم رکھا اورتم اس کی ارجحیت وقف اور قضا میں جان چکے ہو۔

پس صورت مستفسرہ میں وہاں مدرسہ وکتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں، اگرچہ مردے کی ہڈی نہ نکلے، اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہو جائے گی، کہ قبر مسلم کی بے حرمتی ہوئی۔

کما بیّنا فی الامر باحترام المقابر، واللّٰہ تعالٰی اعلم

فتوائے ثانیہ

مسئلہ

از کانپور مسجد رنگیاں، مرسلہ مولوی شاہ احمد حسن صاحب مرحوم بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب، ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ ہجری

بخدمت سراپا برکت مولانا مولوی صاحب، مجدّد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، امام جماعت عالم سنت مولنا وسیّدنا المولوی محمد احمد رضا خاں صاحب تمت فیوضاتہم و عمت سکتہ المشارق والمغارب السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کانپوری مولوی احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے، کہ بالفعل ایک اشد ضرورت ہے وہ یہ جامع العلوم والوں نے ایک فتویٰ لکھا۔ مستفتی میرے پاس لایا۔ میں نے ان کے خلاف جواب لکھا۔ جامع

العلوم والوں نے اس کو دیوبند بھیجا۔ انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی۔ مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ اب میں کس کے قول پر عمل کروں۔ میں نے کہا کہ جو فیصلہ حکم کرے، اس پر عمل کرو۔ حضرت مولنا سے بڑھ کر حکم کون ہے، لہٰذا اس استفتا کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ اور مولانا سے جواب لکھوا لاؤ۔ اور فوراً روانہ کر دو۔ چونکہ میرا ارادہ حاضری کا تھا، میں نے استفتاء لے لیا اور اتفاق کہ میں حاضر نہ ہو سکا، اور یہ بہت ضروری ہے، لہٰذا اس عریضے میں ہمراہ سیّد عبدالشکور صاحب حاضر خدمت کرتا ہوں۔ اسی وقت فیصلہ لکھ دیجئے اور سید صاحب ہی کے ہمراہ واپس فرمایئے کہ میں روانہ کر دوں۔ مولوی احمد حسن صاحب انتظار میں ہوں گے۔

نقل استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، کہ ایک سطح وقف زمین کہ قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں۔ الخ و بعینہٖ سوال آمدہ از کلکتہ امر تلالین و از کانپور بازار نیا گنج ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ کہ عنقریب فتاویٰ میں گزرا۔

جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے لعدم المانع اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کر دے وقال الزّیلعی ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہٖ وزرعہٖ والبناءُ علیہِ اھ شامیہ ص ۵۹۹ واللّٰہ اعلم.

الاحقر محمد رشید مدرس دوم، مدرسہ جامع العلوم کانپور

محمد رشید دو عالم زفیض

۱۳ھ۱۳

من اجاب فقد اصاب۔ محمد عبداللہ عفی عنہ

هذا الجواب غير صحيح لانه مخالف لعبارة الفقهاء

محمد عبد الرزاق مدرس مدرس امداد دارالعلوم کانپور

محمد عبدالرزاق

خلاصۂ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب

صورت مسئولہ میں اس مقام پر کتب خانہ و مدرسہ بنانا ناجائز ہے اس لئے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعاً یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لئے یہ زمین وقف ہوگی اور اس کی شہرت اس کے ثبوت کے لئے دلیل کافی ہے۔

درمختار میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بالشُّهرة الخ

ردالمحتار میں ہے الخ عالمگیریہ

الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز الخ

اور اس کے مندرس ہو جانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔

قاضی خاں مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۳۱۴

مقبرة قديمة بمحلة لم يبق فيها اثار المقبرة هل لا يباح لاحل المحلة الانتفاع بها قال ابو نصر رحمه الله تعالٰى لا يباح

ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلہ اس سے نفع حاصل کر سکتے ہیں، ابو نصر رحمہ اللہ نے کہا کہ مباح نہیں۔

عالمگیری جلد ثانی مطبوعہ مصر ص ۴۷۰ و ۴۷۱:

سئل الامام شمس الائمة محمود الاوز جندی فی المقبرة اذا اندرست ولم يبق فيها اثر الموتىٰ لا العظم ولا غيره هل يجوز زرعها و استغلالها قال لا ولها حكم المقبرة كذافى المحيط

امام شمس الائمہ محمود اوز جندی سے ایسے قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں، کیا اس میں کھیتی باڑی اور اسے کرائے پر دینا جائز ہے؟ فرمایا نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے:

نہ عدم جواز انتفاع بالمقبرہ امام زیلعی کی اس عبارت ہی کے خلاف ہے اس لئے کہ انھوں نے جواز میت کے بوسیدہ اور خاک ہو جائے پر مرتب فرمایا ہے اور یہاں عدم جواز اس وجہ سے نہیں بلکہ بہ سبب مقبرے کے وقف

ہونے میں ہے، جیسا کہ مصحح نے علمگیریہ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے۔ عبارت منقولہ علمگیریہ پر یہ عبارت لکھی ہے۔

قولہ قال لا هذا لا ینا فی ما قاله الزیلعی لان المانع ههنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا یجوز استعماله فی غیره فلیتامل ولیحرّر ١ ھ مصحح

ان کا قول''انھوں نے کہا، نہیں۔ یہ زیلعی کے قول کے منافی نہیں، کیونکہ یہاں مانع محل کا دفن کے لئے موقوف ہونا ہے تو اس کا استعمال غیر میں جائز نہیں، ویلحرر

اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں۔

علمگیریہ جلد ثانی ص ۴۷۸

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوضٍ خرب لا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الٰی مسجدٍ اخر او حوض اخر. قال نعم ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة الٰی عمارةٍ وهناک مسجد محتاج الی العمارة او علٰی العکس هل یجوز اللقاضی صرف و قف ما استغنی عن العمارة الٰی عمارةٍ ما هو محتاج الی العمارة فقال لا کذا فی المحیط.

شمس الائمہ حلوانی سے مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوں اور ان کی ضرورت نہ رہی ہو کیونکہ وہاں آبادی نہیں رہی، کیا قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کر سکتا

ہے؟ فرمایا ہاں اور اگر لوگ وہیں رہتے ہیں مگر اس حوض کی ضرورت نہ رہی ہو اور دوسری مسجد عمارت کی محتاج ہو یا بالعکس تو کیا قاضی اس وقف کی آمدنی جس کی ضرورت نہ ہو دوسرے وقف کی تعمیر پر خرچ کر سکتا ہے؟ تو فرمایا نہیں، محیط میں اسی طرح ہے۔

لہٰذا اس زمین میں جو دفن کے لئے وقف ہو، مدرسہ وغیرہ بنانا جائز نہ ہوگا گوخالی ہی کیوں نہ ہو، اور دوسرے اس کا خالی ہونا، فقط اتنی شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میت دفن نہ کی گئی، نہیں ثابت ہو سکتا، بلکہ اس قدیم مقبرے کا پُر ہونا سمجھا جاتا ہے، کہ جب دو تہائی زمین میں قبریں اس قدر پرانی ہیں، کہ سو ۱۰۰ برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں، تو ایک ثلث میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وہ بالکل منہدم ہوگئی ہوں اور زمین صاف معلوم ہوتی ہو، زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو۔ ہاں اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرے کے لئے وقف ہوئی کوئی میت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی تو البتہ خالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے۔ پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دوسرے کام میں لانا ناجائز ہے۔

واللّٰہ اعلم بالصواب

کتبہٗ عبدہ العاصی فضل الٰہی عفی عنہ

وھذا الجواب صحیح

کتبہ عبدالرزاق عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح

کتبہ احمد حسن عفی عنہ

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ

الجواب

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں ہے اور قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں، یہ سب جگہ جاری نہیں۔ اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدت دراز سے بند ہے تو اس میں دوسرا مکان وقفی بنا دینا درست ہے، لہٰذا مدرسۂ وقفی بنانا اس گورستان میں جائز ہے، چنانچہ اس روایت سے واضح ہے، یعنی عینی شرح بخاری جلد۲ ص ۳۵۹۔

فان قلت هل يجوز ان تبنى المساجد علىٰ قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم ار بذلک باسا و ذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لا يجوز لاحدٍ ان يملكها فاذا درست و استغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الىٰ المسجد لان المسجد ايضاً وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تمليكه لا حد فمعنا هما علىٰ هٰذا واحدٌ

اگر تم کہو، کیا مسلمانوں کی قبروں پر مساجد کا بنانا جائز ہے؟ میں کہوں گا، ابن قاسم نے کہا، اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ختم ہو جائے اور وہاں کچھ لوگ مسجد بنا لیں تو میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا، کیونکہ قبرستان بھی

مسلمانوں کا ایک وقف ہے ان کے مردوں کو دفن کرنے کے لیئے، کسی کے لئے اس کا مالک بننا جائز نہیں۔ اب جبکہ وہ مٹ گیا اور اس میں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہوا، کیونکہ مسجد بھی، مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک ہے لہٰذا ان دونوں کا مقصد ایک ہے۔

اور کتب فقیہہ میں بھی روایات جواز موجود ہیں۔ مگر بندے کو مہلت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

رشید احمد گنگوہی عفی عنہ الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ

(رشید احمد ۱۳۰۱ھ)

الجواب صحیح، بندہ مسکین محمد یٰسین عفی عنہ۔ الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ

(محمد یٰسین عفی عنہ)

جبکہ وہ مقبرہ نہایت کہنہ ہے اور اس وقت دفن کرنا وہاں متروک ہوگیا ہے تو بناء مدرسہ اس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے البتہ اگر وہ مقبرہ فی الحال دفن اموات میں کام آتا ہو تو کوئی اور بنا اس میں درست نہیں ہے۔

قال فی علمگیریة ولو بلی المیت و صار تراباً جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ و البناء علیہ کذا فی التبیین

علمگیریہ میں ہے کہ اگر میت پرانی ہو جائے اور مٹی ہو جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے۔

فقط و اللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ

(فتوکل علی العزیز الرحمٰن ۱۳۰۷)

الجواب

اَللّٰهُمَّ هداية الحقّ والصّواب

جواب: اوّل غلط صریح اور حکم ثانی حق وصحیح اور تحریر ثالث جہل قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ

اولاً سوال میں صاف تصریح تھی کہ "ایک سطح وقف زمین" پھر مجیب سوم کی تشقیق کہ "اگر وہ قبرستان نہیں" الخ محض شقشقہ بے معنی ہے۔

وقف میں شہرت کافی ہے

ثانیاً: "قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں، یہ سب جگہ جاری نہیں" اس یہ، کا مشارٌ الیہ شہرت ہے یا واقفیت۔ اول صحیح ہے، مگر مہمل، ونداۓ مہمل۔سوال اس صورت خاصیہ سے ہے جہاں شہرت موجود ہے۔اس پر حکم کے لئے ہر جگہ شہرت کیا ضرور۔ یوں ہی دوم بھی اگر مقصود سلب واقفیت بحال انتفاۓ شہرت ہو، اور ان ہی دونوں صورتوں میں یہ قول کہ، اکثر جگہ دیکھا گیا، کہ گورستان وقف نہیں ہوتا۔ روبصحت رکھتا ہے۔اگرچہ کثیر واکثر میں فرق نہ کرنا ضیق نطاق بیان اور اگر نفی واقفیت شہرت مراد، تو محض مردود ظاہر انفساد اور اب وہ شہادت مشاہدۂ اکثر بلا صراحتاً حکایت بیحکی عنہ ہے۔ متون وشروح وفتاواۓ مذہب میں تصریحات جلیہ ہیں، کہ شہرت مثبت واقفیت ومسوغ شہادت ہے۔

کلام مجیب دوم سلمہ میں بھی اس کی بعض نقول منقول، پھر باوصف تسلیم دلیل شرعی نفی مدلول جہل قطعی۔ یہاں شہادت شہرت کو نہ ماننا نہ اسی

مقبرے بلکہ عامہ اوقاف قدیمہ کو یکسر مٹا دیتا ہے۔ طول عہد کے بعد شہود معائنہ کہاں۔ اور مجرد خط حجت نہیں۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجر دالحجّة لما صرح به علماءُ نا من عدم الاعتماد علی الخط و عدم العمل به کمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاة الماضین و انما العمل فی ذٰلک بالبینة الشرعیة: اسی میں ہے:

کتاب الوقف انما هو کاغذ به خط و هو لا یعتمد علیه ولا یعمل به کما صرّح به کثیر من علمائنا والعبرة فی ذالک للبینة الشرعیه و فی الوقف یسوغ للشاهد ان یشهد بالسماع و یطلق ولا یضرّ فی شهادته قوله بعد شهادته لم اعائن الوقف ولکن اشتهر عندی او اخبرنی به من اثق به.

صرف تحریری صورت کافی نہیں اور نہ صرف دلیل سے کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح کر دی ہے کہ خط پر اعتماد نہیں اور اس پر عمل نہ ہوگا، جیسے وہ وقف نامہ جس پر گذشتہ قاضیوں کی تحریریں ہوں۔ اس معاملے میں شرعی گواہوں پر عمل ہوگا۔ اِسی میں ہے: وقف کی تحریر تو ایک کاغذ ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عمل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے تصریح کی ہے۔ اعتبار اس سلسلے میں شرعی گواہوں کو ہے اور وقف میں گواہ کے لئے جائز ہے کہ سن کر گواہی دے اور اطلاق رکھے اور اس کی شہادت میں ادائے شہادت میں بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معائنہ نہیں

کیا، لیکن میرے نزدیک مشہور ایسا ہی ہے یا مجھے قابل اعتماد شخص نے خبر دی ہے کچھ مضر نہیں۔

اب اگر شہرت بھی مقبول نہ ہو، تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض بے ثبوت و باطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے۔

وقف میں تبدیل حرام ہے اور گنگوہی صاحب کی سفاہت!

ثالثاً۔ مقبرے کے لئے وقف تسلیم کر کے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح و جہل فاضح ہے کہ اس میں صراحتاً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے، حتیٰ کہ متولی کو بھی جو وقف پر دلالت رکھتا ہے، نہ کہ اجنبی، حتّٰی کہ علماء نے ہیئات کی بھی بے اذن واقف اجازت نہ دی نہ کہ تغیر اصل وقف۔

عقود الدّریہ میں ھے:

لا یجوز للناظر تغیر صیغة الواقف کما افتٰی بهِ الخیر الرّملی والحانوتی وغیرهما۔ سراج الوهاج و هندیه میں ھے۔ لا یجوز تغیر الوقف عن هیأة فلا یجعل الدار بستاناً ولا الخان حمّالاً ولا الرّباط دکاناً الّا اذا جعل الواقف الی الناظر ما یرٰی فیه مصلحة الوقف. فتح القدیر وردّ المحتار و شرح الاشباه للعلامة البیری، میں ھے:

وقف کے نگہبان کے لئے وقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا

کہ خیر رملی اور حانوتی وغیرہما نے فتویٰ دیا ہے۔ سراج الوہاج اور ہندیہ میں ہے، وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہٰذا گھر کو باغ اور سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں۔ ہاں اگر نگرانِ وقف کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہر وہ کام کرسکتا ہے جس میں وقف کی صلاح ہو تو ٹھیک ہے۔

الواجب الوقف ابقاء الوقف علٰی ما کان علیہ دون زیادۃ

وقف کرنے کے لئے مالک ہونا شرط ہے

شے ایک بار وقف ہوکر، دوبارہ وقف نہیں کرسکتی

رابعاً، مدرسہ یا کتب خانہ یا کوئی مکان کیا خالی دیواروں کا نام ہے۔ ہر عاقل ادنیٰ عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین ضرور اس میں داخل، تنہا دیواروں کو بنا و عملہ کہتے ہیں۔ نہ بیت و خانہ مدرسہ جائے درس۔ محل درس زمین ہے۔ یا دیواروں پر بیٹھ کر درس ہوگا۔ اور یوں بھی ہوتا ہم قرار استقرار کو انتہا علی الارض سے کیا چارہ۔ اور یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لئے وقف ہو چکی، دوبارہ وقفیت کیونکر معقول، کہ واقف کا وقت وقف مالک ہونا شرطِ وقف ہے، کہ ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہل وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقف بعد تمامی کسی کی ملک نہیں تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہوگا، نہ کہ زید و عمرو بلکہ یہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اخرٰی پر ہو یا اسی جہت اولٰی پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔ بحرالرائق و علمگیریہ وغیرہما میں ہے

اما شرائطه فمنها العقل والبلوغ و منها ان يكون قربته و منها الملك وقت الوقف و يتفرع على اشتراط الملك انه لا يجوز وقف الاقطاعات ولا وقف الارض الحوز للامام اھ ملتقطا۔ اسعاف میں ہے۔

اتفق ابو يسف و محمد رحمهما الله تعالٰى ان الوقف يتوقف جوازه على شروط بعضها في المتصرف كالملك فان الولاية على المحل، شرط الجواز والولاية تستفاد بالملك اوهي نفس الملك ۔ اسی میں ہے. لو وقفا رضاً اقطعه' ايّاها السلطان فان كانت ملكا له او مواتا صحّ و ان كانت من بيت المال لا يصحّ:

بہر حال اس وقف کی شرائط، تو ان میں سے بلوغ اور عقل ہے، اوران میں سے اس کا عبادت ہونا ہے، وقت وقف ملک کا ہونا ہے اور اس پر یہ بھی متفرع ہے کہ جاگیر کا وقف جائز نہیں، اور امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف جائز نہیں، امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ نے اتفاق کیا ہے کہ وقف کا جواز، بعض شرائط پر موقوف ہے کچھ تو اس میں سے متصرف میں ہیں جیسے ملک کیونکہ ولایت محل شرط جواز ہے اور ولایت یا تو ملک سے مستفاد ہے، وہ خود ملک ہے۔

اسی میں ہے۔
اگر کسی شخص نے بادشاہ کی دی ہوئی جاگیر وقف کر دی تو اگر وہ

اس کی ملک ہے یا مردہ زمین ہے تو صحیح ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو صحیح نہیں۔

زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کیلئے وقف نہیں ہو سکتی

خامساً۔ تنہا عمارت وقف ہوگی یا تنہا زمین، یا دونوں، ثانی بدیہی البطلان لان الوقف لا یوقف، یوں ھی ثالث لانہ علیہ یتوقف۔ اول کا جواز ارض غیر محتکرہ میں صرف اس صورت میں ہے کہ یہ عمارت اسی کام پر وقف ہو جس پر اصل زمین کا وقف ہے۔ ھو الصحیح بل ھو التحقیق و بہ التوفیق، تو زمین، مقبرہ اور دیواریں مدرسہ یہ محض وسوسہ۔

فتاویٰ علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی کرم مشتمل علیٰ عنب و تین و ارضہ و قف سیّدنا الخلیل علیہ و علیٰ نبیّنا و سائر الانبیاء افضل الصّلوٰۃ و اتم السلام من الملک الجلیل ادّعیٰ رجلٌ بانّہ وقف جدّہ ھل تسمع دعواہ. اجاب لاتسمع ولا تصح اذا الکرم اسم للارض والشجر وان ارید بہ الشجر فوقف الشجر علیٰ جھۃ غیر جھۃ الارض مختلف فیہ و قد قال صاحب الذخیرۃ وقف البناء من غیر وقف الارض لم یجز ھو الصحیح و ان ارید کل من الارض والشجر فبطلانہ بدیھی التصور وان ارید الارض فبدیھیۃ البطلان

اولیٰ اھ ملتقطاً. اسی میں اس کے متصل ہے۔

كيف يصح للواقف و قفها علٰى نفسه وهى وقف الجليل عليه الصلوٰة والسلام ا ھ و هذا معنى قوله فبطلانه بديهى التصور.

ردالمحتار میں ہے:

الذى حرّره فى البحر اخذا من قول الظهيرية و امّا اذا وقفه على الجهة التى كانت البقعة وقفاً عليها جاز اتفاقاً تبعًا للبقعة و ان قول الذخيرة لم يجزهوا الصحيح مقصور علٰى ما عدا صورة الاتفاق و هو ما اذا كانت الارض ملكا او وقفاً علٰى جهة اخرى اه علٰى هذا فينبغى ان يستثنٰى من ارض الوقف ما اذا كانت معدة للاحتكار و به يتضح الحال و يحصل التوفيق بين الاقوال اھ، ملخصاً و قد ا و ضحناه فيما علّقنا عليه:

اب باغ کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں انگور اور انجیر ہیں اور اس کی زمین ہے، جو حضرت ابراہیم نے وقف کیا تھا، ایسے باغ پر ایک شخص نے دعویٰ کر دیا کہ یہ اس کے دادا نے وقف کیا تھا، کیا اس کا دعویٰ سنا جائے گا؟ جواب دیا نہیں، کیونکہ باغ زمین اور درختوں کے مجموعہ کا نام ہے اور اگر اس سے مراد درخت ہوں تو درختوں کا زمین کی جہت کے غیر میں وقف کرنا مختلف فیہ ہے۔ صاحب ذخیرہ نے کہا ہے کہ عمارت کا وقف کرنا زمین کے بغیر جائز نہیں۔ یہی صحیح ہے اور اگر زمین اور درخت سب مراد ہیں تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے، اور اگر صرف زمین ہو تو اس کا باطل ہونا اور بھی

ظاہر ہے، اسی میں اس کے متصل ہے: کہ واقف اس کو اپنے اوپر کیونکر وقف کرسکتا ہے، حالانکہ یہ وقف ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ یہی معنی ہیں ان کے قول کے کہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

جو بحر نے فیصلہ کیا ہے وہ ظہیریہ کے قول سے ماخوذ ہے اور اگر اسی جہت پر وقف کیا جس پر وہ خطہ وقف تھا تو وقف اس کی اتباع میں جائز ہے اور ذخیرہ کا قول "جائز نہیں" صحیح ہے اور یہ اتفاق کی صورت کے غیر پر مقصور ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ زمین ملک یا وقف ہو، کسی دوسری جہت پر، اس بنا پر زمین وقف سے اس صورت کا استثنا ضروری ہے جبکہ وہ زمین احتکار کے لیے تیار کی گئی ہو، اس سے صورت حال واضح ہو جاتی ہے اور تمام اقوال میں توفیق ممکن ہے۔

گنگوہی صاحب کی سخت نافہمی

متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتانا

سادساً: مدرسہ یا کتب خانہ جو بنایا جائے گا، جبکہ شرعاً وقف نہیں ہوسکتا۔ لاجرم ملک بانیان پر رہے گا اور اب یہ صراحتاً وقف میں تصرف مالکانہ اور اپنے انتفاع کے لئے اس میں عمارت بنانا ہوگا، تو آفتاب کی طرح واضح ہے کہ قاضی خاں وعلمگیری ومحیط کی عبارات جو مجیب دوم سلمہ نے نقل کیں، کہ مقبرہ اگرچہ مندرس ہو جائے، اس میں قبر کا نشان درکنار، اموات کی ہڈی تک نہ رہے جب بھی اس سے انتفاع حرام، اور ہمیشہ اس

کے لئے حکم مقبرہ رہے گا۔

اسی طرح فتاویٰ ظہیریہ وخزانۃ المفتین واسعاف کی عبارات کہ:

مقبرہ قديمة بمحلة لم يبق فيها اثار المقبرة لا يباح لاهل المحلة الا نتفاع بها و ان كان فيها حشيش يحش منها و يخرج الحشيش الى الدّواب ولا ترسل الدّواب فيها

جو قبرستان پرانا ہو اور اس میں مقبرے کے آثار باقی نہ رہے ہوں، اس سے اہل محلّہ نفع حاصل نہیں کر سکتے ہیں اگر اس میں گھاس ہو تو وہ بھی کاٹی جا سکتی ہے۔ کاٹ کر باہر لائی جائے مگر جانور قبرستان میں نہ چھوڑے جائیں۔" قطعاً مفید مدعا تھیں۔

اور مجیب صاحب سوم کا یہ زعم کہ:

"مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے، اس سے بھی مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔" محض سوءِ فہم اور جہل مبین۔

گنگوہی صاحب پر گرفت

سابعاً۔ مجیب سوم کو جب فقہ میں کوئی راہ نہ ملی، ناچار متون وشرح و فتاوائے مذہب سب بالائے طاق رکھ کر نصوص اصول و فروع فقہ حنفی سب سے آنکھ بند کر کے شرح صحیح بخاری سے ایک روایت خارج عن المذہب پر قناعت کی کہ ابن القاسم نے کہا، کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اور اس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے۔

عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں، کس مذہب کے عالم ہیں، ان کا قول مذہب حنفی میں کہاں تک سنا جا

سکتا ہے، اور وہ بھی خاص ان کی اپنی رائے، اور وہ بھی اصول و فروع مذہب کے صریح خلاف۔ مجیب صاحب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ شرح جامع صحیح میں صرف اقوال مذہب پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ آئمہ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق و لاحق بلکہ بعض بدمذہبوں مثلاً داؤ د ظاہری و ابن حزم تک پہنچ کے اقوال نقل کر جاتے ہیں، بلکہ بارہا این و آن ہی کے قول پر قناعت فرماتے اور آئمہ مذہب کا مذہب بیان میں نہیں لاتے، جاہل کہ تراجم علماء سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادم علم بحمد اللہ تعالیٰ فرق مراتب و تفرقۂ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔ علاّمہ عینی یہاں کسی کتاب فقہ کی تحریر میں نہیں یہ اسطراوی بالائی فوائد ہیں جن سے اقاویل ناس پر اطلاع مقصود اور مذہب تو اصلاً و فرعاً کتب مذہب میں مضبوط ہو چکا۔ ان کی ان نقول کا اکثر مادہ تصانیف ابن المنذر و ابن بطال وغیرہما شافعیہ وغیرہم ہیں۔ ان کی عادت ہے کہ محل نقل میں سطریں کی سطریں بلکہ کہیں صفحے کے صفحے بلا غرو بے تغیر لفظ نقل فرما جاتے ہیں، جس پر ان کے امام عصری امام ابن حجر عسقلانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ نے الدرّر الکامنہ میں تنبیہ کی، یہاں بھی صدر کلام ذکر ما یستنبط منہ من الاحکام سے آپ کی منقولہ حکایت تک اسی قسم کی عبارت ہے۔ عالم تو متعدد وجہ سے پہچانے گا کہ یہ کلام حنفیہ نہیں۔ آپ نے اتنا ہی دیکھا ہوتا کہ اس عبارت میں ہے الیٰ جواز نبش قبورھم للمال ذھب الکوفیون والشافعی واشھب بھٰذا الحدیث، حنفیہ کا محاورہ نہیں کہ اپنے آئمہ کا مذہب یوں بیان کریں، کہ کوفے والے ادھر گئے ہیں، قائل حنفی ہوتا تو ذھب المتنایا اصحابنا یا علماؤنا و امثال ذٰلک لکھتا۔ یہ ابن

القاسم و اشہب ، دونوں[1] حضرات مالکی المذہب عالم ہیں۔ خود امام ہمام کے شاگرد، اور ان کے مذہب میں اہل روایت و درائت جیسے ہمارے ہاں زفر و حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم، آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہب حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتویٰ دیتے، اور اپنے زعم میں اسے مذہب حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں، حالانکہ آئمہ تو ہمارے آئمہ وہ اس مذہب کے بھی امام مجتہد سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ یہ ابن القاسم ہمارے علماء سے نہیں۔ مگر ہاں جب نافہی کی ٹھیری تو آپ کو کیا لگتا کہ اس ذکــــــر اصــحـابـنـا کــو بھی قال ابن القاسم کے تحت میں داخل۔ اور انہیں کے مقولے میں شامل مانتے۔

ثامناً۔ مجیب صاحب نے ناحق اس حکایت غیر مذہب پر قناعت کی کہ فقط بیچارے مردہ مسلمانوں کی قبریں، طلبہ اور مدرسہ کے بھنگی بہشتی سے پامال کرانے کی گنجائش ملی۔ اس ذکر اصحابنا کو کیوں نہ لیا کہ مسجدوں میں ہل چلانے، گھوڑے یا گدھے باندھنے کی راہ چلتی۔

بـل هـو اشـنـع واخـنـع و هو اتخاذ موضع المسجد حشا و كنيفا لـقـوله و ذكر اصحابنا ان المسجد اذا خرب و دثر ولم يبق حوله جـمـاعة والمقبرة اذا عفت ودثـرت تـعـود ملكا لاربابها. قال فاذا عـادت مـلـكا يجوزان يبنٰى موضع المسجد داراً و موضع المقبرة مسجدا و غيره ذٰلك لان الدّار لا بدّلها من تلك الاشياءِ

[1] دونوں حضرات کے مزار فائض الانوار قرافہ میں یکجا ہیں۔ علمائے فرماتے ہیں ان دونوں مزاروں کے بیچ میں دعا قبول ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ حفظ ربّہٗ ۔

بلکہ یہ زیادہ برا ہے، کہ مسجد کو اصطبل یا باڑہ بنا لیا جائے کیونکہ انھوں نے کہا کہ ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ مسجد جب ویران ہو جائے اور اس کے گرد کوئی جماعت نہ رہے، اور قبرستان جب مٹ جائے تو ان پر ان کے سابق مالک کی ملک لوٹ آتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں ملک میں آ گئیں تو مسجد کی جگہ کو گھر اور قبرستان کی جگہ کو مسجد وغیرہ بنانا درست ہوا، کیونکہ گھر کے لئے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔" مگر آپ نے ضرور ہوشیاری برتی۔

اولاً، جانتے تھے، کہ کتب معتمدۂ مذہب مشہورہ متد اولہ میں اسے صراحتاً رد کیا اور اس کے خلاف پر بشدّ و مد فتویٰ دیا ہے۔

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولو خرب ما حوله و استغنٰی عنه یبقی مسجد عند الامام والثانی ابداً الٰی قیام الساعة و به یفتٰی

اور اگر اس کا اردگرد ویران ہو گیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی امام کے نزدیک اور دوسرا ہمیشہ قیامت تک اور اسی پر فتویٰ ہے۔

حاوی القدسی و بحرالرّائق و ردّ المحتار میں ہے:

"واکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الا وجه فتح"

ثانیاً، یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ جسے علامہ عینی نے اصحابنا کی طرف نسبت کیا، خاص اسی حالت میں ہے، جب وہ شے موقوف اس غرض کی صلاحیت سے بالکل خارج ہو جائے جس کے لئے واقف نے وقف کی تھی۔ اصلاً کسی طرح، اس کے قابل نہ رہے۔

ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الفتح ما معناہ انه یتفرع علیٰ الخلاف المذکور ما اذا انھدم الوقف و لیس له من الغلة ما یعمر به فیرجع الی البَاقی اوورثته عند محمد خلافا لابی یوسف لکن عند محمد انّما یعود الیٰ ملکه ما خرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالکلیة.

فتح میں جو ذکر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف مذکور پر یہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر وقف عمارت منہدم ہو جائے، اور اس کی اتنی آمدنی نہیں ہے کہ اسے تعمیر کیا جائے تو وہ بنانے والے یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا۔ امام محمد کے نزدیک اس میں ابو یوسف کے خلاف ہے، لیکن محمد کے نزدیک اس کی ملک میں صرف وہی لوٹے گا جس سے بالکل نفع ممکن نہ ہو۔

یہ بات مقبرۂ مذکورہ میں کیونکہ متصور ہو کہ ہنوز تہائی میدان حسب بیان سائل بالکل خالی پڑا ہے۔ ثالثاً، شاید یہ بھی کچھ اندیشہ گزرا کہ اس مقبرے کے ساتھ مسجد کی بھی خیر نہیں، مبادا عوام بھڑک جائیں، ان وجوہ سے ذکر اصحابنا چھوڑ کر قال ابن القاسم کا یہ سرا پکڑا۔ مگر غافل کہ جن تین اندیشوں سے گریز فرمایا، وہی تینوں یہاں بھی آپ پر عائد بلکہ مع شے زائد اوّل، تو وجہ سابع میں دیکھ چکے، کہ خلاف مفتی بہ ہونا تو درکنار وہ سرے سے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں، اور ثانی یوں کہ کلام ابن القاسم میں عفت و درست ہے۔ عفاء دروس نیست و نابود و ناپیدا و بے نشان ہونا ہے۔ یہ اس مقبرے پر کہاں صادق کہ سائل کہتا ہے، پرانی شکستہ قبریں

پائی جاتی ہیں تو ابھی نیست و نابود و ناپدید نہ ہوا، اور اس روایتِ خارجہ نے بھی آپ کو کام نہ دیا، اور ثالث یوں کہ جب ان کی رائے میں مجرّد وقفیت موجب اتحادِ معنی و جواز اقامت بجائے یک دگر ہے تو جیسے مقبرے کو مسجد کرنا روا، یوں ہی مسجد کو مقبرہ۔ یوں ہی مسجد کو سرائے اور سرائے میں بیت الخلا۔ فان الکل وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکہ لاحدٍ فمعنی الکل علٰی ھٰذا واحد. پھر مفر کدھر۔

تاسعاً۔ ذرا براہ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آ کر فرمایئے، کہ ابن القاسم نے کہا۔ مقبرے کو بعد بے نشانی مسجد کر دینا روا اور ابو القاسم محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ مقابر پر مسجد بنانا حرام۔ آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالت واحد پر وارد، جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم کی بات کو حق جانیں، اور ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں۔ اور اگر حالت مختلف ہے تو پہلے وہ فرق معین کیجئے، جس پر ان دونوں احکام کا انقسام ہوگا، کیا فقط نو و کہن کا تفرقہ ہے کہ نئی قبروں پر مسجد بنانا حرام اور جہاں ذرا پرانی پڑیں اور اب ان پر نماز جائز ہوگئی یا فقط اوپر کا نشان مٹ جانا چاہیئے، یا یہ ضرور ہے کہ لاشوں کے تمام اجزاء ساری ہڈیاں بالکل خاک ہو جائیں، مردے بجمیع اجزاء تراب خالص کی طرف استحالہ کریں، اس کے بعد روا ہے۔

اوّل، تو بداہۃً باطل اور شاید بعلّت وہابیت آپ کے یہاں تو شرک ہو، اور ثانی بھی اسی کی مثل ہو، کہ نشان بالا نہ قبر ہے، نہ قبر کے لئے رکن و شرط، تو اس کا عدم وجود یکساں۔ مہذا اس مقبرے میں یہ صورت بھی ہنوز متحقق نہ ہوئی، کہ نشان قبر موجود ہیں اور آپ کا حکم بے تخصیص ثلث خالی

صاف مطلق ہے کہ مدرسہ وقفی بنانا گورستان میں درست ہے۔" اور آپ کے مقلد نے اس اطلاق کی صریح تصریح کر دی کہ" بنائے مدرسہ اس جگہ میں خصوصاً حصہ خالی میں درست ہے۔" اس خصوصی نے عموم کو واضح کر دیا، لا جرم ثالث لیجئے گا۔ اب یہ آپ پر لازم تھا، کہ دلیل شرعی سے اس مدّت کی تعیین کرتے، جس میں مردوں کی ہڈی پسلی کا اصلاً نام و نشان نہیں رہتا۔ سب سے پچھلی جو میت دفن ہوئی اسے اتنی مدت گزر چکی۔ ان دو مرحلوں کو بغیر طے کیے حکم جواز لگا دینا محض جہل تھا۔ اتنا یاد رکھئے کہ مجرد شک یہاں کام نہ دے گا، کہ الیقین لا یزول بالشک عقل و نقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے۔ جو د مانع یعنی بعض اجزائے موت پر یقین نہ ہو، حکمِ حرمت و ممانعت ہی رہے گا اور آپ کے لیت و لعل سے کام نہ چلے گا، تو ظاہر ہوا، کہ اس روایت خارجہ عن المذہب کا دامن پکڑنا بھی محض سوءِ فہم و بندگی و ہم تھا۔ و باللہ العصمۃ۔

عاشراً۔ لطف یہ ہے کہ اس روایت خارجہ میں شرط استغنا عن الدفن لگائی گئی ہے، آیا اس سے مراد کہ اس کے سوا دوسری جگہ دفن ہو سکتا ہو، جب تو یہ شرط محض لغو و عبث ہے۔ وہ کونسا گورستان ہے جس کی طرف احتیاج دفن بمعنی لولاہ لا متنع ہے۔ نہ ہرگز تعطل و ویرانی اوقاف میں صرف اس قدر ملحوظ ہوتا ہے بلکہ یہاں مطمح النظر دو امر رہتے ہیں ایک عدم محتاجین یعنی وہاں آبادی نہ رہی، لوگ متفرق ہو گئے۔ اب حاجت کسے ہو، جیسے باب دوم میں علمگیری و محیط سے دربارۂ مسجد و حوض گزرا، کہ خرب ولا یحتاج الیہ لتفرق الناس۔ دوسرے عدم حاجت بوجہ عدم صلوح۔ یعنی وہ شے کسی مانع و قصور و نقص کے سبب اس کام کی نہ رہی، مثلاً زمین پر پانی نے غلبہ کیا، کہ

دفن کی گنجائش نہ رہی۔

فتاویٰ کبریٰ و جامع المضمرات و ہندیہ و اسعاف وغیرہا میں ہے:

امراۃ جعلت قطعۃ ارض لها مقبرۃ و اخرجتها من یدها و دفنت فیها ابنها وتلک القطعۃ لا تصلح المقبرۃ نعلبۃ الماءِ عندها فیصیبها فساد فارادت بیعها. ان کانت الارض بحال لا یرغب الناس عن دفن الموتٰی لقلۃ الفساد لیس لها البیع و ان کانت یرغب النّاس عن دفن الموتٰی لکثرہ الفساد فلها البیع.

ایک عورت نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنا دیا اور اسے اپنے ہاتھ سے نکالا اور اس میں اپنے بیٹے کو دفن بھی کردیا مگر یہ ٹکڑا پانی کی وجہ سے قبرستان کے لئے درست نہیں تو اس نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا۔ اگر زمین ایسی ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پہلوتہی نہیں کرتے ہیں کیونکہ فساد زائد نہ تھا تو وہ عورت اس ٹکڑے کو بیچ نہیں سکتی اور اگر لوگ اس میں زیادہ خرابی کی وجہ سے مردے دفن نہیں کرتے ہیں تو وہ عورت بیچ سکتی ہے۔" پر ظاہر کہ صورت مستفسرہ میں ہرگز نہ عدم محتاجین ہے نہ عدم صلوح۔ پھر شرط استغنا کب متحقق ہوئی اور تغیر وقف کی اجازت کس کے گھر سے ملی، تو روشن ہوا کہ مجیب سوم کا اس روایت خارجہ سے تمسک محض تشبت الغریق بالحشیش تھا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم ٥ ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی بالتوفیق۔

تنبیہ: یہ مجیب سوم پر تلک عشرہ کاملۃ ہیں اور ان کا ردان کے سب اتباع واذناب کے رو سے مغنی ع

وکل الصّید فی جوف الفراء

اور اذناب کے پاس ہے ہی کیا سوا امام زیلعی کی تحقیق کے۔

روایت امام زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ جسے خود مولوی گنگوہی صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر چھوڑ دیا اور روایت فقہیہ نے لکھنے کے لئے بے مہلتی کا بہانہ لیا۔ مجیب اول نے لکھی، مجیب دوم سلمہ نے جواب دیا۔ بعض اذناب سوم نے بے تعرض جواب، پھر اسی کا اعادہ کیا۔ مگر جناب گنگوہی صاحب چہ چے کہ یہاں مقبرۂ وقف میں کلام ہے۔ مجھے خاص دوسرے مکان وقفی کی اجازت نکالنی مشکل پڑی ہے۔ ہل چلانا، کھیتی کرنا، کہ اس روایت امام زیلعی میں جائز ہو رہا ہے۔ کس گھر سے جائز کر سکوں گا لہٰذا ہوشیارانہ اس سے عدول کیا جواذناب کی سمجھ میں نہ آیا۔ غالباً اب تو ناظرین نے اس روایت کا محمل ومحصل سمجھ لئے ہوں گے۔

صاحبو! اس سے مقصود زمین مملوک ہے، یعنی اگر کسی کی ملک میں کوئی میّت دفن کر دی گئی ہو، تو جب وہ بالکل خاک ہو جائے، مالک کو روا ہے کہ وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے، جو چاہے کرے۔

لان الملک مطلق والمانع ذال و ھذا ایضاً اذا کان ذٰلک باذنہ والافی الغضب لہ اخراج المیّت و تسویۃ الارض کما ھی الحدیث لیس لعرق ظالم حق

کیونکہ ملک مطلق ہے اور مانع زائل ہوگیا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ اس کی اجازت سے ہو، ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ میت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے کہ تھی کیونکہ حدیث میں ہے کہ زمین

پر ظالم کا حق نہیں۔

علامہ مدقق علائی قدس سرہ، نے درمختار میں اسے ایسے نفیس سلسلے میں منسلک کیا جس نے معنی مراد کو کھول دیا۔ مجیب اول نے یہ روایت وہیں سے اخذ کی، مگر علامہ مدقق کے اشارات تک ہر فہم کی دسترس کہاں؟

درمختار میں فرمایا:

"لایخرج منه بعد اهالة التراب الالحق اٰدمی کان تکون الارض مغضوبة او اخذت بشفعة و یخیر المالک بین اخراجه و مساواته بالارض کما جاز زرعهٗ و البناءُ علیه اذا بلٰی و صار ترابا زیلعی.

"مردے کو مٹی ڈالنے کے بعد صرف حقوق العباد کی وجہ سے نکالا جائے گا، جیسے زمین مغضوبہ ہو یا شفعہ سے لی گئی ہو، اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اسے نکالے یا زمین برابر کر دے، جیسے کہ اس پر عمارت بنانا اور کھیتی باڑی کرنا، مردوں کے گلنے سڑنے اور مٹی ہو جانے کے بعد درست ہے۔"

ورنہ مقبرہ وقفی میں کھیتی کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

ہدایہ میں ہے۔

فی غایة القبح ان یقبر فیه الموتٰی سنة و یزرع سنة

بات یہ ہے کہ وہابیہ کی نگاہ میں قبور مسلمین بلکہ خاص مزارات اولیائے کرام علیہم الرضوان ہی کی کچھ قدر نہیں، بلکہ حتی الوسع ان کی توہین چاہتے ہیں اور جس حیلے سے قابو چلے انہیں نیست و نابود و پامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان مرا اور پتھرا ہوا، جیسے وہ خود اپنی

حیات میں ہیں کہ **لا یسمع ولا یبصر ولا عنک شیئاً** حالانکہ شرع مطہر میں مزارات اولیاء تو مزارات عالیہ عام قبور مسلمین مستحق تکریم و ممتنع التوہین۔ یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں "قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے" کہ سقف قبر بھی حق میت ہے۔

قنیہ میں امام علائے ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطءِ القبور لان سقف القبر حق المیت

حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن کی نعلین پاک کی خاک اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر جنت کے مشک وعنبر سے مہک اُٹھے، اگر مسلمان کے سینے اور منہ اور سر اور آنکھوں پر اپنا قدم اکرم رکھیں، اس کی لذت ونعمت و راحت و برکت میں ابد الآباد تک سرشار اور سرفراز رہے، وہ فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرةٍ او سیف اَحبُّ اِلیّ من ان امشی علی قبر مسلمٍ

بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں **(رواہ ابن ماجۃ بسندٍ جیّدٍ عن عقبہ بن عامر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ)**

اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی قبروں پر مکان بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بھنگی اپنے ٹوکرے لے کر چلیں۔ ع

اگر این ست پسندِ تو نصیبت بادا

ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیمo و اذ قد اخذت المسئلۃ حقھا من البیان و لنکف عنان القلمo حامد ین للّٰہ سبحٰنہ و تعالیٰ علیٰ ما علم و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولنٰا محمد و اٰلہٖ و اصحابہ و سلم و اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و حکم عزشانہ احکم

تمّت

کتبـــــــــــــــــــــــہ'

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد ن المصطفیٰ النّبی الامّی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و اٰلہٖ وسلم

☆☆☆☆☆☆☆☆

ان ھٰذا لھو الحق والحق بالاتباع حقٌّ

اس میں جو کچھ بیان ہے سب مطابق احکام شریعت و سلف صالحین ہے۔ مسلمان ان سب کو تمسک کریں۔ مؤلّف علاّم کو خدائے برتر جزائے خیر دے اور مقبول خاص وعام کرے اور مجھ کو بھی ثواب سے محروم نہ فرمائے۔

والصلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر الانام واٰلہ و اصحابہ الکرام

المذنب المدعو محمّد عبداللّٰہ عفی عنہ

مسائل بالا کہ علمائے دین متین وفضلائے امّت (رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر وتقریر فرمودند ہمہ حق و راست و درست اند۔ شاکی انہا مردود و فاسق اند۔

☆☆☆☆☆☆

العبد الضّعیف الرّاجی الٰی رحمۃ اللّطیف

محمد نعیم، پشاوری عفی اللّٰہ عنہ و عن والدیہ والمومنین والمومنات۔

اٰمین ثم اٰمین

☆☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حَامدًا وَّ مصَلّیا و مسلماً علٰی رسولِہٖ سیّدنا محمّدٍ وَّاٰلِہٖ و اصحابہ و اولیاءِ امتہ و متبعیھم اجمعینO

جو کچھ مولانائے مجیب، جامع المعقول والمنقول، حلاّل مہمات فروع و اصول مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری جزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء نے صورت مسئولہ میں تحریر فرمایا ہے، وہ سب حق وصواب ہے، جواب لا جواب ہے، پسندیدہ اولی الالباب ہے۔ حنفی مذہب کے مطابق قبروں کو کھود کر صاف میدان کر دینا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا ہرگز درست نہیں، اس کی تحقیق مولائے مجیب نے عمدہ طور سے فرمائی ہے، کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ معترضوں کے کل اعتراض نہایت خوش اسلوبی سے اُٹھا دیئے ہیں اور منکروں کے سب خدشات دفع کر دیئے ہیں، پھر تحریر مہر و تنویر، فاضل کامل، عالم عاَمل، محقق علوم عقلیہ، مدقق فنون نقلیہ، قالع اصول مبتدعین، قامع اوہام نجدیین، حامی سنن ماحی فتن، مجدد مأتہ حاضرہ، حجت قاہرہ مولانا الحاج احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ تعالٰی فیوضاتہم کی تو منکروں پر بجلی سی کڑک پڑی، رشید گنگوہی کی تحریر پر تزویر کے تو خوب پرخچے اڑائے، ایسا امر کوئی فروگذاشت نہ ہوا کہ جس کے لکھنے کی کسی کو تکلیف ہو۔ پس فقیر

نے طول دینا مناسب نہ سمجھا، لہٰذا اختصار سے کام لیا گیا۔ ان فتووں کا انکار بجز گمراہ کے کوئی نہ کرے گا۔ اہلسنت وجماعت کو گمراہوں کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے اور سلام و کلام قطع کرنا واجب ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصّواب والیہ المرجع والماب حرّرہ الرّاجی الٰی لطف ربہ القوی عبدالنبی الامّی السید حیدر شاہ القادری الحنفی تجاوز اللّٰہ تعالٰی عن ذنبہ الجلی و الخفی و حفظ عن موحیات الکی و الغی بحرمۃ النبی الھاشمی الامّی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہٖ واصحابہٖ وسلم متوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر بھروالہ پریل بمبئی۔

﴿عبدالنّبی الامّی الحنفی. سید حیدر شاہ قلندری﴾

☆☆☆

بِسْمِ اللّٰہ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ الذی رزق الانسان علماً و سمعاً و بصراً فی الحیات و بعد الممات. فالموتٰی یعرفون الزّوار و یسمعون الاصوات و الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علٰی من ھدانا الی الصراط المستقیم و قانا بھا من نارالجحیم التی اعدت للکفرین والماردین من النّیا شرۃ والمکذبین لرب العالمین و المضّلین للشیطان اللعین علٰی علم الا وّلین والاخرین صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و علٰی الہٖ و اصحابہٖ و ابنہ و حزبہ اجمعین و علینا بھم یا ارحم الرّاحمین ٥ و بعد فلمّا رأیت جواب ناصر الدین المتین و مولنٰا المولوی محمد عمر الدین و جدتہ موافقاً للسنۃ دافعًا للفتنۃ و

نظرت تحرير المولوى رشيد احمد الگنگوهى فما هو الاضلال مبين وهتك لحرمة المؤمنين وما ردبه عليه خاتم المحققين عمدة المدققين عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضره سيّدى و مرشدى و كنزى و ذخرى ليومى و غدى مولٰنا المولوى محمّد احمد رضا خان ايده اللّٰه لواهب بالفيض والمواهب فلا اجد لساناً ثنّاءً عليه غير ان اقول لاشک انه الصدق الصراح و الحق القراح فجزاهم اللّٰه خير الجزاء عن الاسلام والمسلمين بحرمة سيد المرسلين صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم واللّٰه تعالٰى اعلم بالصّواب و عنده ام الكتاب قاله بفمه ورقّمه بقلمه محمد المدعو بظفر الدين المحمدى السنى الحنفى القادرى البركاتى الرّضوى المجددى البهاروى العظيم ابادى.

﴿محمدى سنى حنفى قادرى ابوالبركات محمد ظفر الدين﴾

☆☆☆☆☆☆



مجموعہ رسائلِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ

صلاۃ الصفاء فی نور المصطفیٰ ﷺ

اس رسالے میں حضور ﷺ کے نور ہونے کی تشریح ہے

شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

حضور ﷺ کے والدین اور آباؤ اجداد کے مومن ہونے کا بیان

انباء المصطفیٰ بحال سر و اخفیٰ

حضور پرنور ﷺ کے علم شریف کا بیان

انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ

حضور پرنور ﷺ کو یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا اور آپ سے مدد طلب کرنا جائز ہے

نفی الفیء عمن انار بنورہ کل شیء

حضور پرنور ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا بیان

منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرؤیہ

حضور پرنور ﷺ عرش پر تشریف لے گئے اور دیدارِ الٰہی سے بے قید جہت و مکان مستفید ہوئے

نہج السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامہ

اذان و اقامت میں انگوٹھے چومنے کا بیان

قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام

حضور ﷺ کے بعض خصائص کا تذکرہ اور سایہ نہ ہونے کا ذکر

بدر الانوار

بزرگانِ دین کے تبرکات کا اسلام میں کیا مقام ہے

اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح

مؤمنین کی روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں

برکات الامداد لاہل الاستمداد

خدا کے بندگانِ خاص سے مدد طلب کرنا

ابر المقال

علماء کرام و اولیاء عظام کے تبرکات اور آستانوں کا بوسہ دینے کا بیان

الحجۃ الفائحہ

دنِ معین کرکے مُردے کی فاتحہ اور اس کو ایصالِ ثواب جائز ہے

احکام قبور مؤمنین

احکامِ قبورِ مؤمنین

اویسی بک سٹال
0333-8173630